کیا یہ لوگ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے گزر گئے ان کا انجام کیسا برا ہوا حالانکہ جو لوگ ان سے قوت میں بھی زیادہ تھے اور جس قدر زمین ان لوگوں نے آباد کی ہے اس سے کہیں زیادہ ان لوگوں نے بھی آباد کی تھی اور ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر واضح اور روشن دلیلیں لے کر آچکے تھے مگر ان لوگوں نے نہ مانا تو خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ لوگ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے

الحمد للہ

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمیٰ بہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

حصۂ ثانیہ

جس میں خدا کے فضل و کرم سے حضرت عمرؓ ابن الخطاب کی ہجرت طرف مدینہ سے وفات تک کے مفصل سوانح حیات کمال تحقیق و جامعیت سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدہ مبارکہ اصلاح کھجوا (بہار)

ابن

حضرت فخر المتکلمین ظہیر العلماء والمجتہدین زین الملۃ والدین حجۃ الاسلام والمسلمین کہف الایمان والمومنین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا و مقتدانا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ و جعل اللہ الجنۃ مثواہ المتوفی ۱۲ شعبان ۱۳۵۲ھ

مطبع اصلاح کھجوا (صوبہ) بہار میں طبع ہوئی

سوانح عمری خلیفہ دوم پر علم دوست حضرات کی قابل قدر رائیں

الحمد للہ کہ محض اوسی کے فضل و کرم سے سوانح عمری خلیفہ دوم بھی اس درجہ پسند کی جا رہی ہے کہ بکثرت آعیان ملت و علماء اعلام نے اسکی مدح و ستایش شاندار الفاظ میں کی جس پر خدا ے تبارک و تعالٰے کے کرم و احسان کا شکریہ کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا۔ صرف چند رائیں بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں (۱) جناب مرزا اکبر علی بیگ صاحب انسپکٹر پولیس پنشنر دام مجدہٗ نے کانپور سے تحریر فرمایا "جناب قبلہ دام برکاتکم تسلیم۔ خداوند کریم آپ کو بتصدق بیمار کربلا ہمیشہ صحت یاب رکھے اور عمر صد و سی سال کو پہونچائے۔ پرچہ اصلاح نے وہ کام زمانہ میں کیا کہ سب اپنے مذہب اور اوسکی حقیت اور دشمنان دین کے حالات سے واقف ہو گئے۔ خدا کرے اصلاح ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے۔ سوانح عمری اول و تاریخ ائمہ دونوں کتابیں لاجواب اور بے مثال رہیں۔ محرم کے پرچہ میں سوانح عمری ثانی اور اوسی کے ساتھ ایک کتاب جوہر قرآن شروع ہوئی ہے۔ موخر الذکر کتاب دیکھکر حیرت ہو گئی۔ بڑی ضروری و نادر کتاب ہو گی۔ سوانحعمری ثانی کے تو شروع ہی ورق میں آپ نے الفاروق کی حقیقت کھول کر رکھ دی اور اوس کو ردی کر دیا۔ خداوند کریم دونوں کتابوں کو اتمام کو پہونچا دے اور یہ پرچہ اصلاح زر کثیر نثار کرنے کے قابل اور آپ کا منہ جواہرات سے بھر دینے کے لائق ہے" (۲) جناب میر علی اکبر صاحب موسوی دام مجدہٗ کھوٹا پڈ صوبہ اڑیسہ سے تحریر فرمایا "جناب مولانا عماد الملت والدین ادام اللہ فیوضکم تسلیم۔ میں سچ کہتا ہوں آپ نے قوم پر وہ احسان عظیم کئے اور کر رہے ہیں کہ جس سے وہ سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ ابھی حال کی بات ہے تصویر عزا جیسی نایاب کتاب لکھی جسکی نظیر محال ہے۔ حضرت ابوبکر کی سوانح عمری لکھکر ایسے ایسے راز کا انکشاف کیا جو ہم نے دیکھنا تو کجا شناسا تک نہیں۔ تاریخ ائمہ لکھکر مومنین و مومنات پر احسان عظیم کیا آپ کی جتنی تعریف و توصیف کی جائے کم ہے۔ سال رواں میں حضرت عمر کی سوانح اور جوہر قرآن شروع کی ہے۔ ہر دو کتاب ہدایت مآب گزشتہ سے بڑھ چڑھکر رہیں گی۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ خداوند عالم بطفیل آل عبا آپ کی صحت تا دیر برقرار رکھے آمین" (۳) جناب مولانا حکیم سید محمد صادق صاحب لکھنوی مولوی فاضل و صدر الافاضل

دام مجدہ نے حیدرآباد دکن سے تحریر فرمایا "سوانح عمری خلیفہ دوم اور جوہر قرآن نہایت عمدہ اور دلچسپ طریقہ سے آپ نے تحریر فرمایا ہے مجھ کو تو بے حد پسند ہے۔ خصوصاً سوانح عمری محض سوانح عمری نہیں ہے بلکہ مولوی شبلی صاحب نے الفاروق میں اپنی عقیدت مندی سے جہاں پردہ پوشی کی اور حقیقت حال کو گول مول کیا ہے اوسکی رد اور حقیقت کا اظہار بھی ہے۔ امید ہے کہ یہ سوانح عمری خلیفہ اول سے بہتر و مفید تر ثابت ہوگی" (۴) جناب ڈاکٹر سید منظر عباس صاحب سیفی دام مجدہ نے بلاسپور سے تحریر فرمایا "میں سوانح عمری خلیفہ اول اور تاریخ ائمہ کے متعلق کسی عریضہ میں اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں۔ اگرچہ میں کیا اور میری رائے کیا۔ لیکن چونکہ اظہار حق ازبس ضروری ہے اسلئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جوہر قرآن انشاء اللہ المستعان تحفہ اثنا عشریہ کا بہترین جواب ہوگی اور مومنین کی دیرینہ آرزو بر آئیگی۔ کیا خوب ابتدا کی ہے۔ سبحان اللہ وجزاکم اللہ۔ سوانح عمری خلیفہ دوم کے ابتدائی اوراق ہنوز شائع ہو رہے ہیں مگر بتا رہے ہیں کہ ہونے والی کتاب کس درجہ مدلل ہوگی۔ الحق کہ تحقیق آپ کا حق ہے۔ خداوند عالم آپ کو صد وسی سال قائم رکھے اور مومنین کو آپ کی تصانیف سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دے۔ آمین ثم آمین" (۵) جناب مولوی سید ظہیر الدین حیدر صاحب ظہیر شادانی دام مجدہ نے جگراؤں سے تحریر فرمایا "جناب مولانا دامت مفاخرکم السامیہ و زادت مآثرکم النامیہ تسلیم آپ نے جو اصلاح میں سوانح نگاری کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے بے حد کامیاب ہوا ہے۔ واقعی آپ کی یہ مساعی جمیلہ لائق صد ستائش ہیں۔ سوانح عمری خلیفہ اول ہی کیا کم تھی۔ سوانح عمری خلیفہ ثانی نے تو جہانِ اغیار میں ہلچل ڈال دی۔ اغیار اب ہماری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ دونوں آپ کے بہترین شاہکار ہیں" (۶) جناب سید فقیر حسین صاحب ریڈر دام مجدہ نے چکیا سے تحریر فرمایا "جناب قبلہ و کعبہ مدظلکم العالی ... خداوند عالم جناب کو بتصدق ائمہ معصومین علیہم السلام بخیر و عافیت رکھے اور عمر خضری عطا فرمائے۔ یوں تو پرچہ اصلاح جب سے جاری ہوا ہے اپنی آپ نظیر ہے لیکن جب سے جناب کے زیر اہتمام اسکی اشاعت شروع ہوئی ہے ماشاء اللہ اسمیں اور چاند لگ گئے ہیں۔ علمی خزانہ سے وہ وہ جواہرات انمول جناب نے پیش کئے ہیں جسکے لئے قوم جس قدر شکریہ ادا کرے کم ہے۔ سنہ گزشتہ تک جو کتابیں طبع ہوئی ہیں مقبول عام ہو چکی ہیں۔ سنہ رواں میں کتاب حضرت عمر و جوہر قرآن جیسی نایاب کتاب جس عنوان سے شائع

ہو رہی ہے تعریف سے زبان قاصر ہے۔ کتاب کیا ہے انصاف و حق پسند کے لئے مشعل ہدایت ہے۔ خداوند عالم جناب کی توفیق میں روز افزوں ترقی اور قلم میں زور حیدری عطا فرمائے اور وجوہ توقف اشاعت سے دائمی نجات بخشے۔ آمین" (۷) جناب مولوی سید رضا حیدر صاحب زیدی ہیڈ مولوی دام مجدہٗ نے ضلع فیروز پور سے تحریر فرمایا "حامی ملت جعفریہ زاد عنایتکم سلام علیکم۔ حقیقت میں جناب نے وہ کام کیا ہے جو شاید علماء کی ایک جماعت برسوں کی محنت کے بعد بھی نہ کر سکتی جزاکم اللہ خیر الجزاء" (۸) جناب سید حسن علی شاہ صاحب مشہدی دام مجدہ نے فیروز پور سے تحریر فرمایا "خلیفہ صاحب کی سوانح عمری کا شائع شدہ حصہ قبول ایمان وجداً آفرین ہے جزاک اللہ" (۹) جناب حاجی پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی رئیس دام مجدہٗ نے شمس آباد سے تحریر فرمایا "ظلام المتکلمین قمقام المناظرین دام مجدکم العالی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فن مناظرہ میں جو دستگاہ کامل آپ کو حاصل ہے وہ کسی اور کو میسر نہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ حضرت عمر کی سوانح عمری میں آپ نے علم رجال کی رو سے اُن کے مزعومہ فضائل کو جس طرح بے نقاب کیا ہے وہ لائق صد ستائش ہے ... کیا خوب ہوتا اگر جناب سامی اس نقد رواۃ کے سلسلہ کو جاری رکھتے اور سوانح حضرت ابوبکر کی طبع ثانی اور سوانح حضرت ثالث کی ابتداء میں ان حضرات کے فضائل کا نقد فرما کر یہ ثابت فرما دیتے کہ حضرات اصحاب ثلثہ کے فضائل خود علم رجال حضرات اہلسنت کی رو سے موضوع ہیں" (۱۰) جناب ماسٹر کریم بخش صاحب حیدری مضطر ہیڈ ماسٹر دام مجدہ نے ضلع میانوالی سے تحریر فرمایا "فخر ملت عالی جناب عمدۃ العلماء حضرت مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دامت برکاتکم۔ سلام مسنون۔ جناب کی گراں قدر تصنیف سوانح عمری حضرت ابوبکر ہی کیا کم تھی مگر اب تو آپ نے حضرت عمر کی پُراسرار اور حیرت انگیز سوانح حیات لکھ کر ایک عالم کو انگشت بدنداں کر دیا۔ ہوا خواہان ثلاثہ کے گھروں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے جن کتابوں سے ممدوح کی ہستی بے نظیر اور عظیم الشان ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اب افسوس سے اونکے ممدوح کی قلعی کھل رہی ہے۔ اے کاش آج مولانا شبلی صاحب بقید حیات ہوتے تو اپنی مایۂ ناز کتاب الفاروق کا سکت جواب پاکر اور اپنے قصر امید کی دیواروں میں شگاف دیکھکر ایک بسیط و عریض نوحہ تصنیف فرماتے۔ حضرت

ممدوح کو جنرل اسلام اور ایک مدبر سیاسیات بیان کیا جاتا ہے مگر آں جناب نے جس خوش اسلوبی سے اصل واقعات کی نقاب کشائی کی ہے وہ یقیناً مستحسن اور تعجب خیز ہیں۔ حقیقت میں اسلام کی سچی خدمت کا یہ بہترین طریق ہے۔ آپ کے علمی کارنامے کسی تعریف کے محتاج نہیں ہیں۔ خداوند عالم آپ کو بحق محمدؐ و آل محمدؐ تا دیر زندہ و سلامت رکھے۔ آمین" (۱۱) جناب ماسٹر سید انور علی صاحب دام مجدہ نے سکندر آباد دکن سے تحریر فرمایا "جناب مولانا و مقتدانا و حامی دین مبین دام اقبالہم سلام علیکم۔ خدا آپ کا سایہ ہم شیعوں پر قائم رکھے۔ اس سال جوہر قرآن اور سوانح حضرت عمر جو چل رہی ہیں انکی مدح میں میری زبان و قلم قاصر ہے۔ جناب کے طرز بیان کی تعریف ناممکن ہے" (۱۲) جناب سید حسین صاحب ٹیلیگراف ماسٹر دام مجدہ نے نئی دہلی سے تحریر فرمایا "سوانح عمری حضرت ثانی اور جوہر قرآن بر دولا جواب کتب آں جناب کے قلم سے وجود میں آرہی ہیں۔ دعا ہے خداوند عالم آں جناب کو ان کی تکمیل کی توفیق رفیق کرے اور نشر علوم عقائد آں جناب کو صدوسی سال زندہ و سلامت و باکرامت رکھے۔ بقول غالب مرحوم ؎

تم سلامت رہو ہزار برس ⁂ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"

(۱۳) جناب منشی دین محمد صاحب ہیڈ دام مجدہٗ نے ضلع گرداسپور سے تحریر فرمایا "چشم بد دور رسالہ کیا ہے مخالفین کی رگ و ریشہ کو کاٹ رہا ہے۔ اللہ اس رسالہ کو ابدالآباد تک رکھے اور اسکے مدیر صاحب قبلہ کو عمر نوح عطا فرمائے۔ رسالہ کے مضامین علمی خزانہ ہیں اور معلومات میں اضافہ کرنے کے خزانے ہیں ... جو ہر قرآن اور سوانح عمری جو چھپنی شروع ہوئی ہے اس سے علمی خزانہ میں گوناگوں اضافہ ہے" (۱۴) جناب سید احمد حسن صاحب دام مجدہٗ نے لگروالی سے تحریر فرمایا "حضور نے ہم لوگوں کا ایمان تازہ کردیا۔ پروردگار آپ کو عمر نوح عطا فرمائے تاکہ اس غریب قوم کے سر پر آپ کا سایہ رہے۔ آپ نے جوہر قرآن و سوانح عمری دوم صاحب ایسی عجیب و غریب لکھی ہے کہ جواب نہیں ہو سکتا" (۱۵) جناب میاں عمر علی صاحب رئیس اعظم دام مجدہ نے ضلع مظفر گڈھ سے تحریر فرمایا "سیدی و مولائی۔ جناب کے زور قلم سے جو کتاب عالم شہود میں آتی ہے دیکھنے والا فوراً ہی کہ دیتا ہے کہ مولانا اس جیسی دوسری کتاب تصنیف نہ فرما سکیں گے۔ اسے حیران ہونا پڑتا ہے جب جناب کی دوسری تصنیف ہاتھوں میں پہونچتی ہے۔ بعد مطالعہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ حضرت عمر کی سوانحعمری

بھی جس شان سے لکھی جا رہی ہے یقیناً بطلان کے تار و پود کی نقاب جناب ہیرو کے رُخ زیبا سے ہٹا دیگی"

اس سوانح عمری سے مذہب شیعہ کی ترقی اس سوانح عمری سے بفضلہ تعالےٰ بکثرت برادران اہلسنت نے مذہب حق قبول کر لیا ہے مثلاً جناب مولوی سید محمد یحییٰ حسن صاحب رئیس نہیٹرا سادات ضلع بجنور دام مجدہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ "جوہر قرآن اور سوانح عمری خلیفہ دوم پڑھکر چار حضرات اہلسنت نے مذہب شیعہ قبول کر لیا"

ضروری مضامین کی مختصر فہرست

غلط نامہ

(پہلے ان غلطیوں کو درست کر لیجئے تب کتاب دیکھئے)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۲	خلافت کے قبل	ہجرت	۵۵	۱۳	گمراہ اور	گمراہ کرنا اور
۵	۸	اُس	اُس	۵۷	۱۰	یقینا	لقینا
۹	۱۸	اُس خط کو لکھا	اُس کو خط لکھا	۵۸	۷	نستیذل	نستذل
۱۶	۱۴	ساعدی	سعدی	۵۹	۱۴	خون محفوظ	خون کے محفوظ
۲۸	۲	کبیر السہ	کبیر البتہ	۶۲	۲	ہوگیا لعی	ہوگئے یعنی
۳۷	۹	یبائرون	یبروٗن	"	۶	ہوگی الااب اگر	ہونگی ـ اب اگر
۵۱	۱۲	اس کو	اُس سے	۶۴	۳	محمدؐ نبی	محمدؐ کو نبی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۵	۹	لوگوں فتح	لوگوں کو فتح				
۱۰۳	۱۲	خدا نے موافقت	خدا نے میری موافقت	۱۸۴	۱۴	کوئی نئی	کوئی وجہ مانی
۱۰۸	۱۱	التشمس	التشتہین	۱۹۴	۱۵	تبراء عذاب	بڑا عذاب
″	۱۳	مللث	مللت				
۱۱۱	۲۳	زبد	زہد	۲۰۷	۲۱	اس وجہ	اس وجہ سے
۱۱۴	۱۲	تمہارے بھی	تمہارے لئے بھی	۲۲۱	۵	آخر	آؤ
				۲۲۳	۳	بہت سے بہت	بہت
۱۱۷	۳	لیشھد	لیشھد	″	۱۲	اور ان کے فرزند	اور نہ ان کے فرزند
۱۲۸	۱۰	االط	الرطب				
۱۳۶	۱۹			۲۲۸	۱۳	صعبتہ	صعبۃ
۱۵۶	۱۲	مغضبنا	مغضبا	۲۳۴	۸	وانکر عر	وانکر عمر
۱۵۷	۱۸	فارق	فاروق	۲۴۹	۴	اسکے معنے	اس جگہ سودا
۱۶۱	۱	ابو و عمر	ابوبکر و عمر	۲۴۹	۶	حعزت عمر	حضرت عمر کے والد
۱۷۰	۲	چاتی	پاتی	۲۵۱	۸	تھا رتا وہ	تھا کر وہ
۱۷۱	۱۲	فرمادیا تھا	فرمادی تھی	۲۵۶	۲۳	ص۱۸۵	ص۱۸۵ و ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص۸۱
″	۲۳	سام	سالم	۲۵۶	۶	عمیرا	عمیر
۱۷۲	۱۱	المقدمۃ	المقدسۃ	۲۵۷	۴	فارق	فاروق

ان بعض کتابوں کی فہرست جنکے حوالے اس سوانح عمری میں زیادہ دیئے گئے ہیں

قرآن مجید۔

کتب تفسیر:- تفسیر در منثور علامہ سیوطی، تفسیر وحیدی مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی، تفسیر معالم التنزیل امام بغوی، تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی، تفسیر علامہ طبری۔

ہر روایت کو [illegible]

کتب حدیث :- صحیح بخاری، مشکوۃ شریف، فتح الباری، مسند امام احمد بن حنبل، فتح المغیث، کنز العمال، لئالی مصنوعہ، شرح سفر السعادۃ، سنن ترمذی، کتاب الارشاد، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد۔ جامع الاصول۔

کتب تاریخ :- تاریخ تمدن اسلام از جرجی زیدان، جامع بیان العلم، فہرست ابن الندیم تاریخ ابو الفدا، تاریخ الخلفاء، روضۃ الصفاء، تاریخ طبری، تاریخ کامل ابن اثیر، مروج الذہب علامہ مسعودی، تاریخ ابن خلدون، روضۃ المناظر، تاریخ ائمہ، معارف ابن قتیبہ، سکسرز آف محمدؐ۔

کتب سیرۃ :- سیرۃ الفاروق، الفاروق، ازالۃ الخفاء، قرۃ العینین، ریاض نضرہ، سیرۃ النبیؐ طبقات ابن سعد، سیرۃ النعمان، نصائح کافیہ، تاریخ خمیس، امہات الامۃ، سیرۃ عائشہ، سیرۃ محمدیہ، سیرۃ حلبیہ، سوانح عمری حضرت ابوبکرؓ۔

کتب رجال :- میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، اصابہ، تہذیب الکمال، استیعاب اسد الغابہ۔

کتب انساب :- سبائک الذہب۔

کتب ادب :- عقد فرید، ثمرۃ الادراق، مستطرف۔

کتب لغۃ :- انوار اللغۃ، قاموس، مجمع بحار الانوار۔

کتب معارف :- شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن ابی الحدید۔ کتاب مستطاب، نہج البلاغہ۔

کتب جغرافیہ :- سفر نامہ روم و شام و مصر۔

کتب فقہ :- فتاوے عزیزی۔

ضروری اعلان جو صاحب اس سوانح عمری کا ترجمہ بھی انگریزی اور عربی زبان میں شایع کرنا چاہیں اُن کا فرض ہو گا کہ مصنف سے اجازت لیکر ایسا کریں اور جب ترجمہ کو پریس میں دینے لگیں تو مصنف کو اس کا مسودہ دکھانے کے بعد ایسا کریں تا کہ دیکھ لیا جائے ترجمہ اصل کے مطابق کیا گیا ہے یا اسمیں کچھ ترمیم کی ضرورت باقی رہ گئی ہے اوسکو درست کرنے کے بعد اسکی اشاعۃ قابل اعتراض نہیں رہیگی۔

۷۸۶

[illegible]

الحمدللہ

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمی بہ

سوانح عمری

حضرت عمر

حصہ اول

جس میں خدا کے فضل و کرم سے حضرت عمر بن الخطاب کی ولادت سے ممدوح کی خلافت کے ہجرت تک کے مفصل سوانح حیات کمال تحقیق و جامعیت سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدۂ مبارکہ اصلاح کھجوا (بہار)

ابن

حضرت فخر المتکلمین المحققین سید العلماء و المجتہدین زین الملۃ والدین حجۃ الاسلام والمسلمین کہف الایمان والمؤمنین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا و سیدنا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ (المتوفی ۱۲ شعبان ۱۳۵۲ ہجری)

مطبع اصلاح کھجوا ضلع سارن بہار میں چھپی

بار اول ۱۳۵۷ ہجری



الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ سیدنا و مولانا
ابی القاسم محمد و آلہ الطیبین الطاہرین۔

احقر علی حیدر عفا عنہ اللہ الاکبر مدیر رسالہ اصلاح کھجوا ابن حضرت فخر المتکلمین سید المحققین ظہیر العلماء والمجتہدین عماد الملۃ والدین حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا و مقتدانا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ وجعل اللہ الجنۃ مثواہ (المتوفی ۱۲ شعبان ۱۳۵۲ھ ہجری) عرض کرتا ہے کہ دنیا میں جو لوگ کسی وجہ سے بڑے درجہ پر پہونچے اُن کے حالات زندگی جاننے اور اُنکی ترقی و عروج کے اسباب و ذرائع پر مطلع ہونے کا شوق لوگوں کو آمادہ کرتا ہے کہ ان کے سوانح زندگی کی تحقیق کریں اور مفصل واقعات کا پتا لگائیں۔ اسی طرح کسی شخص کی سوانح عمری مرتب کرنے کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور دنیا کے نامور لوگوں کے تذکرے کسی زبان میں لکھے جاتے ہیں۔

اسلام میں حضرت عمر بن الخطاب بھی ایک نامور بزرگ گزرے ہیں جن کے مفصل حالات جاننے کا اشتیاق مسلمانوں کو ہونا ہی چاہیئے۔ اس سبب سے ان کے حالات عربی زبان کی کتب تاریخ و رجال میں تو موجود ہی ہیں۔ ان کے متعلق اردو زبان میں بھی دو سوانح عمری شائع ہو چکی ہے۔ ایک سیرۃ الفاروق مولفہ منشی سراج الدین احمد صاحب اڈیٹر سرمور گزٹ جو سنہ ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی۔ دوسری الفاروق مولفہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی جو سنہ ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی۔ مگر افسوس کل کتابوں میں ممدوح کے صرف وہی حالات شائع کئے گئے جو خوش اعتقادی کا نتیجہ کہے جا سکتے ہیں۔

حالانکہ سوانح نویس کو اپنے ہیرو کا سچا مصور ہونا چاہیئے کہ اسکی صورت جیسی بھی ہو اس کا

عکس اُتار کر پیش کر دے۔ اپنی جانب سے اس میں کچھ تصرف نہ کرے۔ اور حالات کے انتخاب میں اپنی دینی ارادت کو دخل نہ دے۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی اپنی الفاروق کو اس طرح لکھنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوتے اگر ان سے قبل جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء اور قرۃ العینین میں حضرت عمر کو ان کی اصلی حالت سے بہت زیادہ دکھانے کی کوشش نہ کی ہوتی۔ حالانکہ شاہ صاحب نے زیادہ تر اُن روایات سے ممدوح کی عظمت ثابت کی جن کو محققینِ اسلام قبول کرنے کے لئے طیار نہیں ہیں۔ خود مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "اگرچہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمر کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اسکی تلافی ہو سکتی ہے۔ مثلاً الاحکام السلطانیہ لابن الوردی و مقدمہ ابن خلدون و کتاب الخراج سے حضرت عمر کے طریق حکومت و آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع سے خاص صیغۂ قضا کے متعلق ان کا طریق عمل معلوم ہوتا ہے۔ کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری و محاسن الوسائل الی اخبار الاوائل میں ان کی اولیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید و کتاب البیان والتبیین للجاحظ میں اُن کے خطبے منقول ہیں۔ کتاب العمدہ لابن رشیق القیروانی سے ان کا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے۔ میدانی نے کتاب الامثال میں ان کے حکیمانہ مقولے نقل کئے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں ان کے اخلاق و عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں اُن کے فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے ان سے فائدہ اُٹھایا ہے" (الفاروق حصہ اول دیباچہ صہ ۱۶) اس پوری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کی الفاروق کا ماخذ زیادہ تر یہی کتابیں ہیں۔ اور موصوف ان کل کتابوں کو قابل اعتبار و استناد سمجھتے ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ گویا آپ کی نظر میں سب مساوی حیثیت رکھتی ہیں۔ مگر اس کے بعد ہی موصوف تحریر فرماتے ہیں "ریاض النضرۃ للمحب الطبری میں بھی حضرت عمر کے حالات تفصیل

سے ملتے ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اُس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں۔ اس لئے میں نے دانستہ اس سے احتراز کیا" (الفاروق صـ۱۶)۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اس عبارت سے پوری کتاب الفاروق کی حقیقت منکشف ہو جائے۔ ریاض النضرہ میں موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں اس لئے ممدوح نے دانستہ اس سے احتراز کیا۔ مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب (ریاض النضرہ) کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے اور اس (شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب) کو مولوی صاحب اپنا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ بلکہ اسکی مدح بھی نہایت عظمت سے کرتے ہیں کہ "شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں ان کے فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقہ سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے اُن سے فائدہ اٹھایا ہے"۔ مولوی صاحب اگر زندہ ہوتے تو ان سے دریافت کیا جاتا کہ جب ازالۃ الخفاء ماخوذ ہے ریاض نضرہ سے اور ریاض نضرہ میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں تو ازالۃ الخفاء بھی نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتوں سے ماخوذ ہوئی یا نہیں؟ اور جب ازالۃ الخفاء موضوع روایتوں سے ماخوذ ہوئی اور آپ نے اُن سے فائدہ اُٹھایا تو الفاروق بھی نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتوں سے ماخوذ ہوئی یا نہیں؟ کیا تماشا ہے کہ آپ ریاض نضرہ سے تو احتراز کرتے ہیں لیکن ازالۃ الخفاء سے جو اسی ریاض نضرہ سے لکھی گئی بلکہ اس کا مطلب خیز ترجمہ کیا گیا ہے آپ اپنی الفاروق مرتب کرتے ہیں! اگر ایک دیگ میں سڑا ہوا کھانا ہے تو کفگیر میں اس سے جو کھانا نکالا جائیگا وہ بھی سڑا ہوا ہی ہوگا۔ کوئی شخص اس نکلے ہوئے کھانے کو خوشگوار نہیں کہہ سکتا۔ اگر ایک لوٹے میں نجس پانی ہے تو اس سے چلو میں جو پانی انڈیلا جائیگا وہ بھی نجس ہی ہوگا کوئی انسان اس کو پاک نہیں کہیگا۔ اگر ایک ڈبے میں کراسن کا تیل ہے تو اس سے کُپّی میں جو چیز نکالی جائیگی وہ بھی کراسن کا تیل ہی ہوگی۔ معمولی عقل کا آدمی بھی اس کو سر میں لگانے کا خوشبودار تیل نہیں تسلیم کریگا۔ اسی اصول کے مطابق اگر ریاض نضرہ میں موضوع اور ضعیف روایتیں ہیں تو ازالۃ الخفاء کی روایتیں بھی موضوع اور ضعیف

ہی ہونگی۔ اور اس ازالۃ الخفار سے الفاروق مرتب ہوئی تو وہ بھی موضوع اور ضعیف روایتوں ہی کا مجموعہ ہو سکتی ہے اور اسکی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ کراسن تیل کے ٹن سے تیل بوتل میں انڈیلا گیا۔ اور اس سے کپی میں لیا گیا۔ سب میں وہ تیل کراسن ہی کا رہا بدلا نہیں۔ اس سے دس بیس برتنوں میں ڈالتے جاؤ سب میں وہ تیل وہی رہیگا۔ وہی بُو۔ وہی مزہ رہیگا۔ ظرف بدلنے سے مظروف نہیں بدلیگا۔

یہ امر کس قدر حیرت خیز اور افسوس ناک ہے کہ حضرت عمر کی وہ سوانح عمری جو ممدوح کی بہترین لائف سمجھی جاتی ہے اور جس کے متعلق خود مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "الفاروق جس کا غلغلہ وجود میں آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں بلند ہو چکا ہے اول اول اُس کا نام بانو پر اس تقریب سے آیا کہ المامون طبع اول کے دیباچہ میں ضمناً اُس کا ذکر آگیا تھا۔ اسکے بعد اگرچہ مصنف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کیا گیا تاہم نام میں کچھ ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ اُس کے ابتدائی اجزا ابھی طیار نہیں ہو چکے تھے کہ تمام ملک میں اِس سرے سے اُس سرے تک الفاروق کا لفظ بچہ بچہ کی زبان پر تھا" (الفاروق صا) اُس کی بنیاد ازالۃ الخفار وغیرہ ایسی کتاب پر رکھی گئی وہ ازالۃ الخفار جسکی بنیاد ریاض نضرہ پر اور ریاض نضرہ کی بنیاد موضوع اور ضعیف روایتوں پر قائم ہوئی۔ ایسی کتاب کا جو نتیجہ ہوگا واضح ہے۔ سچ ہے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج ⁂ تا ثریا می رود دیوار کج

یہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ صرف ازالۃ الخفار کی وجہ سے پوری کتاب الفاروق کیوں موضوع اور ضعیف روایتوں سے ماخوذ قرار دی جائیگی؟ اس میں اور کتابوں سے بھی تو مضامین لئے گئے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کتاب کے مصنف (مولوی شبلی صاحب) نے جس نظر سے ازالۃ الخفاء کو دیکھا اسی نظر سے دوسری کتابوں کو بھی دیکھا۔ جب آپ نے ازالۃ الخفاء کو باوجود اسکے کہ وہ موضوع اور ضعیف روایتوں والی کتاب سے ماخوذ ہے اپنا ماخذ قرار دیا اور اسکی پرواہ نہیں کی کہ اس سے احتراز کریں تو دوسری کتابوں کے متعلق بھی آپ پر اطمینان نہیں ہو سکتا کہ انھیں کتابوں کو اپنی الفاروق کا ماخذ قرار دیا ہو جن کی روایتیں موضوع اور ضعیف نہیں ہیں۔ جس طرح کوئی جوہری سو موتیوں کا ایک

ہار بنائے اور کہے اس کے کل موتی سچے ہیں مگر بعد کو اُسی کے بیان سے کسی موتی کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے تو بقیہ موتیوں کے متعلق بھی اطمینان زائل ہو جائیگا اور سب کے جھوٹے ہونے کا کم از کم احتمال ضرور پیدا ہوگا۔ اب جو شخص جوہری ہوگا وہ جانچ کر بتا دیگا کہ اس ہار کے یہ موتی بھی جھوٹے اور صرف یہ سچے ہیں لیکن عوام کو جو اسکی آسانی سے تمیز نہیں کر سکتے کل موتیوں کے متعلق شک باقی رہے گا۔

فن درایت مولوی شبلی صاحب نے اپنی کتاب کا ماخذ جس طرح کتب مذکورہ بالا کو قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس کو درایت کے اصول پر بھی مبنی کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "بحث تو اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے اور جس قدر ہوتے ہیں ان میں اسباب وعلل کا سلسلہ نہیں ملتا لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے۔ وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود ان کی صحت پر کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے؟ واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں۔ روایت و درایت۔ روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اُس شخص کے ذریعہ سے بیان کیا جائے جو خود اُس واقعہ میں موجود تھا اور اُس سے لے کر اخیر راوی تک کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابط تھے یا نہیں۔

درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے ... درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے چنانچہ ابن حزم۔ ابن القیم۔ خطابی۔ ابن عبدالبر نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہیئے تھی نہیں ہوئی۔ اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا۔ البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کئے۔ چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے:۔

ان الاخبار اذا اعتمد فیھا علی مجرد النقل ولم تحکم اصول العادۃ وقواعد السیاسۃ وطبیعۃ العمران والاحوال فی الاجتماع	خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضاء کا لحاظ نہ

الانسانی ولا تقیس الغائب منہا بالشاھد والحاضر بالذاھب فربما لم یؤمن فیہا من العثور

طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گزشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزش ہو گی۔

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہئے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن بھی ہے یا نہیں کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے امکانِ عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کے رو سے ممکن ہونا مراد ہے" (الفاروق صہ ۱۵)

مولوی صاحب ممدوح کا فرض تھا کہ حضرت عمرؓ کے حالات میں بحیثیت منصف مولف کے طرز عمل اختیار کرتے کہ ہر واقعہ کو روایت اور درایت دونوں کے مطابق جانچ کر کے لکھتے خواہ اس سے ان کے ہیرو کی مدح نکلتی یا ذم۔ مگر افسوس موصوف نے اسکے برعکس اصول اختیار کیا کہ جس روایت سے ممدوح کی مدح ثابت ہوتی تھی وہاں اصول درایت کو بالکل پس پشت ڈال دیا۔ بلکہ ایسی روش اختیار کی کہ ناظرین کا ذہن اصول درایت کی طرف ملتفت بھی نہ ہونے پائے۔ اور جس روایت سے ممدوح کی مذمت نکلتی تھی وہاں اصول درایت کو پیش کر کے اپنا کام نکالنا چاہا[ا] مثال کے طور پر صرف حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ پیش کر دینا کافی ہے۔ آپ خود اس کو اس طرح لکھتے ہیں "حضرت عمرؓ کا ستائیسواں

[ا] اس زمانہ میں جو لوگ اپنے مذہب مذہبی پیشواؤں کی مدح اور دوسرے مذہب یا اسکے مقتدایان دین کی مذمت میں کتابیں لکھتے ہیں وہ عموماً یہی روش اختیار کرتے ہیں۔ زمانہ حال میں مصر میں ایک مشہور عیسائی مصنف علامہ جرجی زیدان اڈیٹر الہلال گزرا ہے اس نے اسلام کی مذمت میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ یہاں تک تو کسی کو پروا نہیں ہوئی مگر جب بنو امیہ کی مذمت پر پہونچا تو مولوی شبلی صاحب سے برداشت نہ ہو سکا اور عربی زبان میں ایک رسالہ اسکی رد میں لکھا۔ اردو میں بھی اسکی رد شایع کی۔ چنانچہ لکھتے ہیں "تمدن اسلام مصنفہ جرجی زیدان کی پردہ دری۔ جرجی زیدان ایک عیسائی

سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا۔ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر کے گھرانے میں زید کی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ ص ۷) مصنف نے یہ کتاب چار حصوں میں لکھی ہے۔ جس میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کی تاریخ لکھی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے در پردہ مسلمانوں پر نہایت سخت اور متعصبانہ حملے کئے ہیں۔ لیکن بظاہر مسلمانوں کی مدح سرائی کی ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگوں کی نظر اسکی فریب کاریوں پر نہیں پڑی اور کتاب گھر گھر پھیل گئی۔ میں اس حالت کو دیکھ رہا تھا لیکن قلت فرصت کی وجہ سے اسکی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ فاضل کے امتحان میں اس کے داخل نصاب کرنے کی رائے دی گئی۔ اور ٹائمس نے حال میں ایک مضمون لکھا کہ حضرت عمر کا کتب خانہ اسکندریہ کو جلانا ثابت ہے جیسا کہ جرجی زیدان نے اسکو تمدن اسلام میں جدید دلائل سے ثابت کر دیا ہے۔

ان واقعات نے مجبور کر دیا کہ میں اسکی فریب کاریاں تفصیل کے ساتھ ناظرین کے پیش نظر کروں۔ اصل مضمون عربی میں لکھا ہے اور اس کو نہایت وسعت دی ہے۔ اردو میں مختصر کر دیا ہے۔ اور طرز تحریر سے بھی معمولی ہے۔

مصنف کا اصل مقصود کیا ہے؟ آج کل یورپ میں تصنیف کا ایک طرز یہ ہے کہ مصنف کسی خاص قسم کے واقعات جب ملک میں پھیلانا چاہتا ہے تو اس پر مستقل حیثیت سے کوئی کتاب نہیں لکھتا بلکہ کوئی ناول لکھتا ہے جس میں ان واقعات کو جا بجا ضمنی موقعوں میں لاتا جاتا ہے اور اس طرح دلچسپی کے ساتھ اُن تمام واقعات کو گوش آشنا کر دیتا ہے۔ اسی قسم کا طریقہ مصنف نے اختیار کیا ہے اس کے اہم مقاصد جسکے لئے اس نے یہ کتاب لکھی ہے حسب ذیل ہیں (۱) عرب کی تحقیر اور ان کی مذمت (۲) خلفاء بنی امیہ و عباسیہ مذہب کی توہین کرتے تھے ... (۳) مسلمانوں پر عام اعتراضات۔

ان مضامین پر مصنف اگر کوئی مستقل کتاب لکھتا تو لوگ اسکی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ اس لئے اس نے تاریخی واقعات کے پردے میں ان مضامین کو ادا کیا اور

توحید کی آواز بالکل مانوس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے۔ سعید کا نکاح حضرت عمر کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان

(بقیہ حاشیہ ص) آہستہ آہستہ یہ زہر اس طرح سرایت کر گیا کہ لوگوں کو خبر بھی نہ ہونے پائی۔ مصنف نے ان اغراض کے حاصل کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کئے ان کی تفصیل ذیل میں ہے (۱) صریح کذب و دروغ (۲) روایات کی نقل میں خیانت اور تحریف (۳) کسی صحیح واقعہ میں اپنی طرف سے ایسا اضافہ کر دینا کہ واقعہ کی صورت بدل جائے (۴) غلط استنباط اور استدلال ....

اس موقع پر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس میں مصنف کا کیا قصور ہے۔ یہ تاریخی واقعات ہیں مصنف نے ان کو نقل کر دیا اور سند بھی نقل کر دی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے ان عبارتوں کی نقل میں سخت تحریف اور خیانت سے کام لیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ مصنف نے اس تصنیف میں مختلف طریقوں سے کام لیا ہے۔ کہیں علانیہ جھوٹ حوالے دیتا ہے۔ کہیں عبارت کو ادل بدل کر دیتا ہے۔ کہیں ایک خاص واقعہ کو عام کر دیتا ہے اور اس سے عام نتیجہ نکالتا ہے۔ کہیں اپنے موافق ایک واقعہ کو نقل کرتا ہے اور اس کے مخالف بہت سے صحیح واقعات جو مذکور ہیں ان کو چھوڑ جاتا ہے۔ کہیں استدلال اور استنباط میں غلطی کرتا ہے۔

ایک امر کا اظہار کرنا اس موقع پر ضرور ہے۔ مصنف نے جب اس کتاب کا پہلا حصہ مجھکو بھیجا تو میں نے اجمالاً کتاب کی تعریف کی۔ لیکن چونکہ میں مصنف کی عادت سے واقف تھا اس لئے میں نے اس خط کو لکھا کہ آپ کو واقعات میں کتابوں کا حوالہ دینا چاہیئے۔ چنانچہ مصنف نے میرے اس خط کو تمدن اسلام کے دوسرے حصہ میں نقل کیا ہے۔ اور میری تحریک کے مطابق پچھلے حصوں میں حوالے دیئے ہیں۔ لیکن اس میں یہ چالاکی کی کہ چھاپے کی تعیین نہیں کرتا۔ اکثر کتابیں مصر میں بار بار چھپی ہیں۔ مصنف ان کے حوالے دیتا ہے اور یہ نہیں بتاتا کہ کون سے چھاپہ کے صفحے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن الاثیر، مسعودی وغیرہ کے جو کثرت سے مصنف نے

ہو گئیں۔ اِسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر ابھی تک اسلام سے بالکل بیگانہ تھے۔ اِن کے کانوں میں جب یہ صدا

(بقیہ حاشیہ ص۹) حوالے دیئے ہیں۔ میں نے مقابلہ کیا تو میرے پاس جو نسخے ہیں اُن میں وہ عبارتیں نہیں ملیں۔ لیکن مصنف یہ کہہ سکتا ہے کہ اس نے کسی اور نسخہ کا حوالہ دیا ہے۔ اس کارروائی کی وجہ سے مصنف کی بہت سی خیانتوں کا پردہ رہ گیا۔ ورنہ جن کتابوں میں اس کے حوالے میرے نسخے سے مطابق نکلے ہیں ان میں ایک موقع بھی مجھ کو ایسا نہ ملا کہ مصنف نے سخت خیانت نہ کی ہو..... مصنف کے کذب و افترا، فریب و تدلیس، غلط استدلالی اگرچہ الگ الگ عنوان قائم کر کے تفصیل سے لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن ناظرین کو اس سے چنداں دلچسپی نہ ہوگی... مصنف نے جس قدر سندیں نقل کی ہیں سب ایک خاص گروہ یا خاص اشخاص کے اقوال ہیں۔ مصنف ان کو تحریف پسندی کی بنا پر عام کر لیتا ہے اور ان سے استدلال کرتا ہے۔ اس نے جی کھول کر زورِ طبع صرف کیا ہے اور جس قدر کذب، تحریف، تمویہ، فریب، تدلیس، خدع، غلط بیانی کی قوت فطرت نے اس کو عطا کی تھی سب صرف کر دی ہے... مصنف یہ کتاب عیسائی بن کر نہیں بلکہ مورخ بن کر لکھتا ہے۔ اور اسی حیثیت سے اس تصنیف کو تمام دنیائے اسلام کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ وہ اس فرض کو کہاں تک ادا کر سکا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی خدمت سچائی کا پھیلانا ہے۔ اس لئے اگر مصنف نے غلط بیانی سے کام لیا ہے تو اس نے... لٹریچر کے ساتھ، تاریخ کے ساتھ بلکہ کل دنیا کے ساتھ برائی کی ہے... بنو امیہ کے پردہ میں مصنف نے قرن اول کے عام مسلمانوں کی ہر قسم کی برائیاں ثابت کی ہیں۔ اس لئے ایسے اتہامات کا رفع کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ جن باتوں نے اس کتاب کو تاریخی پایہ سے بالکل گرا دیا ہے۔ یعنی تحریف، تعصب، کذب و خدع ان کا سب سے زیادہ استعمال بنو امیہ ہی کے واقعات میں کیا گیا ہے... مصنف نے نہایت مغالطہ کاری اور ملمع سازی سے کام لیا ہے... جس فریب دہ ترتیب سے مصنف نے ان واقعات کو لکھا ہے اس سے یہ

پہونچی تو سخت برہم ہوئے یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے اُن کے دشمن بن گئے۔ لبینہ اِن کے خاندان میں ایک کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اُسکو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اُترتا نہ تھا۔ اِن تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی

(بقیہ حاشیہ صنا) ظاہر ہوتا ہے ... واقعات کے بیان کرنے میں مصنف حسب عادت کہیں ایک جزئی واقعہ کو عام کر دیتا ہے۔ کہیں تاریخی حوالوں میں تحریف کرتا ہے کہیں غلط استدلال سے کام لیتا ہے لیکن اگر اسکی ایک ایک جزئی خیانتوں کی تفصیل لکھی جائے تو ایک بہت بڑی کتاب طیار کرنی ہوگی۔ اس لئے ہم اختصار کے ساتھ اسکی فریب کاریوں کو دکھاتے ہیں ... ناظرین کو تعجب ہوگا کہ مصنف نے جو واقعات لکھے ہیں ان سے بڑھکر ظلم کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے اور ان کی صحت سے اس لئے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر واقعہ کے ساتھ سند موجود ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے ان تمام واقعات میں تحریف، تدلیس اور غلط بیانیاں کی ہیں افسوس ہے کہ ان سب کی اگر تشریح کی جائے تو تمدن اسلام کے برابر ایک کتاب بن جائیگی ... مصنف نے سخت خیانت کی ہے ... ان چند واقعات کو مصنف اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ بنو امیہ کا یہ عام طرز عمل تھا ... ان واقعات کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوگا کہ اسکے بیان میں مصنف نے کس قدر جھوٹ اور فریب رنگ آمیزیاں کی ہیں ... مصنف کی اس خیانت کو دیکھو کہ یزید بن ابی مسلم کی کارروائی لکھکر باقی تمام واقعات کو قلم انداز کر دیا ہے ... مصنف نے سخت خیانت اور علانیہ دروغ گوئی کی ہے ... اس عبارت کے نقل کرنے میں سخت خیانت کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ آفشین کا قول ہے جو ایک مجوسی تھا اور بظاہر مسلمان ہو گیا تھا۔ مصنف نے اس کو عام کر کے ارباب حکومت کی طرف منسوب کیا ہے" (الندوہ صلا جلد ۹ ماہ شوال ۱۳۲۹ ہجری)۔ یہاں تک کی کل عبارت مولوی شبلی صاحب ہی کے مضمون کا اقتباس ہے۔ اس پر ہر انصاف پسند شخص مولوی شبلی صاحب

وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ نعوذ باللہ خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں۔ تلوار کمر سے لگائے سیدھے رسول اللہؐ کی طرف چلے ... راہ میں نعیم نے کہا ... خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہونچے ... بولے ... میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو یہ کہکر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے اور جب اُنکی بہن بچانے کو آئیں تو اُنکی بھی خبر لی یہاں تک کہ اُن کا بدن لہو لہان ہو گیا ... حضرت عمرؓ نے آستانۂ مبارک پر پہنچکر دستک دی ... اندر قدم رکھا تو رسول اللہؐ خود آگے بڑھے اور اِن کا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟ نبوت کی پُر رعب آواز نے اِن کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لئے" (الفاروق ص۳۳)۔ عبارت طویل تھی ہم نے ضروری اقتباس کر لیا ہے۔ (اور تفصیل سے انشاء اللہ آئندہ حضرت عمرؓ کے اسلام کی تحقیق میں بحث کرینگے) مولوی صاحب خود لکھ چکے ہیں کہ "واقعہ کی تحقیق کے لئے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیئے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں ... امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کے رو سے ممکن ہونا مراد ہے" (الفاروق ص۱۵) اب مذکورہ بالا واقعہ پر غور کرو کہ حضرت عمرؓ کا اِس طرح ایمان قبول کرنا فی نفسہ یعنی اصول عادت کے مطابق ممکن ہے؟ چھ سال سے اسلام کی آواز۔ اِسکی دعوت۔ اِس کی خصوصیات مشہور ہو چکی ہیں۔ قرآن مجید کی عبارتیں برابر کانوں میں پڑتی رہی ہیں۔ اسلام۔ نبوت اور قرآن مجید کے چرچے ہر جگہ ہو رہے ہیں۔ اِسکی خوبیاں مثل آفتاب

(بقیہ حاشیہ ص۱۱) سے دریافت کر سکتا ہے کہ جو شکایتیں آپ کو جرجی زیدان سے اسکی کتاب تمدن اسلام کے متعلق ہیں کیا بالکل وہی شکایتیں بے تعصب مسلمانوں کو آپ سے بھی آپ ہی کی کتاب الفاروق کے متعلق نہیں ہو سکتیں؟ فرق صرف یہ ہے کہ جرجی زیدان نے بنو امیہ کی مذمت میں وہ ترکیبیں کیں اور آپ نے حضرت عمر کی مدح میں۔ اس کے سوائے تو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اور اگر جرجی زیدان اردو سمجھتا تو آپ کے اعتراضات کا پورا جواب وہ آپ ہی کی الفاروق پیش کر کے آپ کو خاموش کر دیتا اور کہتا آفتاب آمد دلیل آفتاب!!

بروشن ہو چکی ہیں۔ رسولؐ کا شہرہ دور دور تک پہونچ چکا ہے۔ باوجود اس کے حضرت عمرؓ اسلام سے صرف علیحدہ ہی نہیں ہیں بلکہ اس کے خلاف آپ کو اس درجہ غیظ و غضب ہے کہ آپ کے قبیلہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے اُن کے دشمن بن گئے۔ لبینہ کنیز کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں۔ راہ میں بہن بہنوئی کو لہولہان کر دیا۔ حضرتؐ کو قتل کرنے آنحضرتؐ کے پاس پہونچے اور فوراً ایمان قبول کر لیا۔ گویا ایک منٹ میں آپ بے درجہ دشمن سے اس کے جان نثار بن گئے۔

اصول عادت کے مطابق کیا یہ ممکن ہے کہ جو شخص اس درجہ مخالف ہو وہ فوراً مسلمان ہو جائے؟ آج فرقہ اہلحدیث اور فرقہ حنفی میں سخت عداوت ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اہلحدیث کا ایک شخص جو دن رات اخباروں۔ رسالوں۔ کتابوں میں امام ابوحنیفہ اور مذہب حنفی کی خوبیاں دیکھتا رہتا اور ان سب کو لغو و مہمل سمجھکر حقارت سے ٹھکراتا رہتا ہے کسی زبردست حنفی عالم کو قتل کرنے کے ارادے سے جائے مگر وہ زبردست عالم اس کو پکڑ کر ہلاک کرنا چاہے تو وہ دل سے حنفی مذہب قبول کرلے؟ یا قادیانیوں اور مسلمانوں میں مخالفت ہے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی قادیانی کسی غیر قادیانی عالم اہلسنت کو قتل کرنے جائے اور جب وہ غیر قادیانی اس کو پکڑ کر دبانا چاہے تو دل سے کہہ دے کہ میں تو حضور کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ قادیانی مذہب سے توبہ کروں؟ آریہ اور مسلمانوں میں شدید عناد ہے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی آریہ جو دن رات اسلام کی خوبیاں سُنتا۔ اخباروں میں پڑھتا۔ کتابوں میں دیکھتا رہتا ہے اس کو شدید نفرت ہے کسی زبردست مسلمان مناظر عالم کو قتل کرنے جائے اور جب عالم اس کو گرفتار کر کے سزا دینی چاہے تو دل سے اقرار کر لے کہ مذہب اسلام سچا ہے اور اس کا پیرو ہو جائے؟ عیسائیوں اور مسلمانوں میں بھی بہت دنوں سے دشمنی چلی آرہی ہے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی عیسائی پادری جو شب و روز مسلمانوں کی مخالفت میں بسر کرتا اور ان کے خون کا پیاسا رہتا ہے کسی بڑے مسلمان عالم کو قتل کرنے کے لئے نکلے اور جب وہ مسلمان عالم اس کو پکڑ کر اسکے سر کو توڑنا چاہے تو وہ دل سے بول اُٹھے

کہ میں تو آپ کے پاس اسلام قبول کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں بلکہ اِن کل صورتوں میں کسی کا اپنے مذہب کو ترک کرکے دوسرے کا مذہب اختیار کرلینا ناممکن (اصول عادت کے خلاف) اور صرف اپنی جان بچانے کی تدبیر اور موت کے چنگل سے نکلنے کا حیلہ ہے۔ تو حضرت عمر کے متعلق بھی یہی فیصلہ کرنا پڑیگا کہ اُس وقت آپ نے دور اندیشی اور مصلحت اِسی میں دیکھی کہ حضرتؐ سے کہدیں "میں ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں"۔ مگر مولوی شبلی صاحب نے اِس جگہ صرف روایت کو لے کر حضرت عمر کے اسلام کا فیصلہ کردیا۔ اور یہ نہیں دیکھا کہ درایت کے اصول سے یہ امر قابل تسلیم ہے بھی یا نہیں۔ اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں لہ

لہ **لطیفہ** یہ امر کس قدر قابل مضحکہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے الفاروق میں جس درایت کو اس درجہ اہم کردیا کہ کئی صفحے اس کے لئے سیاہ کئے اور آخر میں لکھا "واقعات کی تحقیق و تنقید کے لئے درایت کے اصول سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ درایت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور اُس کے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط ہوگئے ہیں۔ ان میں سے جو اصول ہمارے کام آسکتے ہیں حسب ذیل ہیں (۱) واقعہ مذکورہ اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟ (۲) اُس زمانہ میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟ (۳) واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں (۴) اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اس میں اُسکے قیاس اور رائے کا کس قدر حصہ ہے؟ (۵) راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اُسکے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آسکیں (۶) اس بات کا اندازہ کہ زمانہ کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کردیئے ہیں۔ اِن اصول کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا اور ان کے ذریعہ سے بہت سے مخفی راز معلوم ہوسکتے ہیں" (الفاروق صہ ۱۷) ۔ جب ممدوح اپنی دوسری کتاب سیرۃ النبی لکھنے لگے تو اسی درایت کو

اِن وجوہ سے شدید ضرورت ہے کہ کمال تحقیق و انصاف اور انتہا درجہ کی بے تعصبی سے کام لے کر بلکہ آزاد مطلق ہو کر حضرت عمرؓ کی ایک ایسی جدید مفصل اور جامع سوانح عمری لکھی جائے جس میں نہ مذہبی خوش اعتقادی کا اثر ظاہر ہو نہ دینی تعصب کا دھبا نظر آئے۔ اور نہ اختلاف مسلک کا مقتضے دکھائی دے۔ اُس کا مصنف ذاتی حیثیت سے خواہ کسی مذہب کا پابند ہو لیکن حضرت عمرؓ کے حالات لکھنے میں اُس کے

(بقیہ حاشیہ ص۱۴) نہایت درجہ خفیف کر دیا۔ جیسا کہ لکھتے ہیں "نہایت مہتم بالشان بحث یہ ہے کہ کوئی روایت اگر عقل یا مسلمات یا دیگر قرائن صحیحہ کے خلاف ہو تو آیا صرف اس بنا پر واجب التسلیم ہو گی یا نہیں کہ رواۃ ثقہ ہیں اور سلسلۂ سند متصل ہے؟ علامہ ابن جوزی نے اگرچہ لکھا ہے کہ جو حدیث عقل کے خلاف ہو اُس کے رواۃ کی جرح و تعدیل کی ضرورت نہیں لیکن اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ عقل کا لفظ ایک غیر متشخص لفظ ہے۔ حامیان روایت لکھتے ہیں کہ اگر اس لفظ کو وسعت دی گئی تو ہر شخص جس روایت سے چاہیگا انکار کر دیگا کہ یہ میرے نزدیک عقل کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ جس روایت کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوں اور سلسلۂ روایت کہیں سے منقطع نہ ہو وہ باوجود خلاف عقل ہونے کے انکار کے قابل نہیں ... ان کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ ہے جو دلائل عقلی اور قرائن حالی کی بنا پر بعض حدیث کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے اور یہ طریقہ خود صحابہ کرام کے عہد میں شروع ہو گیا تھا اور محدثین کے اخیر دور تک قائم رہا"۔ چونکہ یہ رائے عام خیال کے خلاف ہے اس لئے ہم اسکی متعدد مثالیں نقل کرتے لہٰذا ... صحابہ کے بعد بھی محدثین میں ایک ایسا گروہ موجود رہا جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بنا پر بعض روایات کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا تھا۔ گو اُن کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوتے تھے" (سیرۃ النبی جلد اول ص۵۴)۔ مگر مولوی صاحب نے یہ یہاں نہیں لکھا کہ آپ خود کس گروہ میں داخل ہیں۔ اور اب درایت کو روایت پر ترجیح دینگے یا نہیں۔ کیا یہ حیرت خیز امر نہیں کہ ممدوح جس فن کو الفاروق میں اس قدر ضروری قرار دیں کہ اسکے ہر صفحہ میں اس سے کام لیں اس کو دوسری

قلم پر کسی قسم کا پہرہ نہیں رہے۔ وہ نہ سُنی ظاہر ہو نہ شیعہ بلکہ تمام مذہبی خیالات سے علیحدہ اور ہر دینی جذبہ سے پاک ہوکر محض مورخ کی حیثیت سے صحیح واقعات کو جمع کردے اور علم وعقل سے جو امر درست ثابت ہو وہی نتیجہ نکال کر پیش کرے۔

ضروری سوال یہاں یہ ضروری سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ مولوی شبلی صاحب وغیرہ نے تو حضرت عمرؓ کو اپنا مقتدائے دین سمجھنے کی وجہ سے موضوع اور ضعیف روایتوں پر اعتماد کرکے اُن کو اُن کی اصلی حالت سے بہت زیادہ دکھانے کی کوشش کی اور اُن کا جو واقعی درجہ تھا اُس سے کہیں بڑھا چڑھا دیا جس سے اُنکی صحیح حالت پر پردے پڑ گئے اور وہ کچھ اور نظر آنے لگے۔ لیکن جو شخص اُن کو اپنا پیشوائے مذہب نہیں جانتا اور نہ اُن سے حسنِ عقیدت رکھتا ہے بلکہ اُس کا مذہب ہی اُس کو مجبور کرتا ہے کہ ممدوح سے علیحدگی اختیار کرے۔ اُس سے کیونکر اس امر کی توقع ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں بجائے مدح کے صرف مذمت نہ کرے۔ اور جس طرح مولوی شبلی صاحب وغیرہ نے افراط کا پہلو اختیار کیا اسی طرح یہ شخص اسکے عکس تفریط کے اصول پر عمل کرکے ممدوح کی نئی سوانح عمری کو محض آپ کے عیوب اور مطاعن کا ذخیرہ نہ بنا دے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ع گل است سعدیؒ و در چشم دشمناں خار است۔ سعدیؒ

اُس کو تو ممدوح کا وہ فعل بھی جو واقعاً اچھا ہے بُرا ہی نظر آئیگا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد ... عیب نماید ہنرش در نظر

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اس جدید سوانح عمری کے متعلق بادی النظر میں ایسا شبہہ ہوسکتا ہے۔ لیکن دنیا میں ایسے واقعات ہر روز ہوتے رہتے ہیں کہ ایک ہی شخص یا ایک ہی چیز یا ایک ہی واقعہ کے متعلق کچھ لوگ صرف اسکی مدح کرتے ہیں اور کچھ صرف ذم پر آمادہ رہتے ہیں تو کچھ اسکی اصلی حالت ظاہر کردیتے ہیں جس میں بعض حصہ مدح کا ہوتا ہے اور بعض ذم کا بھی۔ پھر سمجھدار اور تحقیق پسند جماعت انصاف اور عقل سے کام لیتی ہے تو اس پر واضح ہوجاتا ہے

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۵) کتاب لکھتے وقت اس درجہ ناقابل التفات قرار دے دیں
ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا ۱۲

کہ کس شخص کے بیان کی کیا حالت ہے۔ کس نے افراط سے کام لیا ہے۔ کس نے تفریط سے اور کس نے اعتدال سے۔ کس نے واقعہ پر رنگ چڑھایا ہے اور کس نے اس کو اس کے اصلی لباس میں پیش کر دیا ہے۔ کس کا کلام قابل رد۔ کس کا مستحق انکار اور کس کا لائق تسلیم ہے۔

بس اسی طرح دوسری سوانح عمریوں کے ساتھ اس جدید سوانح عمری کے دیکھنے والے بھی آسانی سے فیصلہ کر لیں گے کہ اس کی کیا حالت ہے اور کس رنگ میں لکھی گئی ہے یہ طے شدہ امر ہے کہ اس جدید سوانح عمری کے مأخذ بھی صرف حضرات اہلسنت کی کی کتب حدیث و تفسیر و رجال و تاریخ و فقہ و جغرافیہ وغیرہ ہی ہیں کہ انھیں کتابوں سے یہ سوانح عمری بھی مرتب کی جائیگی۔ اور کسی شیعہ کی کتاب سے کوئی مضمون اس میں درج نہیں کیا جائیگا پس اگر بالفرض اس میں حضرت ممدوح کے عیوب و مطاعن اور ذم و قدح کا انبار لگا دیا جائے جب بھی اس کا کوئی حرف غلط نہیں ہو سکتا نہ کسی طرح وہ شبہہ کی نظر سے دیکھا جا سکتا ہے۔ نہ اسکی کسی روایت کو کوئی شخص موضوع کہہ سکتا ہے۔ نہ کسی بیان پر اتہام و افترا کا شک کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ حضرات اہلسنت کی کتابوں میں خلفاء ثلثہ کے فضائل و مناقب میں تو غلط اور موضوع روایتیں ہزاروں مل سکتی ہیں لیکن ان کی رد و قدح طعن و ذم اور مخالفت و عیب جوئی میں نہیں مل سکتیں کیونکہ ایسی ایک روایت بھی غلط درج ہو ہی نہیں سکتی تھی پس ان حضرات کے متعلق جو روایت یا مضمون کسی کتاب میں ملے اور اس سے ان کی ہجو یا مذمت ثابت ہو اُس کے بارے میں یقین کرنا ہو گا کہ بے شک صحیح اور وہم و شک سے بالا تر ہے۔

یہ بہت بڑا اور نہایت اہم دعوے ہے اس سبب سے شدید ضرورت ہے کہ اسکی وجہ ذرہ تفصیل سے لکھی جائے۔ ناظرین کتاب گھبرائیں نہیں بلکہ صبر سے کام لیں۔ کیونکہ اس بیان کا بہت گہرا تعلق اس جدید سوانح عمری سے ہے اور جب تک یہ مضمون اچھی طرح واضح و مبرہن نہ ہو جائیگا اُس وقت تک اس سوانح عمری کا کوئی وزن قائم نہیں ہو سکتا۔ گویا یہ بیان بھی اس کتاب کی بڑی بنیاد ہے جس پر ممکن ہے خدائے کریم اپنے فضل و کرم سے کوئی شاندار عمارت قائم کرا دے۔ اس دعوے کی حقیقت اس پر موقوف ہے کہ اسلامی

کتابوں کی تدوین و ترتیب کی حالت واضح کی جائے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کیا کتب اہلسنت میں خلفاء ثلثہ کے خلاف کوئی حال درج بھی ہو سکتا تھا یا نہیں۔ ان کی مذمت یا عیب کا کسی کتاب میں مرقوم ہونا ممکن بھی تھا یا نہیں کوئی شخص ان کے مطاعن کو بہ حیثیت مطاعن اپنی کتاب میں لکھنے پر قادر بھی تھا یا نہیں۔ اگر حالات ایسے منکشف ہو جائیں جن سے واضح ہو جائے کہ ان حضرات کے فضائل و مناقب اور مدح وثنا کے درج کرنے میں ہر شخص کا قلم نہایت آزاد اور اس کا ہاتھ بالکل طلق العنان تھا لیکن انکی تنقیص و توہین کی روایات یا عیب و ذم کے مضامین پر حکومت کے زبردست پہرے پڑے ہوئے تھے اور جو شخص اس کا ارادہ بھی کرتا اس کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑتا تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ موضوع اور غلط روایات کا تعلق صرف خلفاء ثلثہ کی مدح وثنا اور فضائل و مناقب سے ہو سکتا ہے مگر انکی مذمت و اہانت سے ممکن ہی نہیں ہے۔

بہتر ہے کہ پہلے اسلامی کتابوں کی ترتیب و تدوین کی حقیقت واضح کی جائے تاکہ یہ بحث صاف ہو سکے۔

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے اپنی مختلف کتابوں میں اس پر بھی قلم فرسائی کی ہے بغرض اختصار ممدوح ہی کی چند عبارتوں کا نقل کر دینا کافی ہوگا۔ لکھتے ہیں۔

عرب میں تاریخ کی ابتداء اسلام کے عہد میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتدا ہی میں پیدا ہو گیا تھا لیکن چونکہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ ایک مدت کے بعد قائم ہوا اس لئے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی امیر معویہ المتوفی ۶۰ھ ہجری کے زمانہ میں عبید بن شریہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا اور اس کو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معویہ نے اس کو صنعاء سے بلایا اور کاتب اور محرر متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلم بند کرتے جائیں علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اسکی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک واخبار الماضیین لکھا ہے۔ غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا مسودہ امیر معویہ کے حکم سے طیار ہوا تھا۔ عبید کے بعد عوانۃ بن الحکم المتوفی ۱۴۷ھ ہجری

کا نام ذکر کے قابل ہے جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معویہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ۱۱۸ھ ہجری میں ہشام بن عبدالملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا۔ اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

۱۴۳ھ ہجری میں جب تفسیر۔ حدیث۔ فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ ہجری نے منصور عباسی کے لئے خاص سیرت نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ ہمارے مورخین کا دعوے ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے پہلے موسےٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ ہجری نے آں حضرت کے مغازی قلم بند کئے تھے۔ موسےٰ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہ کا زمانہ پایا تھا۔ اس لیئے اُن کی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

اس کے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مورخ پیدا ہوئے جن میں ابو مخنف کلبی۔ واقدی زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے افواج اسلام، قریش کے پیشے۔ قبائل عرب کے مناظرات۔ جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توارد ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے۔ رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک فتر بے پایاں طیار ہو گیا اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا۔ اس دور میں بے شمار مورخ گزرے۔ ان میں جن لوگوں نے بالتخصیص آنحضرتؐ اور صحابہ کے حالات میں کتابیں لکھیں اُنکی مختصر سی فہرست یہ ہے:۔

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
یحییٰ مدنی	غزوات نبی	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجمل یعنی حضرت علیؓ اور عائشہؓ کی لڑائی کا حال	

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
سیف بن عمر الاسدی	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مورخ ہے
معمر بن راشد کوفی	کتاب المغازی	امام بخاری کے استاد الاستاد تھے
عبد اللہ بن سعد زہری المتوفی ۳۸۰ھ ہجری	فتوحات خالد بن الولید	
ابو البختری وہب بن وہب	کتاب صفۃ النبی صلعم و کتاب فضائل الانصار	۲۰۰ھ ہجری میں انتقال کیا
ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ المدائنی المتوفی ۲۲۴ھ ہجری		اس نے آنحضرت صلعم اور خلفاء کے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کئے
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی۔ اسماء الخلفاء و کتابھم	مدائنی کا شاگرد تھا
عبد الرحمن بن عبدہ	مناقب قریش	نہایت ثقہ اور معتمد مورخ تھا
عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ ہجری	کتاب امراء الکوفہ و کتاب امراء البصرہ	مشہور مورخ ہے

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد قریب تر زمانے میں لکھی گئیں۔ اُن میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے۔ چنانچہ ہم اُن کے نام اُن کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ المتولد ۲۱۳ھ ہجری و المتوفی ۲۷۶ھ ہجری۔ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی اسکے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اسکی مشہور کتاب معارف ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اُس میں ایسے مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ ہجری۔ یہ بھی مشہور مصنف ہے تاریخ میں اسکی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیدن

۱۸۶۶ء میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی۔ المتوفی سنہ ۲۳۰ ہجری۔ نہایت ثقہ اور معتمد مورخ ہے۔ اگرچہ اس کا استاد واقدی ضعیف الروایۃ ہے لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اُس نے ایک کتاب آنحضرتؐ اور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بسند لکھا ہے۔ یہ کتاب طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اب جرمن میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مورخ ہے مجھکو اس کے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے لیکن اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے۔ چونکہ اس کو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اس لئے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہونچا سکا ہے۔ اسکی کتاب جو تاریخ یعقوبی کے نام سے مشہور ہے یورپ میں بمقام لیدن ۱۸۸۳ء میں چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحیی البلاذری۔ المتوفی سنہ ۲۷۹ ہجری ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا۔ اس کی وسعت نظر اور صحت روایت محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے۔ تاریخ و رجال میں اسکی دو کتابیں مشہور ہیں۔ فتوح البلدان۔ انساب الاشراف پہلی کتاب کا یہ طرز ہے کہ بلاد اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں اور ان کے متعلق ابتدائے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جس میں حضرت عمر کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ میں میری نظر سے گزرا ہے۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری۔ المتوفی سنہ ۳۱۰ ہجری۔ یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انھوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیدن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔

ابوالحسن علی بن حسین مسعودی المتوفیٰ ۳۸۶ھ ہجری۔ فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت ہوتی لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات ناپید ہوگئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں ہیا کیں۔ ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ۔ مروج الذہب مصر میں بھی چھپ گئی ہے۔

یہ تصنیفات جس زمانہ کی ہیں وہ قدماء کا دور کہلاتا ہے۔ پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے جو فن تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین میں اگرچہ بے شمار مورخ گزرے جن میں سے ابن الاثیر۔ سمعانی۔ ذہبی۔ ابوالفداء۔ نویری۔ سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی۔ لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا... متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اسکے کہ اس پر کچھ اضافہ کرسکیں تغیر اور اختصار کے ساتھ اس کا قالب بدل دیا۔ تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلکان نے من خیار التواریخ کہا ہے۔ اور در حقیقت اس کی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کردیں لیکن جہاں تک زمانہ کا اشتراک ہے ایک بات بھی اس میں طبری سے زائد نہیں مل سکتی۔ ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انھوں نے اپنی تصنیف کا مدار صرف ابن الاثیر پر رکھا وھلم جرا... لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے... اسی طرح اُس کا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کی بجائے مدح و ستائش کا مستحق ہے۔ بہرحال الفاروق کی تالیف کے لئے جو سرمایہ کام آسکتا تھا وہ یہی قدماء کی تصنیفات تھیں" (الفاروق صـ۱)

مولوی صاحب نے دوسری کتاب میں اس مضمون کو کچھ تغیر کے ساتھ لکھا ہے۔ اسکے نقل کرنے میں طول ہوگا مگر اس کا ترک کرنا بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ امید ہے۔ اس سے بھی انشاء اللہ آئندہ بہت کام نکلے۔ لکھتے ہیں:

"تصنیف و تالیف کی ابتداء سلطنت کی وجہ سے ہوئی | صحابہ اور خلفاء راشدین کے

زمانہ میں اگرچہ فقہ وحدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی۔ بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے۔ لیکن جو کچھ تھا زیادہ تر زبانی تھا۔ لیکن بنوامیہ نے حکماً علماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔ قاضی عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے۔

کنا نکرہ کتاب العلم حتےٰ اکرھنا علیہ ھولاء الامراء (مطبوعہ مصر ص۳۶) | ہم لوگ علم کا قلم بند کرنا پسند نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ امراء نے ہم کو مجبور کیا۔

سب سے پہلے امیر معویہؓ نے عبید بن شریۃ کو یمن سے بلا کر قدماء کی تاریخ مرتب کرائی جس کا نام اخبار الماضیین ہے (فہرست ابن الندیم ص۲۴۴)۔ امیر معویہ کے بعد عبدالملک بن مروان نے جو ۶۵ھ ہجری میں تخت نشین ہوا ہر فن میں علماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔ سعید بن جبیر جو اعلم العلماء تھے ان کو حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں۔ چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی۔ عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے انھی کی تفسیر ہے۔ عطاء کو خزانۂ شاہی سے یہ نسخہ ہات آگیا تھا۔ اور انھوں نے اپنے نام سے مشہور کردیا (میزان الاعتدال ترجمہ عطاء بن دینار)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا تو انھوں نے تصنیف وتالیف کو زیادہ ترقی دی۔ تمام ممالک میں حکم بھیج دیا کہ احادیث نبوی مدون اور قلم بند کی جائیں۔ سعد بن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے اُن سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلم بند کرائے اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے۔ علامہ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں۔

عن سعد بن ابراھیم قال امرنا عمر بن عبد العزیز بجمع السنن فکتبناھا دفترا دفترا فبعث الے کل ارض لہ علیہا سلطان دفترا (مطبوعہ مصر ص۳۶) | سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے دفتر کے دفتر لکھے۔ عمر نے جہاں جہاں انکی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیج دیا۔

ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری جو اُس زمانہ کے بہت بڑے محدث اور امام زہری کے استاد اور مدینہ کے قاضی تھے۔ ان کو بھی خاص طور پر احادیث کے جمع کرنے کا حکم بھیجا (طبقات ابن سعد جزو ثانی قسم ثانی ص۱۳۴)۔ حدیث میں حضرت عائشہ کی مرویات کی ایک خاص حیثیت ہے۔ یعنی ان سے اکثر وہ حدیثیں مروی ہیں جو عقائد یا فقہ کے مہمات مسائل میں

اس لئے عمر بن عبد العزیز نے ان کی روایتوں کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا۔ عمرۃ بنت عبدالرحمن ایک خاتون تھیں۔ اُن کو حضرت عائشہ نے خاص اپنی آغوشِ تربیت میں پالا تھا۔ وہ بہت بڑی محدثہ اور عالمہ تھیں۔ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہ کی مرویات کا اُن سے بڑھکر کوئی عالم نہ تھا۔ عمر بن عبد العزیز نے ابو بکر بن محمد کو خط لکھا کہ عمرۃ کے مسائل اور روایات قلم بند کر کے بھیج دیں (تہذیب التہذیب ترجمہ ابو بکر بن محمد و عمرۃ بن عبدالرحمان و طبقات ابن سعد جزء دوم حصہ دوم صلـ۱۳۴)

مغازی پر خاص توجہ اب تک مغازی و سیر کے ساتھ اعتنا نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس فن کی طرف خاص توجہ کی اور حکم دیا کہ غزوات نبوی کا خاص حلقہ درس قائم کیا جائے، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری المتوفی سالہ ۱۲۱ ہجری اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے۔ اُن کو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھکر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں (تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ)۔ اسی زمانہ میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی۔ امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے۔ فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں۔ انھوں نے حدیث و روایت کے حاصل کرنے میں یہ محنتیں اُٹھائیں کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے جوان، بڈھے، عورت، مرد جو مل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جا کر آنحضرت کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلم بند کرتے (تہذیب التہذیب، ترجمہ امام زہری محمد بن مسلم)، وہ نسباً قریشی تھے۔ ۵۰ہجری میں پیدا ہوئے۔ بہت سے صحابہ کو دیکھا تھا، ۸۰ ہجری میں عبدالملک بن مروان کے دربار میں گئے اُس نے بہت قدر و منزلت کی، کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبد العزیز کی ہدایت کے موافق لکھی۔ یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے اور مقربین خاص میں داخل تھے۔ ہشام بن عبد الملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی، سالہ ۱۲۴ ہجری میں وفات پائی۔ امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا۔ ان کے حلقۂ درس سے اکثر ایسے لوگ نکلے جو خاص اس فن میں کمال رکھتے تھے۔ ان میں سے یعقوب بن ابراہیم، محمد بن

صالح تمار، عبدالرحمن بن عبدالعزیز فن مغازی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ان لوگوں کا امتیازی وصف صاحب المغازی لکھا جاتا ہے۔ زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی، اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، موسےٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق؛ موسےٰ بن عقبہ خاندان زبیر کے غلام تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھا تھا، فن حدیث میں امام مالک ان کے نہایت مداح تھے اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسےٰ سے سیکھو۔ ان کے مغازی کی جو خصوصیات ہیں یہ ہیں (۱) مصنفین، ابتک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے زیادہ تر اس کا التزام کیا (۲) عام مصنفین کا یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کئے جائیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں آجاتی تھیں، موسےٰ نے احتیاط کی اور صرف وہی روایتیں لیں جو اُن کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتاب بہ نسبت اور کتب مغازی کے مختصر ہے (۳) چونکہ روایت حدیث کے لئے کسی عمر کی قید نہ تھی اس لئے اکثر لوگ بچپن اور آغاز شباب ہی سے حلقۂ درس میں شامل ہوجاتے تھے، اور حدیثیں سنکر لوگوں سے روایت کرتے تھے۔ لیکن چونکہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا اس لئے اکثر روایتوں میں تغیر اور اختلاط ہوجاتا تھا۔ موسےٰ نے بخلاف اور لوگوں کے بڑی سن میں اس فن کو سیکھا تھا ۱۴۱ھ ہجری میں وفات پائی (تہذیب التہذیب ترجمہ موسےٰ بن عقبہ)۔ موسےٰ کی کتاب آج موجود نہیں لیکن ایک مدت تک شائع و ذائع رہی اور سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں کثرت سے اس کے حوالے آتے ہیں۔

محمد بن اسحاق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں۔ شہرت عام میں اگرچہ واقدی ان سے کم نہیں لیکن واقدی کی لغوبیانی مسلمۂ عام ہے اور اس لئے اُن کی شہرت بدنامی کی شہرت ہے۔ محمد بن اسحاق تابعی ہیں متعدد صحابہ کو دیکھا تھا، علم حدیث میں کمال تھا، امام زہری کے دروازے پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں۔ ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے۔ امام مالک ان کے

سخت مخالف ہیں لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیَر میں ان کی روایتیں استناد کے قابل ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں اُن کی روایت نہیں لی، لیکن جُزء القراءۃ میں اُن سے روایت کی ہے اور تاریخ میں تو اکثر واقعات انھیں سے لیتے ہیں۔ فن مغازی کو انھوں نے اس قدر ترقی دی اور اس قدر دلچسپ بنادیا کہ خلفاء عباسیہ جو زیادہ تر اور قسم کی تصنیفات کا مذاق رکھتے تھے ان میں مغازی کا مذاق پیدا ہوگیا۔ چنانچہ ابن عدی نے اُن کے اس احسان کا خاص طرح پر ذکر کیا ہے۔ ابن عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن میں کوئی تصنیف ان کی تصنیف کے رتبہ کو نہیں پہونچی (تہذیب التہذیب) ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد ابن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ اُن یہودیوں سے دریافت کرکے داخل کتاب کرتے تھے جو مسلمان ہوگئے تھے اور چونکہ یہ واقعات انھوں نے یہودیوں سے سُنے ہوں گے اس لئے اُن پر پورا اعتماد نہیں ہوسکتا۔ علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق یہود ونصارٰی سے روایت کرتے تھے اور اُن کو ثقہ سمجھتے تھے۔ ۱۵۱ھ ہجری میں وفات پائی۔

محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدی کے زمانہ میں ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی میں ہوا۔ اس کا قلمی نسخہ الہ آباد میں ہماری نظر سے گزرا ہے۔ محمد بن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی۔ اور بڑے بڑے مشہور محدثوں نے اس کے نسخے مرتب کئے۔ اُسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح اور اضافہ کرکے مرتب کیا جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے اس لئے آج اُسکی جو یادگار موجود ہے وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے۔ ابن ہشام کا نام عبد الملک ہے۔ وہ نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مورخ تھے۔ حمیر کے قبیلہ سے تھے اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ انھوں نے سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں اُن کی تفسیر بھی لکھی۔ ۲۱۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ سیرت ابن اسحاق کی مقبولیت کی بنا پر لوگوں نے اس کو نظم کیا چنانچہ ابو نصر فتح بن موسےٰ خضراوی المتوفےٰ ۶۶۳ھ ہجری و عبد العزیز بن احمد المعروف بہ سعد دیری المتوفےٰ فی حدود ۶۰۷ھ ہجری و ابو اسحاق انصاری تلمسانی و فتح الدین محمد

بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید المتوفی ۸۹۳ھ ہجری نے منظوم کیا۔ اخیر کتاب میں قریباً دس ہزار شعر ہیں اور اس کا نام فتح القریب فی سیرۃ الحبیب ہے۔

واقدی خود تو قابل ذکر نہیں لیکن اُن کے تلامذہ خاص میں سے ابن سعد نے آنحضرتؐ اور صحابہ کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اُس کا جواب نہ ہو سکا۔ ابن سعد مشہور محدث ہیں۔ محدثین نے عموماً لکھا ہے کہ گو اُن کے استاد (واقدی) قابل اعتبار نہیں لیکن وہ خود قابل سند ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں کان من اهل العلم والفضل والفهم والعدالة۔ صنف کتابا کبیرا فی طبقات الصحابة والتابعین الی وقته فاجاد فیه واحسن (تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن سعد) یہ خاندان ہاشم سے تھے بصرہ میں پیدا ہوئے لیکن بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بلاذری جو مشہور مورخ ہیں انھیں کے شاگرد ہیں۔ ۲۳۰ھ ہجری میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کی کتاب کا نام طبقات ہے۔ ۱۲ جلدوں میں ہے۔ دو جلدیں خاص آنحضرتؐ کے حالات میں ہیں اور یہ حصہ در اصل سیرت نبوی ہے۔ باقی جلدیں صحابہ کے حالات میں ہیں اور چونکہ صحابہ کے حالات میں ہر جگہ آنحضرتؐ کا ذکر آتا ہے اس لئے ان حصوں میں بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے۔ یہ کتاب قریباً نا پید ہو چکی تھی یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا۔ شہنشاہ جرمن کو اس کی طبع و اشاعت کا خیال ہوا چنانچہ لاکھ روپیہ جیب خاص سے دیئے اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اُس کے اجزا فراہم کرکے لائیں۔ پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ مصر اور یورپ جا کر جابجا سے تمام جلدیں بہم پہونچائیں۔ یورپ کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیدن (ہالینڈ) میں چھپ کر شائع ہوا۔ اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے لیکن چونکہ تمام روایتیں بہ سند مذکور ہیں اس لئے واقدی کی روایتیں بہ آسانی الگ کر لی جا سکتی ہیں۔

سیرت کے سلسلہ سے الگ تاریخی تصنیفات ہیں۔ ان میں سے جو محدثانہ طریقہ پر لکھی گئیں یعنی جن میں روایتیں بہ سند مذکور ہیں اُن میں آنحضرتؐ کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے وہ بھی در اصل سیرت نبوی ہے۔ ان میں سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی دونوں تاریخیں ہیں لیکن دونوں نہایت مختصر ہیں۔ تاریخ صغیر چھپ گئی ہے اس میں سیرت

نبوی کا حصہ کتاب کا دسواں حصہ بھی نہیں یعنی صرف ۱۵ صفحے ہیں اور اُن میں بھی کوئی ترتیب نہیں۔ کبایر البتہ بڑی ہے۔ میں نے اس کا نسخہ جامع ایا صوفیہ میں دیکھا تھا لیکن سوانح نبوی اس میں بہت کم ہیں اور جستہ جستہ واقعات بلا ترتیب مذکور ہیں۔ تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال تفقہ اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں کسی کو اُن سے بڑھکر عالم نہیں جانتا۔ سنہ ۳۱۰ ہجری میں وفات پائی۔ بعض محدثین (سلیمانی) نے اُنکی نسبت لکھا ہے کہ شیعوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔

هذا رجمٌ بالظن الكاذب بل ابن جرير من كبار ائمة الاسلام المعتمدين۔	یہ جھوٹی بدگمانی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں۔

علامہ ذہبی نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں۔ تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل ابن الاثیر۔ ابن خلدون۔ ابوالفدا وغیرہ انھیں کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں۔ یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی۔ یہ قدما کی تصنیفات تھیں مابعد کی تصنیفات کا ہم ایک مختصر نقشہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ یہ تصنیفات قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ اس نقشہ میں ان کتابوں کا ذکر بھی ہے جو قدما کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہیں ان کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ شرح فی نفسہ مستقل تصنیفات ہیں اور ان میں جس قدر ذخیرۂ معلومات ہے خود اصل کتابوں میں نہیں۔

روض الانف سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے مصنف کا نام عبد الرحمن سہیلی ہے جنھوں نے سنہ ۵۸۱ ہجری میں وفات پائی۔ یہ اکابر محدثین میں سے ہیں اور تمام محدثین مابعد سیرت نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق ان کے خوشہ چین ہیں۔ مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے لکھی۔ اس کا قلمی نسخہ ہمارے استعمال میں ہے۔

سیرت حافظ عبد المومن دمیاطی المتوفی سنہ ۷۰۵ ہجری کی تصنیف ہے۔ اکثر کتابوں میں

اسکے حوالے آتے ہیں۔ اس کتاب کا نام المختصر فی سیرۃ سید البشر ہے۔ قریباً ۰۰ ا صفحوں میں ہے پٹنہ کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

سیرت خلاطی۔ علاء الدین علی بن محمد خلاطی حنفی کی تصنیف ہے۔ ۷۰۸ھ ہجری میں وفات پائی۔

سیرت گازرونی۔ شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی المتوفی ۶۹۴ھ ہجری کی تصنیف ہے۔

سیرت ابن ابی طی۔ مصنف کا نام یحییٰ بن حمیدۃ المتوفی ۶۳۰ھ ہجری ہے یہ کتاب ۳ جلدوں میں ہے۔ سیرت مغلطائی۔ مشہور کتاب ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے۔ علامہ عینی نے اسکے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے جس کا نام کشف اللثام ہے۔ شرف المصطفےٰ۔ حافظ ابوسعید عبدالملک نیشاپوری کی تصنیف ہے۔ آٹھ جلدوں میں ہے۔ حافظ ابن حجر اصابہ میں اکثر اس کا حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن جو روایتیں حافظ موصوف نے نقل کی ہیں ان میں بعض نہایت مہمل اور لغو روایتیں ہیں جس سے قیاس ہوتا ہے کہ مصنف نے رطب و یابس کی کوئی تمیز نہیں رکھی ہے۔ شرف المصطفےٰ للحافظ ابن الجوزی۔ اکتفاء فی مغازی المصطفےٰ والخلفاء الثلاثہ۔ حافظ ابوالربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی المتوفی ۶۳۴ھ ہجری کی تصنیف ہے۔ اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔

سیرت ابن عبد البر۔ ابن عبد البر مشہور محدث اور امام ہیں اس کتاب کے حوالے اکثر آتے ہیں۔ عیون الاثر۔ ابن سید الناس کی تصنیف ہے۔ ابن سید الناس اندلس کے مشہور عالم ہیں۔ ۷۳۴ھ ہجری میں وفات پائی۔ یہ کتاب نہایت متین اور جامع ہے۔ معتبر کتابوں کو ماخذ قرار دیا ہے اور جس سے جو کچھ نقل کیا ہے سند بھی نقل کی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ (جلد دوم) کلکتہ کے کتب خانہ میں ہے اور ہمارے پیش نظر ہے۔

نور النبراس فی سیرۃ ابن سید الناس عیون الاثر کی شرح ہے مصنف کا نام ابراہیم بن محمد ہے۔ یہ کتاب نہایت محققانہ لکھی گئی ہے اور بے شمار معلومات کا گنجینہ ہے دو ضخیم جلدوں میں ہے اور ندوہ کے کتب خانہ میں اس کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے۔

سیرت منظوم۔ حافظ زین الدین عراقی نے جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے نظم میں لکھی ہے۔ لیکن دیباچہ میں خود لکھ دیا ہے کہ اس میں رطب و یابس سب کچھ ہے۔

مواہب لدنیہ مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے۔ اس کے مصنف

قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں۔ حافظ ابن حجر کے شاگرد تھے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں۔ زرقانی علی المواھب۔ یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی۔ آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے۔ سیرت حلبی مشہور اور متداول ہے۔ (سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۰)

نتائج: شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی کی مذکورہ بالا عبارتوں سے جو انھوں نے حضرات اہلسنت کی معتبر ترین کتابوں سے لکھی ہیں حسب ذیل نتائج واضح طریقہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) بنوامیہ نے لوگوں کو مجبور کر کے ان سے تصنیفیں لکھوائیں۔ اور سب سے پہلے معویہ نے تاریخ کی کتاب مرتب کرائی۔ پس جو کتابیں معویہ کے حکم اور بنوامیہ کے زور حکومت سے لکھی گئی ہوں گی ان میں معویہ کی مدح کس درجہ ہو گی۔ بنوامیہ کے مناقب کس قدر درج کئے گئے ہوں گے اور خلیفہ اول و دوم و سوم کے فضائل کس حد تک بھرے گئے ہوں گے۔ یہ باتیں محتاج توضیح نہیں۔ اس لئے کہ معویہ کی خلافت موقوف تھی حضرت عثمان کی خلافت پر۔ اور آپکی خلافت موقوف تھی حضرت عمر کی خلافت پر اور وہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر۔ پس جو کتابیں معویہ نے لکھوائی ہوں ان میں یہ ممکن بلکہ واقعہ ہے کہ مصنفین نے خوشامد یا مال و دولت کی طمع یا جاگیر و حکومت کے لالچ میں ان لوگوں کے بے حد و حساب فضائل بھر دیئے ہوں۔ لیکن یہ محال تھا کہ مصنفین اُن خلفاء اسلام کے خلاف ایک لفظ بھی لکھنے پاتے۔ اگر وہ بیچارے اس قسم کا ارادہ بھی کرتے تو ان کی زبان گدی سے کھینچ لی جاتی یا وہ قتل ہی کر دیئے جاتے یا اور کوئی سخت سزا کی جاتی۔ جیسا کہ خلیفہ متوکل نے ابن سکیت شاعر کے ساتھ کیا۔ مورخین نے بتصریح لکھا ہے وفی سنۃ اربع و اربعین ومأتین قتل المتوکل ابا یوسف یعقوب المعروف بابن السکیت لانہ قال لہ ایما احب الیک ابناے المعتز والموئید ام الحسن والحسین فقال لہ ابن السکیت واللہ ان قنبرا خادم علی خیر منک و من ولدیک۔ فقال المتوکل سلوا لسانہ من قفاہ ففعلوا ذلک فمات من ساعتہ۔ سنہ ۲۴۴ ہجری میں خلیفہ متوکل نے ابو یوسف یعقوب معروف بہ ابن السکیت شاعر کو قتل کر ڈالا جس کا قصہ یہ ہے کہ ایک روز متوکل نے اس سے پوچھا کہ تجھ کو میرے دونوں بیٹے معتز اور موید زیادہ محبوب ہیں

یا حسن و حسین فرزندانِ علیؑ؟ ابن السکیت نے کہا کہ خدا کی قسم میرے نزدیک حضرت علیؑ کا خادم قنبر بھی حضور سے اور حضور کے دونوں شاہزادوں سے بہتر ہے۔ یہ سُن کر متوکل نے اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ ابن السکیت کی زبان گدی سے کھینچ لو۔ چنانچہ فوراً زبان کھینچ لی گئی۔ اور وہ اسی وقت اس مصیبت سے ہلاک ہوگئے (تاریخ ابوالفدا جلد ۲ ص۴۱) یا جیسے خلیفہ معتصم باللہ نے مجتہد زمانہ امام احمد بن حنبل کی سزا کی کہ ۲۱۹ھ ہجری میں اس نے موصوف کو طلب کر کے مسئلہ خلق قرآن کے متعلق اُن کا امتحان لیا۔ انھوں نے معتصم کے قول کو قبول نہیں کیا اور یہ نہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے۔ اس بات پر بگڑ کر معتصم نے اس جلیل القدر امام اہلسنت کو اتنے کوڑے لگوائے کہ ان کی جلد بدن کٹ گئی اور عقل ہی زائل ہوگئی (ابوالفدا جلد ۲ ص۳۳) یہ خلفاء بنی عباس کا برتاؤ تھا جو مزاج۔ اخلاق۔ تدین اور شرافت میں بنو امیہ سے بہتر سمجھے جاتے ہیں۔ پھر بنو امیہ کے زمانہ میں کس کی مجال تھی کہ ان لوگوں کی خواہش کے خلاف کوئی بات زبان سے نکالتا یا ان کے خلاف مرضی کوئی مضمون یا روایت اپنی کتاب میں لکھتا اور صرف اپنے ہی کو نہیں بلکہ اپنے خاندان بھر کو ہلاکت میں ڈالتا۔ مولوی شبلی صاحب عہد بنی امیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "نہایت پُرآشوب زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف خلیفہ عبدالملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی۔ چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب و عراق میں اب تک مروانی حکومت کے پاؤں نہیں جمے تھے۔ حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر انھیں لوگوں پر مبذول تھیں جو ائمہ مذہب اور علم و فضل کی حیثیت سے مقتدائے عام تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نہایت سچ کہا کہ اگر اور پیغمبروں کی امتیں سب مل کر اپنے اپنے زمانہ کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو مقابلہ میں لائیں تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہیگا۔ عبدالملک نے ۸۶ھ ہجری میں وفات کی اور اُس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ ولید کے زمانہ میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی... لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشان نہ تھا۔ ملکی عہدہ داروں میں سے جو لوگ جس قدر زیادہ معزز اور با اختیار تھے اُسی قدر ظالم اور سفاک تھے۔ اسی زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ ولید شام میں۔ حجاج عراق میں۔ عثمان حجاز میں۔ قرۃ مصر میں۔ واللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی" (سیرۃ النعمان ص۲۵) ان تمام حالات کا مقتضے یہ تھا کہ خلفائے ثلثہ اور خلفاء بنی امیہ کی شان میں اچھی طرح قصیدے لکھے جاتے۔ ان کے فضائل

میں حدیثیں وضع کی جائیں۔ ان کی شان خوب بلند کی جاتی اور ان کے متعلق وہ چیزیں کتابوں میں بھردی جاتیں جن سے عوام کے ذہنوں میں ان کی عظمت وجلالت کے سکے بیٹھ جاتے چنانچہ یہی ہوا کہ غلط اور موضوع روایتوں سے دنیائے اسلام پُر ہوگئی۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حضرت علیؓ کی خلافت شروع ہی سے پر آشوب رہی۔ ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی۔ اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانہ مابعد میں ہوا لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سیکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کرلی تھیں ... زبانی روایت سے گزر کر تحریروں میں بھی جعل شروع ہوگیا تھا ... لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اُس وقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا۔ جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہ دیتا تھا اور اثباتِ سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا۔ ترمذی نے کتاب العلل میں امام بن سیرین سے روایت کی ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے۔ جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گچھ ہوئی۔ تاکہ اہلسنت کی حدیثیں لی جائیں اور اہل بدعت کی ترک کی جائیں لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی۔ اس لئے یہ احتیاط چنداں مفید نہ ہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی۔ صحابہ کی تعداد جس قدر کم ہوتی جاتی تھی اُسی قدر اُن کی قدر اور اُن کی طرف التفات بڑھتا جاتا تھا۔ تمدن میں بہت کچھ ترقی ہوگئی تھی۔ نئی نئی قومیں مسلمان ہوتی جاتی تھیں اِن نومسلموں کو ادھر تو اسلام کا نیا نیا جوش تھا اُدھر قوم فاتح کے مجمع میں عزت و اثر پیدا کرنے کی اس سے بڑھکر کوئی تدبیر نہ تھی۔ ان باتوں نے ان کو معلومات مذہبی کا اس قدر شائق بنادیا تھا کہ خود عرب ان کی ہمسری کا دعوےٰ نہیں کرسکتے تھے۔ غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے۔ اور سیکڑوں ہزاروں درسگاہیں قائم ہوگئیں۔ لیکن جس قدر اشاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا۔ ارباب روایت کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ اُس میں مختلف خیال۔ مختلف عادات۔ مختلف عقائد۔ مختلف قوم کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جابجا پھیل گئے تھے اور اپنے مسائل کی ترویج میں مصروف تھے۔ سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گزر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا۔ ان اسباب سے روایتوں میں اس قدر

بے احتیاطیاں ہوئیں کہ موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایاں طیار ہوگیا۔ یہانتک کہ امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ میں سے انتخاب کرکے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۳۹۷ حدیثیں ہیں۔ اُس میں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں۔ سیکڑوں ہزاروں لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کرلیں۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کرلیں (فتح المغیث صنا) عبدالکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں اُس کی موضوعات سے ہیں (فتح المغیث صنا) بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے۔ حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں نے بہت ضرر پہونچایا کیونکہ ان واضعین کی ثقہ اور تورع و زہد کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہوگئیں اور رواج پاگئیں۔ وضع کے بعد مسامحات۔ غلط فہمیاں۔ بے احتیاطیوں کا درجہ تھا۔ جن کی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہؐ کی طرف بے قصد منسوب ہوگئے۔ بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروفِ تفسیر حذف کردیتے تھے جس سے سامعین کو دھوکا ہوتا تھا اور وہ اُن کے تفسیری جملوں کو بھی حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے۔ تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے ائمہ فن سے صادر ہوئے۔ امام زہری جو امام مالک کے استاد اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے اُن کی نسبت علامہ سخاوی لکھتے ہیں وکذا کان الزھری یفسر الحدیث کثیرا وربما اسقط اداۃ التفسیر یعنی اسی طرح زہری اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جن سے اُس عبارت کا تفسیر ہونا ظاہر ہو چھوڑ دیا کرتے تھے۔ وکیع کا بھی یہی حال تھا وہ اکثر حدیث کے بیچ بیچ میں "یعنی" کہکر مطلب بیان کرتے جاتے۔ اور اکثر "یعنی" کا لفظ چھوڑ دیتے تھے جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا۔ کتب رجال و اصول حدیث میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ بڑی آفت تدلیس کی تھی جس کا ارتکاب بڑے بڑے ائمہ فن کرتے تھے۔ اس تدلیس نے اسناد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کردیا تھا۔ ان ایجاد اور وضعیت کی بے احتیاطیاں

تھیں جن کی تفصیل اصول حدیث کی کتابوں میں مل سکتی ہے۔

غرض امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں[1] احادیث کا جو دفتر طیار ہو چکا تھا ہزاروں موضوعات اغالیط۔ مدرجات سے بھرا ہوا تھا۔ اُس وقت امام بخاری و مسلم نہ تھے جو صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کرتے ... حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام (ابوحنیفہ صاحب) کے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثیں ہیں جو صحیح ہیں۔ یا یہ کہ بہت کم حدیثیں ہیں جن کی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے۔ یہ صدا اگرچہ جدت کی وجہ سے کسی قدر نامانوس صدا تھی اور اسی وجہ سے بعض بعض ارباب حدیث نے نہایت سخت مخالفت کی لیکن امام صاحب اس خیال پر مجبور بلکہ معذور تھے۔ انھوں نے یہ رائے مقلدانہ نہیں قائم کی تھی۔ وہ اپنے زمانہ کے اکثر مشہور شیوخ سے ملے تھے اور اُن کے سرمایۂ حدیث سے متمتع ہوئے تھے حرمین کی بڑی بڑی درسگاہوں میں برسوں تعلیم پائی تھی۔ کوفہ۔ بصرہ۔ حرمین میں ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا۔ برسوں کے تجربہ سے اُن کے ذاتی اوصاف۔ اخلاق۔ و عادات پر اطلاع حاصل کی تھی۔ غرض اس مسئلہ کے متعلق اثباتاً یا نفیاً مجتہدانہ رائے قائم کرنے کے لئے جو شرطیں درکار تھیں سب اُن میں موجود تھیں ... امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند حاصل نہیں کی تاہم وہ بالکل بے اثر نہیں رہا۔ امام مالک و امام شافعی جو اجتہاد میں امام ابوحنیفہ سے متاخر ہیں اُن کے اصول اجتہادیہ اس خیال کا صاف پرتو پایا جاتا ہے ... صرف وہ حدیث قابل حجت ہے جس کو راوی نے اپنی حفظ سے یاد رکھا ہو اور یہ قول مالک و ابوحنیفہ سے منقول ہے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ امام مالک نے اول جب موطا لکھی تو اُس میں دس ہزار حدیثیں تھیں۔ پھر امام مالک زیادہ تحقیق کرتے گئے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ چھ سات سو رہ گئی۔ امام شافعی نے صاف لفظوں میں امام ابوحنیفہ کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک دن ہرم قرشی نے امام شافعی سے کہا کہ آپ وہ حدیثیں لکھوا دیئے جو رسول اللہؐ سے ثابت ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ارباب معرفت کے نزدیک صحیح حدیثیں کم ہیں کیونکہ ابوبکر صدیق نے جو حدیثیں رسول اللہؐ سے روایت

[1] امام موصوف کا زمانہ کتابت کا طریقہ سے سنہ ۱۵۰ھ تک رہا ہے ۱۲ مصنف

کیں اُن کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں ہے۔ عمر بن الخطاب باوجود اس کے کہ رسول اللہ کے بعد مدت تک زندہ رہے اُن کی روایت سے پچاس حدیثیں بھی ثابت نہیں حضرت عثمان کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت علیؑ اگرچہ لوگوں کو حدیث سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن اُن سے بھی کم حدیثیں مروی ہیں کیونکہ وہ مطمئن نہیں رہے۔ اُن سے جو حدیثیں مروی ہیں اکثر حضرت عمر اور حضرت عثمان کے عہد خلافت کی ہیں۔ ان لوگوں کے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں لیکن اہل معرفت کے نزدیک وہ تمام روایتیں صحیح سند سے ثابت نہیں... امام ابوحنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ بھی کہ اُن کے زمانہ تک روایت بالمعنے کا طریقہ نہایت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے۔ اس لئے روایات میں تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ میں بڑھتا جاتا تھا... اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ غیر محتاط طریقہ یہ تھا کہ اخبرنا و حدثنا کو بعض بعض محدثین نہایت عام معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ امام حسن بصری نے متعدد روایتوں میں کہا ہے حدثنا ابوھریرہ (مجھ سے ابوہریرہ نے بیان کیا) حالانکہ ابوہریرہ سے وہ کبھی نہیں ملے تھے۔ انھوں نے اس کی یہ تاویل کی تھی کہ ابوہریرہ نے جب وہ حدیث بیان کی تھی تو اُس شہر میں وہ موجود تھے۔ اسی طرح اور شیوخ صحابہ کی نسبت حدثنا کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنے یہ لیتے تھے کہ اُن کے شہر والوں نے اُن شیوخ سے سُنا تھا۔ محدث بزار نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے اُن لوگوں سے روایت کی ہے جن سے وہ کبھی نہیں ملے۔ اور تاویل یہ کرتے تھے کہ اُن کی قوم نے وہ حدیث اُن لوگوں سے سُنی تھی۔ یہ امر علاوہ اس کے کہ ایک قسم کی غلط بیانی تھی حدیث کی اسناد کو مشتبہ کر دیتا تھا کیونکہ راوی نے جب خود شیخ سے حدیث نہیں سُنی تو بیچ میں کوئی واسطہ ہوگا اور چونکہ راوی نے اُس کا نام نہیں بتایا اس لئے اُس کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کا حال نہیں معلوم ہو سکتا۔ صرف حسن ظن پر مدار رہ گیا کہ ایسے شخص نے جس سے سُنا ہوگا وہ ضرور قابل استناد ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیا اور اُن کے بعد اور ائمہ حدیث نے بھی اُن کی متابعت کی" (سیرۃ النعمان صفحہ ۱۶۰)

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہوا کہ احادیث کی ایجاد اور وضع میں کس قدر وسعت سے

کام لیا گیا۔ خاصکر صحابہ کے فضائل میں زیادہ کوشش کی گئی جسکی حسب ذیل ادلہ ہیں :۔
(۱) جناب مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "علامہ ابن تیمیہ حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں حاکم کا اس قسم کی حدیثوں کو صحیح کہنا ائمہ حدیث نے اس پر انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حاکم بہت سی جھوٹی اور موضوع حدیثوں کو صحیح کہتے ہیں۔ اسی طرح حاکم کی مستدرک میں بہت سی حدیثیں ہیں جن کو حاکم نے صحیح کہا ہے حالانکہ وہ ایمہ حدیث کے نزدیک موضوع ہیں۔ علامہ موصوف ایک اور موقع پر ابو الشیخ اصفہانی کی کتاب کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں۔ اور اس میں بہت سی حدیثیں ہیں جو قوی ہیں اور حسن ہیں۔ اور بہت سی ضعیف اور موضوع اور مہمل ہیں اور اسی طرح وہ حدیثیں جو ابو خثیمہ بن سلیمان صحابہ کے فضائل میں روایت کرتے ہیں۔ اور وہ حدیثیں جو ابو نعیم اصفہانی نے ایک مستقل کتاب میں خلفاء کے فضائل میں روایت کی ہیں۔ اور اسی طرح وہ روایتیں جو ابو بکر خطیب اور ابو الفضل اور ابو موسیٰ مدینی اور ابن عساکر اور حافظ عبد الغنی وغیرہ اور اُن کے پایہ کے لوگ روایت کرتے ہیں۔
غور کرو ابو نعیم، خطیب بغدادی، ابن عساکر۔ حافظ عبد الغنی وغیرہ حدیث اور روایت کے امام تھے۔ باوجود اس کے یہ لوگ خلفاء اور صحابہ کے فضائل میں ضعیف حدیثیں بے تکلف روایت کرتے تھے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۳۹) معلوم ہوا کہ خلفاء اور صحابہ چونکہ علماء اہل سنت کے پیشوایان دین اور مقتدایان مذہب تھے اس وجہ سے راویوں کی کوشش رہتی تھی کہ ان کے فضائل میں حدیثیں وضع کی جائیں اور ائمہ حدیث کا معمول تھا کہ ان حدیثوں کو بے تکلف روایت کرتے اور علماء کرام آنکھ بند کر کے ان روایات کو اپنی کتابوں میں جمع کرتے گئے۔ پھر موصوف لکھتے ہیں" اس موقع پر ایک خاص نکتہ لحاظ کے قابل ہے۔ یہ مسلم ہے کہ حدیث و روایت میں امام بخاری اور مسلم سے بڑھکر کوئی شخص کامل فن نہیں پیدا ہوا۔۔۔ باوجود اس کے فضائل و مناقب کے متعلق جس قسم کی مبالغہ آمیز روایتیں بیہقی۔ ابو نعیم بزار۔ طبرانی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔ بخاری اور مسلم میں اُن کا پتا نہیں لگتا بلکہ اس قسم کی حدیثیں جو نسائی۔ ابن ماجہ۔ ترمذی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں صحیحین میں وہ بھی مذکور نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر تحقیق و تنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے۔ مبالغہ آمیز روایتیں گھٹتی جاتی ہیں۔۔۔ سیرت پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ زیادہ تر اسی قسم کی کتابوں

(طبرانی - بیہقی - ابو نعیم وغیرہ) سے ماخوذ ہیں۔ اس لئے اُن میں کثرت سے کمزور روایتیں درج ہو گئیں اور اسی بنا پر محدثین کو کہنا پڑا کہ سیر میں ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۴۷) ۔ موصوف نے کسی مصلحت سے اصلی راز کو نہیں کھولا کہ کیوں خلفار اور صحابہ کے فضائل میں کثرت سے حدیثیں وضع کی گئیں ۔ ہر فعل کی کسی علت کا ہونا ضروری ہے پس فضائل خلفار میں احادیث موضوعہ کی بھرمار ہونے کا بھی کوئی نہ کوئی سبب ضروری ہے ۔ آؤ اس کا پتا لگایا جائے (۲) حضرات اہلسنت کے عالم جلیل جناب محمد بن عقیل بن عبد اللہ لکھتے ہیں ۔ کتب معویۃ نسخۃ واحدۃ الی عمالہ بعد عام الجماعۃ ان برئت الذمۃ ممن روی شیئا من فضل ابی تراب و اھل بیتہ - فقامت الخطباء فی کل کورۃ وعلی کل منبر یلعنون علیا و یبرؤن منہ و یقعون فیہ و فی اھل بیتہ وکان اشد الناس بلاء حینئذٍ اھل الکوفۃ لکثرۃ من بھا من شیعۃ علی علیہ السلام - فاستعمل علیھم زیاد بن سمیۃ وضم الیہ البصرۃ - فکان یتتبع الشیعۃ وھو بھم عارف لانہ کان منھم ایام علی علیہ السلام فقتلھم تحت کل حجر و مدر و اخافھم و قطع الایدی والارجل وسمل العیون و صلبھم علی جذوع النخل و طردھم و شردھم عن العراق - فلم یبق بھا معروف منھم و کتب معویۃ الی عمالہ فی جمیع الآفاق ان لا یجیزوا لاحد من شیعۃ علی شہادۃ و کتب الیھم ان انظروا من قبلکم من شیعۃ عثمان و محبیہ و اھل ولایتہ الذین یروون فضائلہ و مناقبہ فادنوا مجالسھم و قربوھم و اکرموھم و اکتبوا الی بکل ما یروی کل رجل منھم و اسمہ و اسم ابیہ و عشیرتہ - ففعلوا ذلک حتی اکثروا فی فضائل عثمان و مناقبہ لما کان یبعثہ الیھم معویۃ من الصلات و الکساء و الحباء و القطائع و یفیضہ فی العرب منھم و الموالی فکثر ذلک فی کل مصر و تنافسوا فی المنازل و الدنیا فلیس یجد امرؤ من الناس عاملا من عمال معویۃ فیروی فی عثمان فضیلۃ او منقبۃ الا کتب اسمہ و قربہ و شفعہ فلبثوا بذلک حینا ثم کتب الی عمالہ ان الحدیث فی عثمان قد کثر و فشا فی کل مصر و کل وجہ

وناحیة فاذا جاءکم کتابی هذا فادعوا الناس الی الروایة فی فضائل الصحابة والخلفاء الاولین ولا تترکوا خبرا یرویه احد من المسلمین فی ابی تراب الا وائتونی بمناقض له فی الصحابة - فان هذا احب الیّ واقر لعینی وادحض لحجة ابی تراب وشیعته واشد علیهم من مناقب عثمان وفضله - فقرئت کتبه علی الناس فرویت احادیث کثیرة فی مناقب الصحابة مفتعلة لاحقیقة لها وجد الناس فی روایة مایجری هذا المجری حتی اشادوا بذکر ذلک علی المنابر والقی الی معلمی الکتاب فعلموا صبیانهم وغلمانهم من ذلک الکثیر الواسع حتی رووه وتعلموه کما یتعلمون القرأن وحتی علموه بناتهم ونساءهم وخدمهم وحشمهم فلبثوا بذلک ماشاء الله - ثم کتب الی عماله نسخة واحدة الی جمیع البلدان انظروا من قامت علیه البینة انه یحب علیا واهل بیته فامحوه من الدیوان واسقطوا عطائه ورزقه وشفع ذلک بنسخة اخری من اتهمتموه بموالاة هؤلاء القوم فنکلوا به واهدموا داره - فلم یکن البلاء اشد واکثر منه بالعراق ولاسیما بالکوفة حتی ان الرجل من شیعة علی لیأتیه من یثق به فیدخل بیته فیلقی الیه سره ویخاف من خادمه ومملوکه ولایحدثه حتی یاخذ علیه الایمان الغلیظة لیکتمن علیه - فظهر حدیث کثیر موضوع وبهتان منتشر - ومضی علی ذلک الفقهاء والقضاة والولاة - وکان اعظم الناس فی ذلک بلیة القراء المراءون والمستضعفون الذین یظهرون الخشوع والنسک فیفتعلون الاحادیث لیحظوا بذلک عند ولاتهم ویقربوا فی مجالسهم ویصیبوا به الاموال والضیاع والمنازل حتی انتقلت تلک الاخبار والاحادیث الی ایدی الدیانین الذین لایستحلون الکذب والبهتان فقبلوها ورووها وهم یظنون انها حق - ولو علموا انها باطلة لما رووها ولاتدینوا بها - فلم یزل الامر کذلک حتی مات الحسن بن علی علیهما السلام - فازداد البلاء والفتنة فلم یبق احد من هذا القبیل الا وهو خائف علی دمه او طرید فی الارض - ثم تفاقم الامر بعد

قتل الحسین علیہ السلام وولی عبد الملک بن مروان فاشتد الامر علی الشیعۃ وولی علیہم الحجاج بن یوسف فتقرب الیہ اھل النسک والصلاح ببغض علی وموالاۃ اعدائہ وموالاۃ من یدعی قوم من الناس انہم ایضا اعدائہ فاکثروا من الروایۃ فی فضلہم وسوابقہم ومناقبہم واکثروا من الغض من علی کرم اللہ وجہہ وعیبہ والطعن فیہ والشنأن لہ حتی ان انسانا وقف للحجاج ویقال انہ جد الاصمعی عبد الملک بن قریب فصاح بہ ایہا الامیر ان اھلی عقونی فسمونی علیا وانی فقیر بائس وانا الی صلۃ الامیر محتاج فتضاحک الحجاج وقال للطف ما توسلت بہ قد ولیتک موضع کذا۔ وقد روی ابن عرفۃ المعروف بنفطویہ وھو من اکابر المحدثین واعلامہم فی تاریخہ ما یناسب ھذا الخبر وقال ان اکثر الاحادیث الموضوعۃ فی فضائل الصحابۃ افتعلت فی ایام بنی امیۃ تقربا الیہم بما یظنون انہم یرغمون بہ انوف بنی ھاشم۔ قلت لا یلزم من ھذا ان یکون علی علیہ السلام یسوءہ ان یذکر الصحابۃ والمتقدمون علیہ بالخیر والفضل الا ان معویۃ وبنی امیۃ کانوا یبنون الامر من ھذا علی ما یظنونہ فی علی کرم اللہ وجہہ من انہ عدو من تقدم علیہ ولم یکن الامر فی الحقیقۃ کما یظنونہ ولکنہ کان یری انہ افضل منہم وانہم استأثروا علیہ بالخلافۃ من غیر تفسیق منہ لہم ولا براءۃ منہم

جس سال (۴۱ھ میں) معویہ نے حضرت امام حسنؓ سے صلح کرلی اس کے بعد ہی اس نے دنیائے اسلام کے ہر گورنر، والی اور حاکم کو یہ بیعت فرمان لکھکر روانہ کیا کہ جو شخص بھی ابو تراب (حضرت علیؑ) اور ان کے اہلبیت کی فضیلت میں کوئی حدیث روایت یا کوئی خوبی بیان کرے گا اُس سے حکومت بری الذمہ رہے گی۔ اس اعلان کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہر شہر و دیہات میں بلکہ ہر منبر پر خطبہ دینے اور وعظ کہنے والے کھڑے ہو کر حضرت علیؑ پر لعنت اور حضرتؑ سے تبرا کرنے لگے اور حضرتؑ کو اور حضرتؑ کے اہلبیتؑ کو برا کہنے اور ان حضراتؑ کی مذمت کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اس مصیبت میں اُس وقت

سب سے زیادہ بیچارے کوفہ والے بتلا ہوئے کیونکہ اس زمانہ میں وہاں حضرت علی علیہ السلام کے شیعہ بہت تھے۔ اسی سبب سے معویہ نے ان لوگوں پر زیاد بن سمیہ کو مسلط کر دیا اور اس کو کوفہ و بصرہ دونوں مقام کی گورنری دے دی۔ زیاد شیعوں کو خوب پہچانتا تھا کیونکہ حضرت علی علیہ السّلام کی (ظاہری) خلافت کے زمانہ میں وہ خود بھی شیعہ ہی تھا۔ اُس نے ایک ایک شیعہ کو ڈھونڈھ ڈھونڈ کر گرفتار کیا اور کسی مکان یا کسی خیمہ تک میں جو شیعہ ملا اُس کو اس نے قتل کر کے چھوڑا۔ اور جنھیں زندہ رکھا اُن کو دھمکیاں دیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ اُن کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں ان کو درختوں کی شاخوں پر سولی دیدی۔ ان کو عراق سے نکال دیا اور آوارہ وطن کر دیا۔ یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی معروف شخص عراق میں نہیں بچا۔ اور معویہ نے دنیائے اسلام کے کل والیوں کے نام یہ فرمان بھی جاری کیا کہ حضرت علیؑ کے کسی شیعہ کی گواہی نہ قبول کریں اور اپنے ماتحت لوگوں کے نام یہ فرمان بھی لکھ بھیجا کہ دیکھو تم لوگوں کی طرف حضرت عثمان کو خلیفہ ماننے والے ان کو دوست رکھنے والے اور ان کی ولایت کا اقرار کرنے والے جو لوگ ایسے ہوں جو اُن کے فضائل و مناقب لوگوں سے بیان کرتے رہتے ہیں ان کی بڑی عزت کرو۔ ان کو اپنے دربار میں خاص جگہ دو۔ ان کو مقرب بارگاہ بناؤ۔ ان کے اکرام واحترام میں اہتمام کرو اور جو شخص حضرت عثمان کے فضائل میں کوئی بات بھی بیان کرے اُس کی وہ بات اور اُس کا اور اُس کے باپ کا اور اس کی قوم وقبیلہ کا نام میرے ہاں لکھ بھیجو۔ چنانچہ جس جس کے پاس یہ فرمان پہونچا سب نے اس حکم کی تعمیل کی یہاں تک کہ حضرت عثمان کے فضائل و مناقب کا انبار لگ گیا کیونکہ جو لوگ ان کی فضیلت میں کوئی روایت یا حدیث بھی لکھکر بھیج دیتے تھے ان کو معویہ کی طرف سے بڑے بڑے جائزے۔ خلعتیں بخششیں اور جاگیروں کے پروانے انعام میں پہونچ جاتے تھے۔ اور عرب و موالی سب ہی ان چیزوں سے فیض یاب ہوتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر گھر میں اس کی کثرت ہوگئی اور لوگوں نے اس ذریعہ (وضع احادیث) سے دنیا حاصل کرنے اور اپنی منزلت بڑھانے میں بڑی جد وجہد کی۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ جو شخص بھی معویہ کے کسی عامل کو پاتا اور اس سے حضرت عثمان کی فضیلت یا منقبت میں کوئی

بات بیان کر دیتا تو فوراً وہ عامل اُس کا نام لکھ لیتا۔ اُس کو مقرب بارگاہ بنالیتا۔ اور معویہ کے ہاں اُس کی سفارش لکھ بھیجتا۔ اسی طرح ایک مدت دراز تک ہوتا رہا۔

اِن سب کے بعد معویہ نے اپنے عاملوں کو لکھ بھیجا کہ حضرت عثمان کے فضائل میں حدیثیں بہت زیادہ ہوگئیں اور ہر شہر و دیہات میں پھیل گئیں۔ اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا خط پانے کے بعد تم سب لوگوں کو بلا کر کہو کہ اب صحابہ اور خلیفہ اول و دوم کے فضائل میں حدیثیں بیان کریں اور ابو تراب (حضرت علیؑ) کی فضیلت میں کوئی شخص بھی جو حدیث بیان کرتا ہے اس کے مقابل کی حدیث صحابہ کے لئے بھی یہ لوگ پیش کریں۔ خبردار کوئی ایسی حدیث نہ چھوٹنے پائے جو حضرت علیؑ کے بارے میں وارد ہوئی ہو اور ویسی ہی صحابہ کے لئے بھی نہ بنائی جائے۔ کیونکہ یہ تدبیر مجھے بہت پسند اور میرے لئے نہایت درجہ موجب اطمینان و باعث مسرت ہے اور ابو تراب اور ان کے شیعوں کی حجت باطل کرنے کی بہترین صورت ہے۔ اور خلیفہ اول و دوم کی فضیلت میں حدیثوں کا انبار لگنا شیعوں کے لئے حضرت عثمان کے فضائل کی حدیثوں سے بھی زیادہ ناگوار اور گراں ہوگا۔

غرض معویہ کے یہ سب فرمان لوگوں کے سامنے پڑھے گئے جس پر بکثرت ایسی جعلی حدیثیں صحابہ کے فضائل میں گڑھ دی گئیں جن کی کوئی بھی اصلیت نہیں تھی اور لوگوں نے ان موضوع حدیثوں اور ان کے مثل دوسری چیزوں کے بیان کرنے اور ہر شخص سے روایت کرنے میں بڑی ہی جد و جہد کی۔ یہاں تک لوگوں نے ان بنائی ہوئی جھوٹی اور بالکل بے اصل حدیثوں کو منبروں پر بیٹھکر پڑھنا اور لوگوں کو سنانا شروع کیا اور مدرسوں کے معلموں کو بھی وہ بناوٹی حدیثیں دے دی گئیں۔ انھوں نے ان حدیثوں کی تعلیم بچوں کو بھی دے دی اور ان کے دماغوں میں بھی ان مہملات کا زیادہ حصہ بھر دیا گیا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے ان حدیثوں کو بھی اسی طرح لوگوں سے بیان کرنا اور خود پڑھنا شروع کیا جس طرح قرآن مجید کو پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ ان جعلی حدیثوں کی تعلیم لوگوں نے (اپنے ہی تک محدود نہیں رکھی بلکہ) اپنی لڑکیوں بیویوں خدمت گاروں اور مصاحبوں کو بھی دی۔

جب اس حالت کو بھی ایک مدت گزر گئی تب معویہ نے ہر شہر میں یہ فرمان بھیجا کہ اب پتا لگاؤ جس شخص کے متعلق کوئی شخص (سچی یا جھوٹی) گواہی دے کہ وہ علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ کو

دوست رکھتا ہے اُس کا نام دفتر سے مٹا دو۔ اور اُس کو بطور بخشش یا بغرض مدد معاش جو کچھ ملتا ہے اسے بند کر دو۔ اس کے ساتھ دوسرا فرمان اس مضمون کا بھی تھا کہ جس شخص پر اس بات کی تہمت بھی قائم ہو جائے کہ ان سبھوں (علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ) سے محبت رکھتا ہے اُس کو پوری سزا دو اور اُس کا گھر تک ڈھا دو۔ ان فرمانوں کی تعمیل میں سب سے زیادہ آفت عراق والوں اور خصوصاً کوفہ کے لوگوں پر نازل ہوئی۔ ان بیچاروں (کوفہ کے شیعہ باشندوں) کی حالت (خوف و دہشت سے) یہاں تک پہونچ گئی کہ اگر کسی شیعہ کے پاس اُس کا نہایت سچا اور معتبر دوست بھی ملنے جاتا تو وہ دوسروں کے ڈر سے اس سے باہر ملاقات نہیں کر سکتا بلکہ اس کو کسی کمرے یا کوٹھری میں لے جاتا اور وہاں تخلیہ میں اس سے اپنی مصیبت وغیرہ کا حال بیان کرتا اس خوف سے کہ کہیں اس کا نوکر یا غلام ان باتوں کو نہ سُن لے (اور جا کر معویہ والوں کو خبر نہ کر دے) اور وہ اپنے اُس سچے معتبر اور مخلص دوست سے بھی اپنا اصلی حال اُس وقت تک بیان نہ کر سکتا جب تک اس سے بڑی سخت قسمیں نہ کھلوا لیتا کہ وہ ان باتوں کو اپنے ہی تک رکھے گا اور کسی پر بھی ظاہر نہ ہونے دے گا۔

غرض (ان سختیوں اور ظلم و تشدد سے) بکثرت موضوع حدیثیں ظاہر ہو گئیں اور جعل و فریب بلکہ افترا و بہتان تک کی روایتیں ہر طرف پھیل گئیں۔ اس وبا میں بڑے بڑے فقہاء قضاۃ۔ اور ولاۃ تک مبتلا ہو گئے مگر اس مصیبت میں سب سے زیادہ وہ لوگ پھنس گئے جو لوگوں کے دکھانے اور اپنے تقدس کا سکہ جمانے کے لئے قرآن مجید کے قاری اور مذہبی علوم کے عالم بنے ہوئے تھے۔ اور ایمان کے وہ کچے لوگ بھی تھے جو عوام پر اپنے خشوع و خضوع۔ زہد و ورع اور تقدس و پارسائی کا رنگ جمانا چاہتے تھے کہ وہ نئی نئی حدیثیں بنا کر اور اپنے دل سے روایتیں گڑھ کر اپنے حاکموں کے ہاں سُرخ روئی حاصل کرتے اور اُن کے دربار میں اپنی عزت و وقار بڑھاتے اور اس فن حدیث سازی و روایت بازی کے ذریعہ سے بکثرت مال و متاع اور جاگیریں و جائداد یں پیدا کرتے۔ یہاں تک کہ انھیں دنیا پرست عالموں زاہدوں اور بندۂ زر و مال مذہبی پیشواؤں کے ذریعہ سے ان کی من گھڑت حدیثیں اور بے بنیاد روایتیں اُن ایماندار اور واقعی پابند دین و مذہب حضرات تک بھی پہونچ گئیں جو جھوٹ اور بہتان کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ پس ان لوگوں نے (اپنی

سادہ لوحی سے ان مکار اور دھوکے باز حدیث سازوں کے فریب میں مبتلا ہو کر) ان
جعلی اور وضعی حدیثوں کو قبول کر لیا اور گمان کیا کہ یہ سب سچی حدیثیں ہیں حالانکہ اگر
ان کو پتا چل جاتا کہ ان حدیثوں کو روپیہ پیسہ کے لالچ اور دنیوی عزت و جاہ کی طمع اور
جاگیر و جائداد کی تمنا میں ابن الوقت لوگوں نے اپنے دل سے ڈھالا ہے تو کبھی ان حدیثوں
کی روایت نہ کرتے نہ ان پر عمل کرتے ۔ غرض دنیائے اسلام کی یہی حالت برابر رہی ۔
یہاں تک کہ (سنہ ۴۹ ہجری میں) حضرت امام حسنؑ ابن حضرت علی علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔
پھر کیا تھا فتنہ و فساد کا بازار اور زیادہ گرم ہو گیا اور مذہبی مصیبت پہلے سے بھی بڑھ گئی
اب تو سچے مذہب کے پابند لوگوں سے کوئی بھی نہ بچا جو اپنی جان کو ہتھیلی پر نہ رکھے ہو
کر یا ہر وقت اس کو اپنی ہلاکت کا خوف رہنے لگا یا وہ اپنی زندگی بچانے کے لئے آوارہ وطن
ہو کر ہر طرف مارا مارا پھرنے لگا۔ پھر (سنہ ۶۱ ہجری میں) جب حضرت امام حسین علیہ السلام شہید
کر دیئے گئے اس کے بعد تو اور بھی مذہبی لوگوں کی حالت سقیم ہو گئی۔ خصوصاً جب عبد الملک بن
مروان خلیفہ ہوا تو شیعوں کے مصائب پہلے سے بھی بہت زیادہ ترقی کر گئے۔ عبد الملک
نے لوگوں پر حجاج بن یوسف ایسے شخص کو حاکم بنا کر مسلط کر دیا۔ اس کے دربار میں عابد۔
زاہد ۔ مقدس اور پارسا حضرات حضرت علیؑ کے دشمن ہونے اور حضرتؑ کے دشمنوں کو دوست
رکھنے کا دعوے کر کے تقرب حاصل کرتے تھے بلکہ جو لوگ دعوے کرتے تھے کہ حضرت علیؑ
کے دشمن ہیں ان کی دوستی کا اقرار کر کے بھی لوگ حاکم وقت کے پاس اپنا مرتبہ بڑھا لیتے
تھے) غرض جس نے خوب ترقی کرنی چاہی اس نے یہی پیشہ اختیار کر لیا کہ حضرت علیؑ و
اہلبیتؑ سے خوب دشمنی کرو اور خلفاء کی شان میں اچھی طرح جھوٹی حدیثیں بناؤ) اس طرح
لوگوں نے صحابہ اور خلفاء ثلثہ کی شان ۔ ان کے فضائل ۔ مناقب اور سوابق میں بہت
کثرت سے روایتوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اور حضرت علیؑ کا مرتبہ کم کرنے ۔ حضرتؑ کی شان گھٹانے
بلکہ حضرتؑ کی مذمت ۔ عیب ۔ اعتراض ۔ طعن ۔ بدنامی ۔ برائی اور اہانت و تحقیر کے متعلق بھی اسی
کثرت سے جھوٹی روایتیں بنائی گئیں ۔ یہاں تک تماشہ ہوا کہ ایک شخص جس کے بارے میں
لوگ کہتے ہیں کہ وہ جد اصمعی عبد الملک بن قریب تھا۔ حجاج کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے
امیر میرے بزرگوں نے مجھ پر بڑا ظلم کیا کہ میرا نام علیؑ رکھ دیا تھا اور میں ایک پریشان حال

بھوکا فقیر شخص اور سرکار کی بخشش وعطا کا محتاج ہوں۔ یہ سن کر حجاج ہنس پڑا اور کہا تو نے اچھا بہانا تراشا۔ جا میں نے تجھ کو فلاں مقام کا تحصیلدار مقرر کر دیا۔ اور ابن عرفہ معروف بہ نفطویہ نے بھی جو اکابر محدثین اور ان کے اعلام سے ہیں اپنی تاریخ میں اسی کے قریب مضمون لکھا ہے۔ اور کہا ہے کہ صحابہ کے فضائل میں اکثر حدیثیں بنی امیہ ہی کے زمانہ میں وضع کی گئی اور گڑھی گئی ہیں۔ اُس زمانہ کے لوگ ایسی حدیثیں اس امید میں ایجاد کرتے تھے کہ حکومت ان کی بڑی قدر کرے گی اور دربار میں ان کا رسوخ بڑھ جائیگا کیونکہ وہ سمجھتے تھے اس طرح خاندان بنی ہاشم کے لوگ خوب بڑھینگے۔ اُن کی شکست ہوگی اور وہ ذلیل ہو نگے۔
میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ اور خلفاء ثلثہ کا ذکر خیر یا ان کے فضائل کا بیان حضرت علی علیہ السلام کو ناگوار ہوتا ہو لیکن معویہ اور بنی امیہ یہ سب کوششیں اسی غلط خیال سے کرتے تھے کہ وہ سمجھتے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلفاء ثلثہ کے مخالف اور دشمن تھے حالانکہ وہ جو گمان کرتے تھے حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ حضرت علیؓ اپنے کو خلفاء ثلثہ سے افضل سمجھتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان لوگوں نے حضرتؑ کو الگ کر کے خود خلافت پر قبضہ کر لیا لیکن حضرت علیؓ اسکی وجہ سے خلفاء ثلثہ کو نہ بُرا کہتے تھے نہ اُن سے برارت کرتے تھے (نصائح کافیہ مطبوعہ بمبئی ص ۷۲ تا ۷۲) (۳) علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:۔ ان معویۃ امر الناس بالعراق والشام وغیرھما بسبّ علی والبراءۃ منہ وخطب بذلک علی منابر الاسلام وصار ذلک سنۃ فی ایام بنی امیۃ ... وروی ابو عثمان ایضا ان قوما من بنی امیۃ قالوا لمعاویۃ یا امیر المومنین انک قد بلغت ما املت فلو کففت عن لعن ھذا الرجل۔ فقال لا واللہ حتی یربوا علیھا الصغیر ویھرم علیھا الکبیر ولا یذکر لہ ذاکر فضلا۔ وقال ابو عثمان ایضا وما کان عبد الملک ... ممن یخفی علیہ فضل علی ... ولکنہ اراد تشیید الملک وتاکید ما فعلہ الاسلاف وان یقرر فی انفس الناس ان بنی ھاشم لاحظ لھم فی ھذا الامر وسیدھم الذی بہ یصولون وبفخرہ یفخرون حالہ وھذا مقدارہ فیکون من ینتمی الیہ ویدلی بہ عن الامر ابعد وعن الوصول الیہ اشحط وانزح ... وکان الحجاج یلعن علیا ویامر بلعنہ۔ وقال لہ متعرض بہ یوما وھو راکب

ايها الامير ان اهلي عقوني فسموني عليا فغير اسمي وصلني بما اتبلغ به فاني فقير
فقال للطف ما توصلت به قد سميتك كذا ووليتك العمل الفلاني فاشخص اليه
... ان معوية وضع قوما من الصحابة وقوما من التابعين على رواية اخبار
قبيحة في علي تقتضي الطعن فيه والبراءة منه وجعل لهم على ذلك جعلا
يرغب في مثله فاختلقوا ما ارضاه منهم ابو هريرة وعمرو بن العاص والمغيرة
بن شعبه ومن التابعين عروة بن الزبير... ان معوية بذل لسمرة بن جندب
ماة الف درهم حتى يروي ان هذه الاية نزلت في عليؑ ومن الناس
من يعجبك قوله في الحيوة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه وهو الد الخصام
واذا تولى سعى في الارض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل والله لا
يحب الفساد وان الاية الثانية نزلت في ابن ملجم وهي قوله تعالى
ومن الناس من يشري نفسه ابتغاء مرضات الله - فلم يقبل - فبذل له
مائتي الف درهم فلم يقبل فبذل له اربع ماة الف فقبل وروى ذلك
قال وقد صح ان بني امية منعوا من اظهار فضائل عليؑ وعاقبوا ذلك الراوي
له حتى ان الرجل اذا روى عنه حديثا لا يتعلق بفضله بل بشرائع الدين
لا يتجاسر على ذكر اسمه فيقول عن ابي زينب وروى عطا عن عبد الله
بن شداد بن الهاد قال اردت ان اترك فاحدث بفضائل علي بن
ابي طالب يوما الى الليل وان عنقي هذه ضربت بالسيف - قال فالاحاديث
الواردة في فضله لو لم يكن في الشهرة والاستفاضة وكثرت النقل الى
غاية بعيدة لانقطع نقلها للخوف والتقية من بني مروان مع طول المدة
وشدة العداوة ولولا ان لله تعالى في هذا الرجل سرا يعلمه من يعلمه
لم يرو في فضله حديث ولا عرفت له منقبة - الا ترى ان رئيس قرية
لو سخط على واحد من اهلها ومنع النّاس ان يذكروه بخير وصلاح لخمل ذكره
ونسي اسمه وصار وهو موجود معدوما وهو حي ميتا... وذكر جماعة ان عدة
من الصحابة والتابعين والمحدثين كانوا منحرفين من عليؑ قائلين فيه السوء و

منہم من ... اعان اعلٰ انہٗ میلا مع الدنیا و ایثارا للعاجلۃ۔ عراق و شام وغیرہ ملکوں کے لوگوں کو معویہ نے حکم دیا کہ (حضرت) علیؑ کو گالیاں دیا کریں اور ان سے تبراء کیا کریں۔ اور اسلامی منبروں پر اس بات کا خطبہ بھی بیان کیا جو بنی امیہ کی سلطنت میں واجب العمل دستور ہو گیا... ابو عثمان نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ایک قوم نے معویہ سے کہا کہ اے امیر اب اس شخص (علیؑ) کو گالیاں دینے میں اپنی مراد کو پہونچ گئے (بہت کچھ گالیاں دلوادیں)۔ اب جانے دیجئے اور اس شخص پر لعنت کرنے سے باز رہیئے (کہ کوئی ضرورت باقی نہیں رہی) معویہ نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم میں اس کو کبھی موقوف نہیں کرونگا یہاں تک کہ اس کو دیکھتے اور سنتے بچے بوڑھے ہو جائیں اور بڑے بڑھاپے کی آخری حد تک پہونچ جائیں اور دنیا میں ایسا کوئی شخص باقی نہ رہے جو علیؑ کی ایک فضیلت بھی بیان کر سکے۔ اور ابو عثمان یہ بھی بیان کرتے تھے کہ خلیفہ عبد الملک بن مروان ایسا غافل شخص نہیں تھا کہ حضرت علیؑ کے فضائل سے ناواقف ہوتا لیکن حضرت علیؑ پر لعنت اور گالیوں کا سلسلہ جاری رکھکر اس نے چاہا کہ اپنی سلطنت کو خوب مستحکم کردے اور اس کے بزرگ حضرت علیؑ کی عداوت میں جو کچھ کرتے رہے ہیں اس کی تاکید کردے گا کہ خاندان بنی ہاشم کو خلافت وحکومت میں کوئی حق ہی نہیں ہے اور ان کے سردار جس پر وہ فخر کرتے اور جسکی وجہ سے خلافت کا دعوے کرتے ہیں اس کی حالت و منزلت اتنی ہی تھی (کہ ہم لوگ آج ان پر لعنت کرتے ہیں) پس جو شخص ان کی طرف منسوب اور ان سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس کا دعویدار ہے وہ تو اور بھی اس کے استحقاق سے دور تر اور اس تک پہونچنے سے بہت زیادہ محروم رہیگا ... اور بنی امیہ کی طرف سے جو مشہور گورنر حجاج تھا اس نے معمول کر لیا تھا کہ حضرت علیؑ پر خود بھی لعنت کرتا اور دوسروں سے بھی لعن کراتا۔ ایک دفعہ اس سے ایک شخص نے کہا اے امیر میرے اہل خاندان نے مجھ پر بڑا ستم کیا کہ میرا نام علی رکھ دیا اب حضور میرا خراب نام بدل کر دوسرا اچھا نام رکھ دیں اور مجھے اتنا انعام دیں جو میری ضرورتوں کے لئے کافی ہو کیونکہ میں ایک نادار شخص ہوں۔ حجاج نے کہا تم نے اپنی مطلب براری کا اچھا حیلہ نکالا۔ لو میں نے تمہارا وہ نام بدل کر فلاں نام رکھ دیا اور تم کو فلاں مقام کا حاکم بھی مقرر کر دیا وہاں چلے جاؤ (اور حضرت علیؑ کی دشمنی ظاہر کرنے کا مزہ اٹھاؤ)... معویہ نے ایک بڑا انتظام یہ بھی کیا کہ صحا

ہو اور لوگوں کے دلوں میں یہ بات داخل کر دے۔

اور تابعین کی ایک ایک جماعت کو اس بات پر مقرر کر دیا کہ وہ حضرت علیؑ کے بارے میں بری باتیں مذمت کی خبریں اور توہین و تذلیل کی حدیثیں بیان کیا کریں جن کی وجہ سے حضرت علیؑ اچھی طرح رسوا اور بدنام ہوتے رہیں اور لوگ حضرتؑ سے تبراء کیا کریں۔ ان باتوں کے لئے معویہ نے بڑی بڑی رشوتیں اور انعام دینے کا انتظام کر لیا تھا جسکی وجہ سے لوگ ایسی حدیثوں کے وضع کرنے میں ٹوٹے پڑتے اور معویہ کی خوشامد میں سب کچھ سیاہ سفید کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ ان میں ابو ہریرہ۔ عمرو بن العاص۔ مغیرہ بن شعبہ وغیرہ صحابہ اور عروہ بن زبیر وغیرہ تابعین خاص کر قابل ذکر ہیں.... ایک دفعہ معویہ نے سمرہ بن جندب سے کہا کہ میں تم کو ایک لاکھ درہم دیتا ہوں تم صرف اتنا کرو کہ لوگوں سے برابر بیان کرتے رہو قرآن مجید کی یہ آیت ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوۃ الدنیا ویشھد اللہ علی ما فی قلبہ وھو الد الخصام واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد یعنی اے رسول منافقین سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کی چکنی چپڑی باتوں سے اس دنیوی زندگی میں تم بہت خوش ہو جاتے ہو اور وہ اپنی دلی محبت پر خدا کو بھی گواہ مقرر کرتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے دشمنوں میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہیں اور جب وہ حاکم ہونگے تو زمین میں کوشش کرینگے کہ اس میں خوب فساد پھیلائیں۔ اور زراعت اور مویشی کو تباہ کریں اور خدا تو فساد کو اچھا نہیں سمجھتا (پ۲ سورہ بقرہ رکوع ۲۵/۹) حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی اور یہ دوسری آیۃ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد اور لوگوں میں سے خدا کے بندے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور خدا ایسے بندوں پر بڑی ہی شفقت والا ہے۔ (پ۲ رکوع ۹) ابن ملجم کی شان میں نازل ہوئی تھی !!! مگر سمرہ بن جندب نے اس کو منظور نہیں کیا۔ تب معویہ نے کہا اچھا دو لاکھ دیتا ہوں۔ اس پر بھی سمرہ بن جندب نے انکار کیا تب معویہ نے کہا چار لاکھ درہم لے لو مگر اس مضمون کی روایت ضرور کر دو۔ آخر سمرہ بن جندب نے قبول کر لیا اور اس بات کی حدیث گڑھ کر روایت کر دی۔ یہ بھی صحیح واقعہ ہے کہ بنو امیہ نے لوگوں کو حضرت علیؑ کے فضائل زبان تک پر لانے سے بشدت روک دیا تھا اور جو شخص ایسا کرتا اس کی سخت سزا کرتے تھے۔ یہاں تک نوبت پہونچ گئی تھی کہ اگر کوئی شخص

حضرت علیؓ سے کوئی ایسی حدیث روایت کرتا جو حضرتؓ کے فضائل سے نہیں بلکہ دوسرے احکام دین سے متعلق ہوتی جب بھی اسکی مجال نہیں تھی کہ حضرت علیؓ کا نام تک لے سکے۔ بلکہ یوں کہتا کہ زینب کے والد نے اس طرح بیان کیا تھا اور عطاء نے عبد اللہ بن شداد بن الہاد سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں چھوڑ دیا جاؤں اور حضرت علیؓ کے فضائل کو ایک دن رات بیان ہی کرتا رہوں اگرچہ اسکی وجہ سے میری گردن پر تلوار ماردی جائے مختصر یہ کہ حضرت علیؓ کے فضائل کی حدیثیں اگر مشہور ہونے۔ ہر شخص کے کانوں میں پڑ جانے اور بکثرت منقول ہونے کی حیثیت سے غیر معمولی حد پر نہ پہونچ گئی ہوتیں تو آج اُن کا پتا بھی نہ ملتا اور کہیں ذکر بھی دکھائی نہ دیتا کیونکہ مدت دراز تک بنی امیہ کی حکومت اور حضرت علیؓ و اہلبیتؑ کے ساتھ ان کی شدید عداوت کی وجہ سے لوگ ایسی حدیثوں کا کوئی لفظ تک زبان پر نہ لا سکتے اور اس کا ایک حرف تک سننے کی جرأت نہیں پاتے تھے۔ اور اگر اس بزرگ (حضرت علیؓ) کی شان اعلیٰ وارفع رکھنے میں خدا کا کوئی خاص بھید نہ ہوتا جس کی حقیقت سے صرف وہی واقف ہے جس کو اس کا شرف حاصل ہوا تو حضرتؓ کے فضائل و شرف میں ایک حدیث بھی کہیں روایت نہ کی جاتی اور نہ آپ کی کسی مدح یا خوبی کا کہیں نام و نشان ملتا۔ تم دیکھتے نہیں کہ اگر کسی بستی کا کوئی چودھری وہاں کے کسی شخص پر خفا ہو جاتا ہے اور لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ کوئی شخص اس کا ساتھ نہ دے نہ اس کو خیر و خوبی سے یاد کرے تو اس کا ذکر غائب اور وہ گمنام ہو جاتا ہے۔ وہ موجود رہتا ہے مگر معدوم کے حکم میں اور زندہ رہتا ہے مگر گویا مردہ۔ (پھر جس بزرگ کے خلاف اتنی زبردست سلطنت اتنے دنوں تک کوشش کرتی رہی اُس کے فضائل کیسے باقی رہتے۔ لیکن خدا کی قدرت کا کون مقابلہ کر سکتا ہے کہ باوجود اتنی مخالفت کے آج بھی حضرتؓ کے فضائل سے کتابیں بھری ہیں) اور ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ صحابہ و تابعین و محدثین سے بکثرت لوگ صرف دنیا حاصل کرنے اور اس زندگی کا مزہ اُٹھانے کے لئے حضرت علیؓ کے خلاف رہتے تھے کہ حضرتؓ کی برائیاں کرتے اور حضرتؓ کے دشمنوں کی تائید و حمایت میں مشغول رہتے (شرح نہج البلاغۃ از علامہ ابن ابی الحدید مطبوعہ مصر جلد اول جزو رابع ص۳۵۸) وغیرہ)۔ اس عبارت سے احادیث موضوعہ کی علت غائیہ پر جو پردے پڑے تھے ان میں سے اکثر ہٹ گئے اور واضح ہوا کہ جس طرح حضرت امیر المومنینؑ

کی زندگی میں اور حضرتؑ کے بعد آپ کی تنقیص و توہین کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا۔ اسی طرح خلفاء ثلثہ و صحابہ کے فضائل و مناقب میں جھوٹی حدیثیں بنانے۔ روایت کرنے اور کتابوں میں نقل کر کے تمام پھیلانے میں بھی کوئی کوشش چھوڑی نہیں گئی۔ پس جب ایسی زبردست سلطنت نے اپنی سزا و عقوبت کے اسلحہ کے ساتھ اپنے خزانوں کا منہ بھی کھول دیا ہو تو غلط اور جعلی حدیثوں کی اشاعت کیونکر رُک سکتی تھی۔

(۴) وضع احادیث کے متعلق جناب امیرؑ کا ایک خطبہ

حضرت امیرالمومنینؑ نے اپنے ایک خطبہ میں بیان فرمایا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں وضع احادیث کی مصیبت نازل ہو گئی تھی جس کا اثر آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد بہت ہوا۔ مناسب ہے کہ ہم اسکو بھی یہاں نقل کر دیں۔ علامہ سید رضی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

ومن کلام لہ علیہ السلام وقد سألہ سائل عن احادیث البدع وعما فی ایدی الناس من اختلاف الخبر فقال علیہ السلام إِنَّ فِي أَيْدِي النَّاسِ حَقّاً وَبَاطِلاً وَصِدْقاً وَكَذِباً وَنَاسِخاً وَمَنْسُوخاً وَعَامّاً وَخَاصّاً وَمُحْكَماً وَمُتَشَابِهاً وَحِفْظاً وَوَهْماً۔ وَلَقَدْ كُذِبَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَلَى عَهْدِهِ حَتَّى قَامَ خَطِيباً فَقَالَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَإِنَّمَا أَتَاكَ بِالْحَدِيثِ أَرْبَعَةُ رِجَالٍ لَيْسَ لَهُمْ خَامِسٌ رَجُلٌ مُنَافِقٌ مُظْهِرٌ لِلْإِيمَانِ۔ مُتَصَنِّعٌ بِالْإِسْلَامِ لَا يَتَأَثَّمُ وَلَا يَتَحَرَّجُ۔ يَكْذِبُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ

جب ایک شخص نے حضرتؑ سے نئی نئی حدیثوں اور اُن مختلف روایتوں کے بارے میں جو لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں پوچھا کہ ایک دوسرے کی ضد کیوں ہیں تو فرمایا لوگوں کے درمیان حضرت رسولخدا صلعم کی جو حدیثیں ہیں ان میں حق۔ باطل۔ سچ۔ جھوٹ ناسخ۔ منسوخ۔ عام۔ خاص۔ محکم۔ متشابہ۔ محفوظ اور موہوم (مشکوک) سب ہی ہیں۔ خود حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں حضرتؐ پر لوگوں نے جھوٹ باندھا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم کو خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہونا پڑا اور فرمایا جو شخص جان کر مجھ پر جھوٹ باندھے (یعنی غلط حدیثوں کے بارے میں کہے کہ میں نے بیان کی ہیں) وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ سنو۔ تمہارے سامنے جو لوگ آنحضرت صلعم

صلے اللہ علیہ و آلہ متعمداً فلو علم الناس انہ منافق کاذب لم یقبلوا منہ و لم یصدقوا قولہ و لکنہم قالوا صاحب رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ راٰہ و سمع منہ و لقف عنہ۔ فیاخذون بقولہ و قد اخبرک اللہ عن المنافقین بما اخبرک و وصفھم بما وصفھم بہ لک ثم بقوا بعدہ فتقربوا الی ائمۃ الضلالۃ والدعاۃ الی النار بالزور و البہتان فولوھم الاعمال وجعلوھم حکاما علی رقاب الناس فاکلوا بھم الدنیا و انما الناس مع الملوک و الدنیا الا من عصم اللہ۔ فھذا احد الاربعۃ۔ و رجل سمع من رسول اللہ شیئا لم یحفظہ علی وجہہ فوھم فیہ ولم یتعمد کذبا فھو فی یدیہ و یرویہ و یعمل بہ و یقول انا سمعتہ من رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ۔ فلو علم المسلمون انہ وھم فیہ لم یقبلوہ منہ

کی حدیثیں بیان کرتے ہیں وہ چار ہی قسم کے ہیں پانچویں قسم کا کوئی نہیں ہے۔ ایک قسم کے وہ منافق ہیں جو ایمان ظاہر کرتے اور اسلام کے دعوے میں تصنع کرتے ہیں وہ نہ گناہ سے رُکتے ہیں اور نہ فتنہ و فساد سے بچتے ہیں۔ بلکہ وہ جان بوجھکر حضرت رسولخدا صلعم پر جھوٹ کے انبار لگاتے ہیں۔ اب اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ وہ منافق اور جھوٹے ہیں تو کبھی ان کی حدیثیں قبول نہ کریں اور نہ انکے قول کو سچا جانیں۔ لیکن لوگ اس دھوکے میں پڑجاتے ہیں کہ کہتے ہیں وہ (منافقین) آنحضرت صلعم کے صحابہ ہیں۔ آنحضرتؐ کو دیکھا تھا حضرتؐ کی صحبت اُٹھائی تھی۔ حضرتؐ سے سُنا اور حضرتؐ ہی کی باتیں لی تھیں۔ پس اس فریب میں آکر وہ ان منافقوں کی حدیثیں لے لیتے ہیں حالانکہ خدا منافقین کی جو حالت بیان کرچکا ہے اُس سے تم لوگ اچھی طرح واقف ہو کہ وہ محض افترا و بہتان کرتے ہیں) اور ان (منافقین) کی صفت جس طرح واضح کردی ہے اُس سے بھی خوب باخبر ہو۔ یہ منافقین آنحضرت صلعم کے بعد باقی رہے اور پیشوایان ضلالت و داعیان جہنم کے دربار میں پہونچکر ان لوگوں نے افترا و بہتان کے انبار لگانے شروع کئے اور اس ذریعہ سے ان (حاکمان وقت) کے ہاں مقرب بارگاہ ہوگئے۔ پس اس حدیث سازی اور روایت

وَلَوْ عَلِمَ هُوَ أَنَّهُ كَذٰلِكَ
لَرَفَضَهُ ۔ وَرَجُلٌ ثَالِثٌ
سَمِعَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَآلِهٖ شَيْئًا يَأْمُرُ بِهٖ ثُمَّ
إِنَّهُ نَهٰى عَنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ أَوْ سَمِعَهُ
يَنْهٰى عَنْ شَيْءٍ ثُمَّ أَمَرَ بِهٖ وَهُوَ
لَا يَعْلَمُ فَحَفِظَ الْمَنْسُوْخَ وَلَمْ
يَحْفَظِ النَّاسِخَ فَلَوْ عَلِمَ أَنَّهُ مَنْسُوْخٌ
لَرَفَضَهُ وَلَوْ عَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ
إِذْ سَمِعُوْهُ مِنْهُ أَنَّهُ مَنْسُوْخٌ
لَرَفَضُوْهُ ۔ وَآخَرُ رَابِعٌ لَمْ
يَكْذِبْ عَلَى اللّٰهِ وَلَا عَلٰى
رَسُوْلِهٖ مُبْغِضٌ لِلْكَذِبِ خَوْفًا
مِنَ اللّٰهِ وَتَعْظِيْمًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَلَمْ يَهِمْ
بَلْ حَفِظَ مَا سَمِعَ عَلٰى وَجْهِهٖ
فَجَاءَ بِهٖ عَلٰى سَمْعِهٖ لَمْ يَزِدْ
فِيْهِ وَلَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ فَهُوَ حَفِظَ
النَّاسِخَ فَعَمِلَ بِهٖ وَحَفِظَ الْمَنْسُوْخَ
فَجَنَّبَ عَنْهُ ۔ وَعَرَفَ الْخَاصَّ
وَالْعَامَّ وَالْمُحْكَمَ وَالْمُتَشَابِهَ
فَوَضَعَ كُلَّ شَيْءٍ مَوْضِعَهُ وَقَدْ
كَانَ يَكُوْنُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَآلِهٖ الْكَلَامُ لَهُ وَجْهَانِ

بازی) کے انعام میں اُن پیشوایانِ وقت نے ان منافقوں کو مختلف مقامات کی حکومتیں دے دیں اور انھیں امیر بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا۔ پس ان سب منافقین نے ان پیشوایان ضلالت کی خوشامد میں حدیثیں وضع کرکے خوب ہی دنیا کمائی۔ اور یہ تو مشہور ہی ہے کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے بادشاہوں کی طرف ہو جاتے ہیں اور دنیا ہی کا ساتھ دیتے ہیں سوا ان مخصوص لوگوں کے جنھیں خدا اس سے محفوظ رکھے۔ پس یہ منافقین ایک قسم کے لوگ ہوئے۔ دوسری قسم کے لوگ ہیں جنھوں نے رسولخدا صلعم سے کوئی حدیث سُنی تو ضرور مگر اُسکو اسی طرح یاد نہیں رکھی بلکہ اس میں ان کو شک ہو گیا۔ اور جان بوجھکر حضرتؐ پر جھوٹ نہیں باندھا۔ اب وہ حدیث بھی ان لوگوں کے پاس ہے وہ لوگ اس کی روایت اور اس پر عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود ہم نے حضرت رسولخدا صلعم سے ان حدیثوں کو سُنا تھا۔ اب اگر مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان راویوں ؔ تو ان سے وہ حدیثیں کبھی قبول نہ کریں بلکہ وہ حدیث بیان کرنے والے بھی اگر جان جائیں کہ انھوں نے غلط سمجھا یا یاد رکھا ہے یا ان حدیثوں کے بارے میں اور کوئی غلطی ہوگئی ہے تو وہ بھی ان حدیثوں کو چھوڑ دیں۔ اور تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت رسولخدا صلعم سے پہلے کوئی حدیث سُنی جس میں حضرتؐ

ؔ سے ان حدیثوں میں غلطی ہوگئی

فَکَلَامُہُ خَاصٌّ وَ کَلَامُہُ عَامٌّ فَیَسْمَعُہُ مَنْ لَا یَعْرِفُ مَا عَنَی اللّٰہُ سُبْحَانَہُ بِہٖ وَلَا مَا عَنٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ فَیَحْمِلُہُ السَّامِعُ وَ یُوَجِّھُہُ عَلٰی غَیْرِ مَعْرِفَۃٍ بِمَعْنَاہُ وَ مَا قُصِدَ بِہٖ وَ مَا خَرَجَ مِنْ اَجْلِہٖ وَ لَیْسَ کُلُّ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ مَنْ کَانَ یَسْأَلُہُ وَ یَسْتَفْھِمُہُ حَتّٰی اَنْ کَانُوْا لَیُحِبُّوْنَ اَنْ یَّجِیْئَ الْاَعْرَابِیُّ وَ الطَّارِیُٔ فَیَسْأَلَہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَتّٰی یَسْمَعُوْا وَ کَانَ لَا یَمُرُّ بِیْ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئٌ اِلَّا سَأَلْتُہُ عَنْہُ وَ حَفِظْتُہُ۔ ھٰذِہٖ وُجُوْہُ مَا عَلَیْہِ

نے کسی بات کا حکم دیا تھا۔ لیکن پھر حضرتؐ نے اس بات سے منع فرما دیا مگر ان لوگوں نے حضرتؐ کے منع کو نہیں جانا یا حضرتؐ سے سنا کہ کسی بات سے منع فرماتے ہیں۔ پھر حضرتؐ نے اس کا حکم دے دیا مگر ان لوگوں نے حضرتؐ کی اجازت کی خبر نہیں سُنی تو منسوخ بات ان کے ذہن میں رہ گئی اور ناسخ کا انھیں علم ہی نہیں ہوا۔ اب اگر ان کو خبر ہو جاتی کہ جس حدیث کو انھوں نے یاد کیا ہے وہ منسوخ ہو چکی ہے تو خود ہی اس کو چھوڑ دیتے۔ اور جن مسلمانوں نے اُن راویوں سے اس حدیث کو سُنا انھیں معلوم ہو جاتا کہ حضرتؐ اس کو منسوخ فرما چکے ہیں تو وہ لوگ بھی اس حدیث کو ترک کر دیتے۔ اب صرف چوتھی قسم کے راویان حدیث رہ گئے جنھوں نے کبھی خدا یا رسولؐ پر جھوٹ نہیں باندھا نہ ان حضرات کی طرف کسی غلط حدیث کی نسبت دی بلکہ اللہ کے خوف اور رسول اللہؐ کی تعظیم کے خیال سے وہ جھوٹ کے شدید دشمن رہے۔ اور انھوں نے حدیث کے یاد رکھنے میں غلطی بھی نہیں کی۔ بلکہ جس طرح آنحضرت صلعم سے جو سُنا اسی طرح اسکو یاد رکھا۔ اور اُسی طرح اس کو بیان کیا جس طرح حضرت رسول خدا صلعم سے سُنا تھا۔ اس میں نہ ذرہ برابر بڑھایا نہ تل برابر اس سے کم کیا۔ انھوں نے ناسخ کو یاد رکھا اور اس پر عمل کیا اور منسوخ کو بھی محفوظ رکھا اور اس سے علحدہ رہے۔ خاص و عام و محکم و متشابہ کو بھی پہچانا اور ہر حدیث کو اسکی اصلی جگہ پر رکھا کسی میں کوئی تغیر نہیں کیا۔ اور حضرت رسول خدا صلعم سے جو کلام ہوتا اُسکی دو صورتیں ہوتیں۔ ایک کلام خاص ہوتا دوسرا کلام عام۔ اب اس کلام کو ایسے لوگ بھی سُنتے جو یہ نہیں سمجھ سکتے کہ اس سے خدا یا رسول اللہؐ کا کیا مقصود ہے اس سبب سے

وہ لوگ۔ اُس کلام کا وہ مطلب خیال کرتے جو خدا اور رسولؐ کا مقصود نہ ہوتا اور اصحاب رسول اللہؐ سے سب لوگ اس قابل بھی نہ تھے کہ حضرتؐ سے کوئی بات پوچھتے یا کسی امر کو دریافت کرتے بلکہ اس تمنا میں رہتے تھے کہ کوئی اعرابی یا نووارد آجائے اور حضرتؐ سے کوئی بات پوچھے تو وہ لوگ بھی سُن لیں۔ مگر میری حالت یہ تھی کہ جو بات پیش آتی اسکے متعلق حضرتؐ سے ضرور دریافت کرلیتا اور اُسی طرح یاد رکھتا۔ غرض حضرتؐ کی حدیثوں کے متعلق جو اس قدر اختلافات ہیں اُن کے اسباب و علل یہی ہیں جو میں نے بیان کئے۔	النّاس فی اختلافھم وعللھم فی روایاتھم (نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۴۴۹)

حضرتؐ کے اس کلام مبارک سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے (۱) حضرت امیرالمومنینؑ کے زمانہ ہی میں احادیث میں اس کثرت سے اختلافات و تغیرات پیدا ہوگئے تھے کہ لوگوں کو حضرتؑ سے اسکی وجہ دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی (۲) حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ ہی میں صحابہ نے جھوٹی حدیثیں بیان کرنی اور حضرتؐ پر کذب و افترا کا پل باندھنا شروع کردیا تھا جس پر مجبور ہوکر آنحضرتؐ نے لوگوں کو جمع کیا اور ان کے حلقہ میں کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں صاف صاف فرمایا کہ جو شخص میری طرف جھوٹی حدیث کی نسبت دے گا وہ جہنم میں جائیگا لہ (۳) چار قسم کے لوگوں نے آنحضرتؐ کی حدیثیں لوگوں سے بیان کیں اُن میں اول نمبر پر وہ صحابہ تھے جو ظاہر میں مسلمان اور دل سے منافق تھے وہ اپنے مصنوعی اسلام اور زبانی ایمان سے لوگوں کو دھوکا فریب دیتے رہتے تھے اور آنحضرتؐ کے بعد بھی باقی رہے تو ہر طرف جھوٹی اور وضعی حدیثوں کے جال پھیلا دیئے (۴) حضرت رسولخدا صلعم کے بعد جو صاحب اقتدار حضرات ہوئے اُن کے پاس یہ منافقین پہونچے اور ان جھوٹی حدیثوں اور افترا و بہتان کی روایتوں سے ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اُن کو بڑے بڑے انعام دیئے گئے اور چونکہ اُن لوگوں کے قبضہ میں دنیا تھی اس سبب

لہ جلیل القدر عالم مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی لکھتے ہیں:۔
"من کذب علیّ متعمّداً فلیتبوأ مقعدہ من النّار۔ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ لگائے وہ دوزخ میں جو اُس کا ٹھکانا ہے اُس میں اُترے۔ اس حدیث کو بہت علماء نے متواتر کہا ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۲ صفحہ ۲)

انھوں نے ان منافقین کو مختلف مقامات کی حکومتیں بھی دے دیں۔ اور مسلمانوں پر انکو امیر بھی مقرر کردیا۔ اس کا نتیجہ واضح ہے کہ جب ہر طرف جھوٹی حدیث اور وضعی روایتیں گڑھنے والے منافقین ہی کی حکومت قائم ہوگئی تو ان شہروں قصبوں اور دیہاتوں کے باشندے بھی صرف جھوٹی اور وضعی ہی حدیثیں سنتے تھے کیونکہ ان کے حاکم وہی منافقین تھے جو آنحضرت پر جھوٹ وافترار کرتے اور اسی کے صلہ میں حکومت پر فائز ہوئے تھے۔

(۵) دوسری قسم کے وہ لوگ تھے جنھوں نے آنحضرتؐ کی اصلی حدیث بھلادی اور غلط حدیث لوگوں میں پھیلادی (۶) تیسری قسم کے وہ لوگ تھے جنھوں نے صرف منسوخ کو سُنا اور ناسخ کو نہیں سُنا۔ اس وجہ سے لوگوں میں وہ بات پھیل گئی جسکو حضرتؐ ہی نے اپنے زمانہ میں منسوخ کردیا تھا۔ اور مسلمانوں کو اس کے منسوخ ہوجانے کی خبر ہی نہیں ہوسکی (۷) صرف ایک (چوتھی) قسم کے لوگ ایسے رہے جنھوں نے صحیح حدیث لوگوں تک پہونچائی اُنکی قلت واضح ہے۔

(۵) مذکور بالا کلام کی شرح میں علامہ جلیل القدر ابن الحدید معتزلی نے لکھا ہے:۔

ان هذا التقسيم صحيح وقد كان في ايام الرسولؐ منافقون وبقوا بعده وليس يمكن ان يقال ان النفاق مات بموته ... وصار المتولي للامر بعده يحمل الناس كلهم على كاهل المجاملة ويعاملهم بالظاهر ... ولسكوت الخلفاء

حضرت امیر المومنینؑ کی یہ تقسیم بالکل صحیح ہے کیونکہ حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں حضرتؐ کے صحابہ سے بہت لوگ منافقین تھے جو حضرتؐ کے بعد بھی باقی رہے اور یہ کہنا غیر ممکن ہے کہ حضرتؐ کے انتقال پر نفاق کی موت بھی آگئی (بلکہ نفاق تو اسی طرح قائم اور منافقین زندہ رہے) ... اور آنحضرتؐ کے بعد جو صاحب مسلمانوں کے حاکم بنے وہ سب لوگوں کو رواداری نرمی اور ملایمت کے دوش پر چڑھاتے اور انکے ظاہری اسلام کے مطابق ان سے برتاؤ کرتے رہے... اور چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد حضرتؐ کے خلفار نے ان منافقین سے چشم پوشی اختیار کی اس وجہ سے ان کا چرچہ بھی غائب ہوگیا... اس کے بعد ان لوگوں پر شہروں کی فتوحات اور مال ومتاع کی بھرمار کا دروازہ کھل گیا تو وہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے جو حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں کرتے تھے باز رہے اور انھیں دنیوی چمک دمک میں پھنس گئے۔ اور ان منافقین کو خلفاء نے سرداروں اور حاکموں کے ساتھ روم و عجم کے شہروں کی طرف روانہ کیا تو

عنهم بعده وخلافهم ... ثم فتحت عليهم البلاد وكثرت الغنائم فاشتغلوا بها عن الحركات التي كانوا يعتمدونها ايام رسول اللهؐ وبعثهم الخلفاء مع الامراء الى بلاد فارس والروم فالهتهم الدنيا عن الامور التي كانت تنقم منهم في حياة رسول اللهؐ ... وبالجملة لما تركوا تركوا وحيث سكت عنهم سكتوا عن الاسلام واهله الا في دسيسة خفية يعلونها الكذب الذي اشار اليه امير المؤمنين عليه السلام فانه خالط الحديث كذب كثير صدر عن قوم غير صحيحي العقيدةؐ قصدوا به الاضلال

دنیا (پرستی) نے ان لوگوں کا منہ ان شرارتوں کی طرف سے جو یہ حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی میں کرتے رہتے تھے (دوسرے امور کی طرف) موڑ دیا... مختصر یہ کہ جب یہ لوگ اپنے حال پر چھوڑ دیئے گئے تو انھوں نے بھی اپنا نفاق ظاہر کرنا موقوف کردیا۔ اور جب ان کی طرف سے خاموشی اختیار کرلی گئی تو انھوں نے بھی اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے سکوت کرلیا۔ البتہ ان لوگوں کے بعض مخفی مکروفریب کی ریشہ دوانیاں باقی رہیں جن پر یہ برابر عمل کرتے رہے جیسے وضعی حدیثوں کی ایجاد اور غلط یا جھوٹی روایتوں کی اشاعت جس کی طرف حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے اشارہ فرمایا ہے کیونکہ حضرت رسولخدا صلعم کی حدیثوں میں بکثرت کذب و افترا کی آمیزش ہوگئی جو ایسے لوگوں کی طرف سے گڑھی گئیں جو درست عقیدہ کے نہیں تھے اور ان حدیثوں سے اُن منافقین کا مقصود لوگوں کو گمراہ اور ان کے دلوں اور عقیدوں کو بگاڑنا تھا اور بعض لوگوں کی غرض ان جعلی حدیثوں سے یہ تھی کہ کسی جماعت کی عزت زیادہ اور شان بلند کردیں تاکہ ان کی اس خوشامد کے ذریعہ سے ان (حدیث گڑھنے والوں) کا مطلب پورا ہو جائے اور ان کے دنیوی کام بن جائیں۔ اور لوگوں نے بیان کیا ہے کہ خاص کر معویہ کے زمانہ میں اس عنوان کی جعلی حدیثیں بہت کثرت سے گڑھ لی گئیں۔ اور جو محدثین علم حدیث میں ماہر تھے وہ ان باتوں کی طرف سے خاموش نہیں رہے بلکہ انھوں نے اکثر ایسی وضعی حدیثوں کو ذکر کر دیا اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ یہ سب بنائی ہوئی ہیں اور ان کے روایت کرنے والے لائق اعتبار و قابل وثوق نہیں ہیں مگر یہ بات بھی ہے کہ محدثین صرف ان لوگوں ہی پر اعتراض کر سکے ہیں جو صحابہ کے بعد ہوئے کہ ان کی وضعی حدیثوں کو

بیان کرکے کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے بہت برا کیا جو ایسی حدیثیں وضع کیں) لیکن صحابہ (سے جن لوگوں نے یہ حرکتیں کیں کہ جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر سب لوگوں میں پھیلادی ہیں ان) کے بارے میں کسی کو بولنے کی جرءت نہیں ہوتی کیونکہ "صحابی" ایسا لفظ ہے جو کسی محدث کو ان کے متعلق زبان تک کھولنے نہیں دیتا[ؔ۵]... اب اگر تم پوچھو کہ وہ پیشوایان ضلالت کون ہیں جن کا ذکر یہاں کیا گیا

ؔ۵ حالانکہ صحابہ کے متعلق بھی مذمت کی اتنی حدیثیں معتبر کتابوں میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو جو لوگ آنے والے تھے ان سے بھی زیادہ صحابہ آنحضرت صلعم کی نظروں میں گرے تھے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم مسلمانوں کی شفاعت کریں گے مگر صحابہ سے کچھ ایسے لوگ بھی ہونگے کہ آنحضرت کا شفاعت کرنا کیسا حضرت اُن کا منہ تک نہیں دیکھیں گے اور نہ اپنا منہ اُن کو دکھائیں گے۔ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا " ان من اصحابی من لا اراہ ولا یرانی بعد ان اموت ابدا۔ میرے اصحاب میں سے بعضے ایسے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد نہ میں اُنکو دیکھوں گا نہ وہ مجھ کو دیکھیں گے۔ یہ حدیث سُن کر حضرت عمر دوڑتے ہوئے بی بی ام سلمہ پاس آئے اور کہنے لگے تم کو خدا کی قسم کیا میں بھی ان اصحاب میں سے ہوں؟ اُنھوں نے کہا نہیں۔ اور اب تمہارے بعد میں کسی کو ایسا نہ کہوں گی۔ اس کی برارت بیان نہ کرونگی کیونکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اُن میں سے ہے یا نہیں" (انوار اللغۃ مطبوعہ بنگلور پارہ ۱۴ صؔ۱۸) اسی طرح حدیث حوض سے ان لوگوں کا مرتد ہونا بھی ثابت ہوتا ہے ۱۲۔

وتخبیط القلوب والعقائد وقصد بہ بعضھم التنویہ بذکر قوم کان لھم فی التنویہ بذکرھم غرض دنیوی۔ وقد قیل انہ افتعل فی ایام معاویۃ خاصۃ حدیث کثیر علی ھذا الوجہ ولم یسکت المحدثون الراسخون فی علم الحدیث من ھذا بل ذکروا کثیرا من ھذہ الاحادیث الموضوعۃ و بینوا وضعھا وان رواتھا غیر موثوق بھم الا ان المحدثین انما یطعنون فیما دون طبقۃ الصحابۃ ولا یتجاسرون فی الطعن علی احد من الصحابۃ لان علیہ لفظ الصحبۃ ... فان قلت من ھم ائمۃ الضلالۃ الذین

يتقرب اليهم المنافقون الذين
رأوا رسول الله صلى الله عليه وآله
وصدبوه للزور والبهتان وهل هذا
الا تصريح بما تنكره الامامية و
تعتقده قلت ليس الامر كما ظننت
وظنوا وانما يعني معوية وعمرو بن
العاص ومن شايعهما على الضلال
... وقد روي ان اباجعفر محمد
بن علي الباقر عليه السلام قال
لبعض اصحابه يا فلان ما لقينا
من ظلم قريش ايانا وتظاهرهم
علينا وما لقي شيعتنا ومحبونا من
الناس ان رسول الله قبض وقد
اخبر انا اولى الناس بالناس فتمالأت
علينا قريش حتى اخرجت الامر
عن معدنه واحتجت الانصار بحقنا
وحجتنا ثم تداولتها قريش واحد
بعد واحد حتى رجعت الينا فنكثت
بيعتنا ونصبت الحرب لنا ولم
يزل صاحب الامر في صعود كؤد
حتى قتل فبويع الحسن ابنه وعوهد
ثم غدر به واسلم ووثب عليه
اهل العراق حتى طعن بخنجر في جنبه
ونهبت عسكره وعولجت خلاخيل

جو داعیان جہنم بھی ہیں اور جن کے دربار میں پہونچ کر وہ منافقین جنھوں نے حضرت رسولخدا صلعم کو دیکھا اور حضرتؐ کے صحابی ہونے کا شرف حاصل کیا تھا افترا و بہتان کا انبار لگا کر مقرب بارگاہ ہوگئے ۔ اور کیا حضرت امیرالمومنینؑ کا یہ کلام شیعوں کے (اس) اعتقاد و قول کی صریح تصدیق نہیں ہے (جو وہ خلفاء ثلثہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہی ائمہ ضلالت تھے) تو میں کہوں گا کہ جو تم نے گمان کیا اور جو شیعہ کہتے ہیں وہ بات نہیں ہے بلکہ حضرت امیرالمومنین کا مقصود ان ائمہ ضلالت سے معویہ و عمرو عاص اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی میں ان لوگوں کی پیروی کی؎ ....اور علماء و محدثین

؎ لیکن علامہ موصوف کا یہ جواب عربی قاعدہ اور اور سیاق کلام کی حیثیت سے درست نہیں ہوسکتا اس لئے کہ "ائمہ ضلالۃ" صیغہ جمع ہے جس کے لئے کم از کم تین صاحبوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور معویہ کا ایک ہونا واضح ہے۔ رہا عمرو عاص تو وہ معویہ کا ماتحت تھا وہ ائمہ ضلالت میں کیونکر داخل ہوسکتا ہے اور اُس کا یا ان دونوں کی پیروی کرنے والوں کا دربار کہاں تھا جہاں وہ منافقین متقرب بارگاہ ہوئے اور حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ وہ منافقین باقی رہے اور حضرت رسولخدا صلعم کے بعد جو ائمہ ضلالت متمکن ہوئے ان کے دربار میں مقرب بارگاہ ہوئے ۱۲

امهات اولاده فوادع معاوية وحقن
دمه ودماء اهل بيته وهم قليل
حق قليل ثم بايع الحسين عليه السلام
من اهل العراق عشرون الفا ثم
غدروا به وخرجوا عليه وبيعته في
اعناقهم وقتلوه ثم لم نزل
اهل البيت نستذل ونستضام
ونقصى ونمتهن ونحرم ونقتل ونخاف
ولا نأمن على دمائنا ودماء اولياءنا
ووجد الكاذبون الجاحدون لكذبهم
وجحودهم موضعا يتقربون به الى
اوليائهم وقضاة السوء وعمال السوء
في كل بلدة فحدثوهم بالاحاديث الموضوعة
المكذوبة ورووا عنا ما لم نقله وما لم
نفعله ليبغضونا الى الناس وكان
عظم ذلك وكبره زمن معوية بعد
موت الحسن عليه السلام فقتلت
شيعتنا بكل بلدة وقطعت الايدي
والارجل على الظنة وكان من
يذكر بحبنا والانقطاع الينا سجن او نهب
ماله او هدمت داره ثم لم يزل
البلاء يشتد ويزداد الى زمان عبيد الله
بن زياد قاتل الحسين عليه السلام
ثم جاء الحجاج فقتلهم كل قتلة واخذهم

نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
اپنے بعض اصحاب سے فرماتے تھے اے بھائی
قریش نے ہم لوگوں پر جو ظلم کیا اور ہم لوگوں
کے خلاف ایکا کرکے جس طرح ان لوگوں نے ہمیں
ستایا اور ہمارے شیعوں اور دوستوں پر ان لوگوں
نے جو جو مظالم کئے (اسکی داستان بہت طویل ہے)
حضرت رسولخدا صلعم نے انتقال سے پہلے فرمادیا
تھا کہ مسلمانوں کی حکومت کا حق سب سے زیادہ
ہم لوگوں کا ہے مگر قریش ہم لوگوں کے خلاف
ایک ہوگئے اور انھوں نے اس حکومت کو اسکی
اصلی جگہ سے نکال لیا حالانکہ انصار نے بھی ہم
لوگوں کے حق اور حجت پر ان سے بحث کی (مگر سب
بیکار) ۔ پھر قریش یکے بعد دیگرے اس خلافة
کو اپنے ہی میں گھیرے رہے یہاں تک کہ (چوتھی
مرتبہ) یہ ہم لوگوں کی طرف پلٹی (حضرت امیر المومنینؑ
ظاہری خلیفہ ہوئے) مگر فوراً ہی حضرتؑ کی بیعت
توڑ اور ہم لوگوں کے خلاف جنگ (جمل وصفین)
چھیڑ دی گئی ۔ غرض ہم میں کے ظاہری خلیفہ (حضرت
امیر المومنینؑ) برابر رنج ومصیبت ہی کی حکومت
میں بتلا رہے یہاں تک کہ درجہ شہادت پر
فائز ہوئے ۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند امام حسنؑ
کی بیعت کی گئی اور حضرتؑ سے معاہدہ بھی کیا گیا
مگر پھر حضرتؑ کے ساتھ بھی غداری برتی گئی حضرتؑ
سے منہ موڑ لیا گیا اور عراق والوں نے تو حضرتؑ پر

لکل ظنة و تهمة حتی ان الرجل یقال له زندیق او کافر احب الیه من ان یقال شیعة علی وحتی صار الرجل الذی یذکر بالخیر و لعله یکون ورعا صادقا یحدث باحادیث عظیمة عجیبة من تفضیل بعض من قد سلف من الولاة ـ ولم یخلق الله تعالیٰ شیئاً منها ولا کانت ولا وقعت وهو یحسب انها حق لکثرة من قد رواها ممن لم یعرف بکذب ولا بقلة ورع (شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن الحدید مطبوعہ مصر جلد ۳ ص۱۵)

حملہ بھی کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرتؑ کے پہلو میں خنجر مار کر حضرتؑ کو زخمی کر دیا۔ حضرتؑ کا لشکر لوٹ لیا گیا اور حضرتؑ کی عورتوں کے زیور چھین لے گئے جس کے بعد حضرتؑ نے معویہ سے صلح کر لی اور اس طرح اپنا اور اپنے اہلبیت کا خون بچا لیا۔ حالانکہ یہ لوگ کم بہت ہی کم تھے ۔ پھر عراق والوں سے بیس ہزار آدمیوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیعت کی مگر فوراً ہی حضرتؑ کے ساتھ بھی غداری کی حضرتؑ کی بیعت اپنی گردن میں رکھنے کے بعد وہی لوگ حضرتؑ سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے اور حضرت کو قتل کر ڈالا ۔ پھر تو ہم اہلبیتؑ برابر ذلیل مظلوم ۔ آوارہ وطن حقیر ۔ اپنے حقوق سے محروم ۔ اور قتل کئے جاتے رہے ۔ ہم لوگوں کی زندگی خوف و بیم میں بسر ہوتی رہی اور ہمیں نہ اپنے ہی خون محفوظ رہنے کا اطمینان تھا نہ اپنے دوستوں ہی کے خون کا ۔ اور جھوٹے لوگ جو ہمارے فضائل سے انکار ہی کرتے رہنے پر تلے ہوئے تھے اپنے جھوٹ اور انکار کے ذریعہ سے ہر شہر میں اپنے والیوں برے قاضیوں اور ظالم حاکموں کے پاس تقرب کی جگہ پاتے رہے جہاں ان کی خوب آؤ بھگت ہوتی اور وہ مقرب بارگاہ بنا لئے جاتے تھے ۔ پس یہ لوگ ان حاکموں سے جھوٹی اور گڑھی ہوئی حدیثیں بیان کرتے اور ہم سے وہ حدیثیں روایت کرتے جو ہم نے کبھی بھی نہیں کہی تھیں اور ہماری طرف ان باتوں کی نسبت دیتے جو ہم نے کی ہی نہیں تھیں تاکہ یہ لوگ ہمیں مسلمانوں کی نظر میں قابل نفرت بنا دیں ۔ یہ مصیبت سب سے زیادہ معویہ کے زمانہ میں حضرت امام حسن علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی کہ اس زمانہ میں ہمارے شیعہ ہر شہر میں قتل کئے گئے اور صرف شبہ پر ہمارے دوستوں کے ہاتھ پاؤں تک کاٹ دیئے جاتے ۔ اور جس شخص کو کوئی کہ دیتا کہ وہ ہمیں دوست رکھتا ہے یا ہمارے لگاؤ کا ہے وہ فوراً قید کر لیا جاتا تا وقتیکہ اس کا کل مال لوٹ

لیا جاتا اور اُس کا مکان ڈھا دیا جاتا۔ غرض یہ آفت و مصیبت حضرت امام حسین علیہ السّلام کے قاتل ابن زیاد کے زمانہ تک ترقی ہی کرتی رہی۔ پھر حجاج کا دور شروع ہوا اُس نے تو ان لوگوں کو اور زیادہ بے دردی سے قتل کرنا اور بات بات پر تباہ کرنا شروع کیا یہاں تک نوبت پہونچ گئی کہ کوئی شخص کافر اور زندیق ہوتا تو اُس کو اس سے بھی اتنی دشمنی نہ ہوتی جس قدر حضرت علیؑ کے شیعوں سے عداوت ہوتی تھی۔ حد ہو گئی کہ کبھی کوئی شخص جو بھلائی سے یاد کیا جاتا اور غالباً متقی سچا ہوتا سابق حاکموں کی فضیلت میں ایسی عجیب و غریب حدیثیں بیان کرتا جن سے ایک بھی سچی نہیں ہوتی اور وہ گمان کرتا کہ وہ حدیثیں سچی ہیں کیونکہ ان حدیثوں کو اس کثرت سے اور ایسے راوی بیان کرتے جو نہ جھوٹے سمجھے جاتے اور نہ ہلکے درجہ کے متقی (انتہیٰ)

غلط حدیثوں کے متعلق حضرت رسولخداؐ کا ارشاد

جو حدیثیں آنحضرت صلعم نے ارشاد نہیں فرمائیں ان صحابہ نے جھوٹ مشہور کر دیا کہ آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ہے ان کی وجہ سے آنحضرت صلعم بھی بہت پریشان رہتے تھے۔ امام بخاری نے ایک باب ہی اس مضمون کا قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	حضرت رسولخدا صلعم کی طرف جھوٹی حدیثوں کی نسبت دینے کے گناہ کا باب

اس ذیل میں حسب ذیل حدیثیں قابل توجہ ہیں۔

قَالَ النَّبِيُّ لَا تَكْذِبُوْا عَلَيَّ فَاِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ	حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اے صحابہ! تم لوگ میرے اوپر جھوٹ نہ باندھا کرو کیونکہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ دوزخ میں داخل ہوگا

اس میں حضرتؐ صاف صاف اس زمانہ کے مسلمانوں کو جو حضرتؐ کے جلیل القدر صحابہ تھے جھوٹی حدیثیں بیان کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

قلت للزبیر انی لا اسمعک تحدث عن رسول اللّٰہ کما یحدث فلان وفلان قال اما انی لم افارقہ	ایک راوی نے زبیر سے پوچھا کہ جس طرح فلاں اور فلاں حدیثیں بیان کرتے ہیں تم بھی حضرت رسولخداؐ کی حدیثیں کیوں بیان نہیں کرتے؟ انھوں نے کہا سنو! میں حضرتؐ سے کبھی جدا نہیں ہوا لیکن حضرتؐ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ

ولکن سمعتہ یقول مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ	جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے (میری طرف غلط حدیث کی نسبت دے) وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

اس حدیث میں متعمدا کی شرط نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں اتنی احتیاط کرنی چاہیے کہ بغیر قصد بھی حضرتؐ کی طرف غلط حدیث نہ منسوب ہو جائے۔ اسکے بعد متعمدا والی حدیث یہ ہے۔

قال انس انہ لیمنعنی ان احدثکم حدیثا کثیرا ان النبیؐ قال من تعمد علیّ کذبا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔	انس صحابی بیان کرتے تھے کہ میں تم لوگوں سے حضرت رسولخداؐ کی حدیث زیادہ اس وجہ سے نہیں بیان کرتا کہ حضرتؐ نے فرمایا ہے جو شخص میری طرف جھوٹی حدیث کی نسبت دے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں قرار دے

اسی معنی میں یہ حدیث بھی ہے۔

عن سلمۃ قال سمعت النبیؐ یقول مَنْ یَقُلْ عَلَیَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ	سلمہ بیان کرتے تھے کہ میں نے سُنا حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے جو شخص میرے متعلق ایسی بات بیان کرے جو میں نے نہیں کہی ہے اُسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں قرار دے۔

یہ حدیثیں صحیح بخاری کتاب العلم پارہ اول مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳ سے نقل کی گئی ہیں۔

حضرتؐ ہی کی یہ تاکید بھی ہے۔

قال رسول اللہ یَکُوْنُ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ یَاْتُوْنَکُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُکُمْ فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ (مشکوۃ باب الاعتصام جلد ا صفحہ ۱۵)	حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایسے فریب دینے والے جھوٹے لوگ ہونگے جو تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جو نہ تم نے سُنی ہونگی اور نہ تمہارے بزرگوں نے پس تم ان سے خوب بچنا اور اُن کو اپنے سے بچانا۔ دیکھو وہ لوگ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور تم کو فتنہ میں نہ ڈالدیں۔

اس حدیث پر یہ حاشیہ بھی مرقوم ہے "مقصود یہ ہے کہ احتیاط کرو دین کے لینے میں اور پرہیز کرو صحبت بدعتیوں کی سے اور خلط کرنے سے ساتھ اُن کے خصوصاً اُن سے کہ دعوے جھوٹا رکھیں ؎

چوں بسا ابلیس آدم روئے ہست ؞ پس بہر دستے نباید داد دست" (مشکوۃ جلد ا صفحہ ۱۵)

یہ حدیث بھی اُسی زمانہ سے متعلق ہے جو آنحضرت صلعم کے بعد ہی شروع ہوگیا تھا۔ اور دجّالوں کذابوں سے وہی لوگ مراد ہیں جو آنحضرت صلعم کے بعد ہی شروع ہوگئے یعنی دجالوں کذابوں سے وہی لوگ مراد ہیں جو آنحضرت صلعم کے بعد ہی حدیثیں گڑھ گڑھ کر خلفاء کے درباروں میں تقرب پیدا کر لیتے تھے۔ آخر زمانہ کے لوگ اس سے مقصود نہیں ہوسکتے اس لئے کہ آنحضرت صلعم صحابہ سے فرماتے ہیں کہ وہ دجالون کذابون تم لوگوں کے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جو تم نے نہیں سنی ہونگی اگر اس سے مراد واقعی آخر زمانہ یا قیامت کے قریب زمانہ کے لوگ ہوتے تو حضرتؐ یہ نہ فرماتے کہ وہ لوگ تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے کیونکہ صحابہ اُس وقت کہاں رہیں گے کہ واضعین حدیث وہ حدیث ان کے پاس لائیں گے؟ اسکے بعد آنحضرت صلعم کا اُن صحابہ مخاطبین کو تاکید کرنا کہ "تم ان سے خوب بچنا اور اُن کو اپنے سے خوب بچانا۔ دیکھو وہ لوگ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں" بھی ثابت کرتا ہے کہ یہ حدیث ان وضاعوں کے متعلق ہے جنھوں نے آنحضرت صلعم کے آنکھ بند کرتے ہی غلط حدیثیں بنانا شروع کردی تھیں۔ اسی سبب سے حضرتؐ یہ بھی فرماتے تھے۔

اِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ (مشکوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۴)	تم لوگ نئی نئی (گڑھی ہوئی) باتوں سے بچو کیونکہ جو نئی بات ہے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں صحابہ آنحضرتؐ سے سوال کرتے تھے کہ ہم دوسروں کی اچھی باتیں لکھ لیں (تاکہ ان پر عمل کریں یا ان سے فائدہ حاصل کیا کریں) تو حضرتؐ اُس سے بھی منع فرماتے تھے اور اپنے بڑے سے بڑے صحابی کو بھی ان کی اس تمنا اور کوشش پر ڈانٹ دیتے تھے۔ مثلاً

عن جابر عن النبیؐ حین اتاہ عمر فقال انا نسمع احادیث من یھود تعجبنا افترٰی ان نکتب بعضھا۔ فقال امتھوکون انتم	جناب جابر حضرت رسولخدا صلعم سے روایت کرتے تھے کہ جب آنحضرت صلعم کے پاس حضرت عمر آئے اور کہا یا حضرتؐ ہم لوگ یہودیوں سے حدیثیں سنتے ہیں تو وہ ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے ہم لوگ ان کی حدیثوں کو لکھ لیں؟ حضرتؐ نے فرمایا کیا تم بھی ویسے ہی حیران ہو جیسے یہود و نصاریٰ حیران ہیں

کما تھوکت الیھود والنصاریٰ لقد جئتکم بھا بیضاء نقیۃ ولو کان موسیٰ حیاما وسعہ الا اتباعی (مشکوٰۃ جلد ۱ صلہ)	میں تو تم لوگوں کے پاس صاف اور روشن شریعت لایا ہوں اگر حضرت موسےٰ زندہ ہوتے تو انکو بھی میری ہی پیروی کرنی پڑتی۔

اس پر یہ حاشیہ بھی مرقوم ہے "یعنی کیا متحیر ہو دین اسلام میں اس کو ناقص جانتے ہو کہ محتاج اور دین کے ہو"[له]

وعن جابر ان عمر بن الخطاب اتی رسول اللہ صلعم بنسخۃ من التوراۃ فقال یا رسول اللہ ھذہ نسخۃ من التوراۃ۔ فسکت۔ فجعل یقرءو وجہ رسول اللہ یتغیر۔ فقال ابو بکر ثکلتک الثواکل ما تری ما بوجہ رسول اللہ صلعم فنظر عمر الی وجہ	جناب جابر بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب توراۃ کا ایک نسخہ حضرت رسولخدا کے پاس لاکر کہنے لگے اے رسولخدا یہ توراۃ کا ایک نسخہ ہے۔ اس پر حضرت خاموش رہے مگر حضرت عمر نے اس کو پڑھنا بھی شروع کر دیا تو حضرت رسولخدا صلعم کا چہرۂ مبارک مارے غصہ کے متغیر ہونے لگا۔ حضرت ابو بکر نے ان سے کہا گم کرنے والی عورتیں تم کو گم کریں حضرت رسولخدا صلعم کا چہرہ تم نہیں دیکھتے؟ اس پر حضرت عمر نے آنحضرت کے چہرے کی طرف نظر کی تو کہنے لگے

له جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی لکھتے ہیں " امتھوکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاریٰ۔ تم بے پروا ہو کر ہلاکت میں جا پڑنے والے ہو جیسے یہود اور نصاریٰ پڑ گئے۔ یا تم حیرت میں گرفتار ہو جانے والے ہو جیسے یہود اور نصاریٰ اپنے دینی اعتقادات میں حیرت اور پریشانی میں گرفتار ہو گئے۔ یہ آنحضرت نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جب وہ اہل کتاب کا ایک صحیفہ لاکر اُس کو پڑھ رہے تھے ان عمر اتاہ بصحیفۃ اخذھا من بعض اھل الکتاب فغضب وقال امتھوکون فیھا یا بن الخطاب حضرت عمرؓ ایک صحیفہ اہل کتاب سے لیکر آئے۔ اُس کو آنحضرتؐ کے سامنے پڑھ رہے تھے۔ آپ کو غصہ آگیا۔ فرمانے لگے خطاب کے بیٹے کیا تم حیرت میں پڑا چاہتے ہو یا بے پروائی سے اُس میں گرنا چاہتے ہو۔ دیکھو جو شریعت میں لایا ہوں وہ نورانی سفید صاف ہے۔ اب اگلی شریعتوں کی حاجت نہیں رہی۔ اُس میں بہت سی باتیں غلط لوگوں نے ملا کر تمام خبط کر دیا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اسلام کا بھی حال یہی ہو گیا ہے۔ یہود اور نصاریٰ سے زیادہ مسلمانوں نے اپنے دین کو خراب کر دیا ہے

رسول اللہ فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ - رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا۔ فقال رسول اللہ والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسے فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان موسے حیا وادرک نبوتی لاتبعنی مشکوۃ جلد ا ص۵۵)

میں اللہ اور اسکے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ میں نے خوشی سے اللہ کو رب۔ اسلام کو دین اور محمد کو نبی مان لیا۔ پھر حضرت رسو لخدا نے فرمایا قسم ہے اس معبود کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے اگر حضرت موسے اس وقت تم لوگوں پر ظاہر ہوں تو تم سب انھیں کی پیروی کرنے لگوگے اور مجھے چھوڑ دوگے اور یقیناً سیدھی راہ سے گمراہ ہو جاؤ گے حالانکہ اگر حضرت موسے زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو یقیناً وہ میری ہی پیروی کرتے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت عمر کا درجہ مسلمانوں نے بہت بڑا مانا ہے۔ وہ آنحضرت صلعم کے پاس توراۃ لاکر پڑھتے ہیں تو آنحضرت صلعم اُن سے خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ اگر حضرت موسے ظاہر ہوں تو تم مجھ کو چھوڑ دوگے اور اُن کی پیروی کرنے لگوگے پس جب آنحضرت صلعم کو حضرت عمر تک پر یہ اطمینان نہیں تھا کہ اسلام پر برابر قائم رہیں گے تو دوسرے صحابہ پر بدرجہ اولےٰ نہیں ہوگا۔ پھر جب حضرت رسو لخدا صلعم کے انتقال پر اُن صحابہ نے دیکھا کہ جھوٹی حدیثیں بناکر حکام وقت کے خوش کرنے میں دنیوی ترقی اور عزت وجاہ سب ہی کچھ ہے تو وہ کیوں اس سے باز رہتے؟ اسی وجہ سے حضرت رسو لخدا صلعم نے بار بار ان صحابہ سے فرمادیا تھا کہ مجھے تم لوگوں کی دنیا پرستی کا بڑا خوف ہے فرماتے تھے۔

وَاِنِّیْ وَ اللہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ

خدا کی قسم مجھے تمہارے متعلق یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے البتہ اس کا ڈر رہتا ہے کہ میرے

(بقیہ حاشیہ ص۶۳) ہزارہا باتیں اپنی طرف سے دین میں شریک کردی ہیں اور خالص سچے مسلمان حدیث اور قرآن پر چلنے والے بہت کم ہیں (ازالۃ اللغۃ پ ۲۷ ص۱۴۴)

عَلَيْكُمْ اِنْ تَنَافَسُوا فِيْهَا صحیح | بعد تم لوگ دنیا پر ٹوٹ پڑو گے[1]

بخاری پارہ ۵ ص ۶۹۳ کتاب الجنائز)

پس جب تک علم خدا میں یہ بات نہ تھی کہ حضرت رسول خدا صلعم کے بعد اہل اسلام کا غالب حصہ دنیا پرستی میں مبتلا ہو جائیگا اُس وقت تک خدا آنحضرت صلعم کو ان باتوں سے مطلع کیونکر کرتا۔ بس اسی دنیا پرستی نے اتنی ترقی کی کہ خدا و رسول کا خوف دل سے بالکل اٹھا کر اپنے مطلب کے موافق حدیثیں بنا ڈالی گئیں اور موضوع روایات کا انبار لگا دیا گیا تاکہ جن لوگوں سے دنیوی مقاصد حاصل ہونے والے تھے وہ زیادہ خوش ہوں اور اس خدمت کا پورا حق ادا کریں۔ اور جب معمولی امور کے لئے ہزاروں غلط حدیثیں گڑھ دی گئیں تو سلاطین وقت کی تعظیم و تفضیل میں کیوں نہ خاص کوشش کی جاتی۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے متعلق بھی مذکورہ بالا اقسام کی حدیثوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور یہاں تک کوشش کی گئی ہے کہ آپ کا درجہ حضرت رسولخدا صلعم سے بھی زیادہ اونچا نظر آئے۔ حضرت کے اُن فضائل کا کیا ذکر ہے جو حضرات اہلبیت کے مقابلہ میں بنائے گئے اور ان سے بہتر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہ تو ہر وقت کا شغل اور نہایت آسان امر تھا۔ اس میں کامیابی زیادہ قابل فخر بھی نہ تھی۔

حضرت عمر کے متعلق موضوع روایتوں کے نمونے

ان حضرات کے ہاں تو یہ تک مسلّم ہے کہ اختلاف کے موقع پر خدا حضرت عمر کی رائے کو پسند کرتا اور حضرت رسولخدا صلعم کے مقابلہ میں انہیں کو ترجیح دیتا۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب ایسے

[1] مولوی وحید الزمان خانصاحب لکھتے ہیں "اخشیٰ ان تبسط الدنیا علیکم کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا۔ میں ڈرتا ہوں دنیا تم پر ایسی کشادہ ہو جیسی اگلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی۔ مال و دولت تم کو ملے جیسے اگلے لوگوں کو ملا تھا پھر تم اُس میں ایسی رغبت کرنے لگو جیسے اگلے لوگوں نے کی تھی اور اس رغبت کی وجہ سے غافل ہو جاؤ۔ اللہ کا ڈر چھوڑ دو۔ ایک دوسرے سے مال و دولت حکومت حاصل کرنے کیلئے لڑائی جھگڑا شروع کرو"۔ (انوار اللغۃ پارہ ۲۵ ص ۱۰۶)

روشن خیال۔ آزاد رائے اور تحقیق پسند مصنف تک اس امر کو ثابت کرنے کی جدّ وجہد کرتے رہے ہیں۔ مثلاً لکھتے ہیں "نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا چنانچہ سب سے پہلے آنحضرتؐ نے اس کا انتظام کرنا چاہا یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کیلئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرتؐ کی تجویز تھی۔ بہر حال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمر آنکلے اور انھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کیلئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے اسی وقت حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا (صحیح بخاری کتاب الاذان) یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے۔ حضرت عمر کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہوسکتی ہے کہ یہ شعارِ اعظم انہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔" (الفاروق ص۳۰) دیکھئے یہ عبارت بالکل سیدھی ہے مگر اس سے حضرت عمر کا درجہ جس قدر بلند کر دیا گیا وہ حقیقت بین حضرات سے مخفی نہیں رہ سکتا کہ عبادات میں سب سے افضل نماز ہے اور اس کا دیباچہ اذان ہے جس کی تجویز حضرت عمر نے کی۔ اور وہی رائے قائم ہوئی۔ حضرت عمر کے مقابلہ میں خود حضرت رسول خدا صلعم نے بوق اور ناقوس کو اسلام میں بھی رواج دینا چاہا۔ معاذ اللہ کسی مسلمان کا یہ اعتقاد ہوسکتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم جو دنیا میں اسلام لائے۔ جنھوں نے توحید کی آواز بلند کی۔ جن کو خدا نے اپنی رسالت سے مشرف کیا۔ جن کی زبان کو خدا نے وحی خدا کا راوی مقرر کیا وہ خود نماز کا اعلان کرنے کے لئے بوق اور ناقوس کی تجویز پیش کریں؟ (اس پر مفصل بحث انشاء اللہ آئندہ ہوگی)۔ جب اس زمانہ میں مولوی شبلی صاحب حضرت عمر کا درجہ بڑھانے کی یہ کوشش کریں تو سابق زمانہ کے علماء نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ مثلاً علامہ سیوطی نے لکھا ہے

قال رسول اللہؐ اتانی جبریل فقلت یا جبریل حدثنی بفضائل عمر بن الخطاب فقال لو حدثتک بفضائل عمر منذ ما لبث نوح فی قومہ ما نفدت فضائل عمر۔ حضرت رسول خداؐ صلعم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے تو میں نے کہا اے جبریل مجھ سے عمر بن الخطاب کے فضائل بیان کرو۔ انھوں نے کہا' جس مدت

تک حضرت نوح اپنی قوم میں رہے اگر اتنے زمانہ تک بھی میں عمر کے فضائل بیان کرتا رہوں تو ان کے فضائل ختم نہیں ہو سکتے (تاریخ الخلفاء ص۳۵) معلوم ہے کہ حضرت نوح اپنی قوم میں نو سو سال سے زیادہ رہے۔ پس اتنے دنوں تک جبریل کے بیان کرنے سے بھی حضرت کے فضائل بیان نہیں ہو سکتے تھے۔ حدیث ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر۔ یعنی حضرت عمر سے بہتر کوئی شخص نہیں ہوا جس پر آفتاب طالع ہوا ہو (تاریخ الخلفاء ص۱۷) اس سے حضرت عمر کا کل انبیاء و مرسلین یہانتک کہ حضرت رسول خدا صلعم سے بھی افضل ہونا ثابت ہوا کیونکہ آفتاب تو حضرت آدم کے قبل سے طلوع کر رہا ہے اور قیامت تک طلوع کرتا رہیگا۔ پھر جب وہ حضرت عمر سے بہتر کسی شخص پر طالع نہیں ہوا تو آپ کا دنیا بھر کے لوگوں سے افضل ہونا واضح ہے۔ حدیث لو لم ابعث فیکم لبعث عمر۔ اگر میں تم لوگوں میں رسول بنا کر نہ بھیجا جاتا تو یقیناً عمر تمھارے رسول مقرر کئے جاتے (ء ص۱۷)۔ اس سے آپ کا حضرت رسول خدا صلعم کے برابر ہونا ثابت ہو گیا۔ کہ بعثت کے وقت صرف حضرت رسولخدا صلعم نہیں بلکہ آپ کی طرح حضرت عمر بھی نبی مقرر ہونے کے قابل تھے اتفاق کی بات کہ حضرت رسول خدا صلعم نبی مقرر ہو گئے۔

حضرت عمر سے شیطان کا بھاگنا

اس مضمون کی حدیثیں بھی کثرت سے ہیں کہ شیطان آپ سے بھاگتا تھا۔ مثلاً قال رسول اللہ یا ابن الخطاب والذی نفسی بیدہ ما لقیک الشیطان سالکا فجا قط الا سلک فجا غیر فجک۔ حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا اے فرزند خطاب خدا کی قسم جس راہ سے تم کو جاتے ہوئے شیطان دیکھتا ہے اسکو چھوڑ کر وہ دوسرے راستے سے چلنے لگتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص۸) جس سے معلوم ہوا کہ شیطان آپ سے علحدہ رہتا۔ آپ کے قریب بھی نہیں پھٹکنے پاتا بلکہ جس راہ سے آپ چلتے اس تک سے وہ دور ہوتا۔ صحیح بخاری پارہ ۱۴ صفحہ ۳۷۳ وغیرہ میں بھی یہ حدیث مرقوم ہے اور اسکی شرح میں علامہ ابن حجر نے لکھا ہے فیہ فضیلۃ عظیمۃ لعمر تقتضی ان الشیطان لا سبیل لہ علیہ۔ اس حدیث سے حضرت عمر کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ شیطان کو ان کے پاس پہونچنے کی کوئی راہ نہیں ملتی تھی۔

(فتح الباری پارہ ۱۴ صفحہ ۳۷۳)۔ لیکن حضرت رسول خدا صلعم کے لئے یہ حدیث ہے قالت یا رسول اللہ او معی شیطان قال نعم۔ قلت ومع کل انسان قال نعم۔ قلت ومعک یا رسول اللہ قال نعم۔ حضرت عائشہ نے پوچھا اے رسولخدا کیا میرے اوپر کوئی شیطان ہے؟ فرمایا ہاں۔ پوچھا کیا ہر شخص پر شیطان رہتا ہے؟ فرمایا ہاں میں نے پوچھا آپ پر بھی شیطان رہتا ہے؟ فرمایا ہاں (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۱۵) اور امام بخاری صاحب نے تحریر فرمایا ہے عن النبیؐ انہ صلی صلوٰۃ فقال ان الشیطان عرض لی فشد علیّ لیقطع الصلوٰۃ علیّ۔ حضرت رسول خدا نے ایک دفعہ نماز پڑھنے کے بعد فرمایا کہ شیطان میرے سامنے آیا اور اس نے میری نماز قطع کر دینے کیلئے مجھ پر حملہ کیا (صحیح بخاری پارہ ۵ صفحہ ۶۳۰) حضرت عمر کے لئے تو وہ روایت ہے کہ شیطان ان کے پاس نہ دنیوی امر کے متعلق آنے پاتا ہے نہ دینی امر کے متعلق لیکن حضرت رسولخدا صلعم پر عبادت میں بھی وہ حملہ کرتا ہے!!! فاعتبروا یا اولی الابصار۔ بلکہ حضرت کی وحی میں بھی شیطان شریک ہو جاتا اور احکام رسالت میں بھی حضرت پر غلبہ پا جاتا تھا۔ قال ابن عباس فی امنیتہ اذا حدث القی الشیطان فی حدیثہ فیبطل اللہ ما یلقی الشیطان ویحکم آیاتہ۔ جناب ابن عباس بیان کرتے تھے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم کوئی حکم خدا بیان فرماتے تو شیطان اس میں اپنی بات بھی ڈال دیتا اور حضرت کی حدیث میں اپنا کلام بھی ملا دیتا تھا۔ تب خدا یہ کرتا کہ شیطان کی ملائی ہوئی باتوں کو باطل کر دیتا اور اپنی آیتوں کو محکم فرما دیتا (صحیح بخاری پارہ ۱۹ صفحہ ۲۵۶) اس کی شرح میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں قرأ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بمکۃ والنجم فلما بلغ افرأیتم اللات والعزے ومناۃ الثالثۃ الاخرے القی الشیطان علے لسانہ تلک الغرانیق العلے وان شفاعتھن لترتجی فقال المشرکون ما ذکر الھتنا بخیر قبل الیوم فسجد وسجدوا فنزلت ھذہ الآیۃ۔ حضرت رسول خدا صلعم نے مکہ معظمہ میں سورہ والنجم کی تلاوت کی۔ جب آیۃ افرأیتم اللات والعزے تک پہونچے تو شیطان نے آپ کی زبان پر جاری کر دیا کہ تلک الغرانیق العلے وان شفاعتھن لترتجی (یہ اونچے اونچے بت ہیں

اور انکی شفاعت کی امید کی جاتی ہے) اس پر مشرکین کہ خوش ہو کر کہنے لگے کہ آج کے قبل انھوں نے ہمارے بتوں کی ایسی مدح نہیں کی تھی۔ غرض حضرت سجدہ میں گئے تو کفار نے بھی حضرت کے ساتھ سجدہ کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (فتح الباری پارہ ۱۹ صفحہ ۲۵۷) مولوی شبلی صاحب اس کے متعلق لکھتے ہیں "تلک الغرانیق العلے کی حدیث کو جس میں بیان ہے کہ شیطان نے آنحضرت کی زبان سے وہ الفاظ نکلوا دیئے جن میں بتوں کی تعریف ہے بعض محدثین نے ضعیف اور ناقابل اعتبار کہا تھا۔ اسکے باطل ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بیان کی تھی لو وقع لارتد کثیر ممن اسلم ولم ینقل ذلک۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان اسلام سے پھر جاتے حالانکہ ایسا ہونا مذکور نہیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں وجمیع ذلک لا یتمشے علے القواعد فان الطرق اذا کثرت وتباینت مخارجہا دل ذلک علی ان لہا اصلا۔ یہ تمام اعتراضات اصول کے موافق چل نہیں سکتے اس لئے کہ روایت کے طریقے جب متعدد ہوتے ہیں اور ان کے ماخذ مختلف ہوتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ روایت کی کچھ اصل ہے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۵۰) پھر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں "آنحضرت نے حرم میں ایک دفعہ نماز ادا کی۔ کفار بھی موجود تھے۔ جب آپ نے یہ آیت پڑھی ومناۃ الثالثۃ الاخری تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے تلک الغرانیق العلے وان شفاعتھن لترتجی۔ یعنی یہ بت معظم ومحترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے۔ اس کے بعد آنحضرت نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپ کی متابعت کی ... بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہے۔ ان میں طبری۔ ابن ابی حاتم۔ ابن المنذر۔ ابن مردویہ۔ ابن اسحاق۔ موسیٰ بن عقبہ۔ ابومعشر شہرت عام رکھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے اس روایت کی صحت پر اصرار ہے چنانچہ لکھتے ہیں وقد ذکرنا ان ثلاثۃ اسانید منہا علی شرط الصحیح وھی مراسیل یحتج بمثلہا من یحتج بالمراسیل۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس روایت کی تین سندیں صحیح کی شرط کے موافق ہیں اور یہ روایتیں مرسل ہیں اور ان سے وہ لوگ

استدلال کر سکتے ہیں جو مرسل روایتوں کے قایل ہیں"۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۷۱) کیا یہ امر اسلام پر ماتم کرنے کے قابل نہیں ہے کہ مسلمانوں کی کتب احادیث میں ایسی حدیثیں بھری ہوئی ہیں جو بتاتی ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم پر شیطان مسلط رہتا تھا۔ جو نہ صرف دنیوی معاملات میں بلکہ دینی امور میں بھی حضرت پر حملہ کرتا رہتا تھا۔ اور نہ صرف حضرت کی ذاتی عبادت بلکہ تبلیغی خدمات میں بھی حضرت پر غالب ہو کر حضرت کی زبان سے کفر و بے دینی کی باتیں نکلوا دیا تھا۔ لیکن حضرت کے مقابلہ میں حضرت عمر کے متعلق یہ حدیثیں بھری ہیں کہ شیطان آپ کے پاس آنے تک نہ پاتا تھا۔ بلکہ اس راہ سے بھی وہ بھاگ جاتا تھا جس طرف سے جناب ممدوح کا گزر ہوتا تھا۔ ایسے عقائد سنکر غیر مسلم قومیں مسلمانوں کا کسدر مضحکہ کرتی ہونگی کہ وہ خدا کے پیغمبر اور عالم کے ہادی کو شیطان کا تابع سمجھتے اور خلیفہ دوم کو ایسا پارسا مانتے ہیں جنکی راہ سے بھی شیطان دور ہی رہتا تھا۔ صرف دور ہی نہیں رہتا بلکہ ڈرتا بھی تھا۔ عن عائشۃ ان النبیؐ قال ان الشیطان یفرق من عمر۔ و اخرج احمد من طریق بریدۃ ان النبیؐ قال ان الشیطان لیفرق منک یا عمر۔ واخرج ابن عساکر عن ابن عباس قال قال رسول اللہؐ ما فی السماء ملک الا وھو یوقر عمر ولا فی الارض شیطان الا وھو یفرق من عمر۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا شیطان عمر سے ڈرتا ہے۔ اور احمد نے بریدہؓ کے طریق سے بیان کیا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا اے عمر یقیناً تم سے شیطان ڈرتا ہے۔ اور ابن عساکر نے جناب ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا آسمان میں کوئی فرشتہ ایسا نہیں ہے جو عمر کی عزت و تعظیم نہ کرتا ہو اور نہ زمین میں کوئی ایسا شیطان ہے جو عمر سے ڈرتا نہ ہو (تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۱)

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہؐ انی لانظر الی شیاطین الجن والانس قد فروا من عمر۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا میں جن و انس کے شیطانوں کو دیکھ رہا ہوں کہ سب کے سب عمر سے بھاگ گئے ہیں (ایضاً)

نزول قرآن بر رائے عمر | صرف شیطان ہی کے معاملہ میں آپ کی فضیلت حضرت رسول خدا صلعم پر نہیں ثابت کی گئی بلکہ دوسرے امور میں بھی یہی کارروائی کی گئی ہے۔ مثلاً قال ابن عمر

وما نزل بالناس امر قط فقالوا وقال الا نزل القرآن علی نحو ما قال۔ حضرت ابن عمر بیان کرتے تھے کہ جب لوگوں پر کوئی بات نازل ہوتی اور سب لوگ اپنی رائے دیا کرتے تو قرآن مجید کی آیت حضرت عمر ہی کی رائے کے مطابق نازل ہوتی (تاریخ الخلفاء صـ۸۴)
دنیائے اسلام کا متفق علیہ اعتقاد ہے کہ قرآن مجید میں کوئی لفظ حضرت رسول خدا صلعم کا نہیں ہے بلکہ سب کا سب قرآن مجید کا کلام ہے۔ معنے اور الفاظ کل خدا ہی کے ہیں جنھیں خدا نے آنحضرت پر نازل کیا۔ اور کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت رسولخدا صلعم کی رائے کے مطابق قرآن مجید کی کوئی آیت اتری یا کوئی حکم نازل ہوا ہو۔ برخلاف اسکے حضرت عمر کے متعلق ایسی روایتیں ڈھیر کی ڈھیر ہیں۔ ایک اوپر ذکر کی گئی۔ اور دیکھو عن مجاهد قال کان عمر یری الرای فینزل به القرآن واخرج ابن عساکر ان فی القرآن لرایا من رای عمر۔ واخرج ابن عمر مرفوعا ما قال الناس فی شیٔ وقال فیه عمر الاجاء القرآن بنحو ما یقول عمر واخرج الشیخان عن عمر فقال وافقت ربی فی ثلث۔ مجاہد بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر کوئی رائے قائم کرتے تھے تو قرآن بھی اسی کے مطابق نازل ہو جاتا تھا۔ اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ قرآن میں حضرت عمر کی رائے کے مطابق رائے ہے۔ اور ابن عمر نے بیان کیا ہے کہ اگر کسی چیز کے بارے میں دوسرے لوگوں نے کچھ کہا اور عمر نے بھی کہا تو قرآن حضرت عمر ہی کی رائے کے مطابق نازل ہوا۔ اور حضرت عمر خود کہتے تھے کہ تین باتوں میں میری رائے خدا کی رائے کے مطابق ہو گئی (کہ جیسا میں نے کہا ویسا ہی حکم نازل ہوا) وافق عمر ربه فی احد وعشرین موضعا۔ اکیس مقام پر حضرت عمر کی رائے کے مطابق خدا نے قرآن مجید کا حکم نازل کیا (تاریخ الخلفاء صـ۸۴) ان میں سے بعض باتوں کی تصریح آگے کی گئی ہے۔

یہ تو وہ صورتیں تھیں جن میں حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت عمر کے درمیان مجمل عنوان سے اختلاف کا ذکر اور اس امر کا بیان ہے کہ خدا نے ان مواقع پر حضرت عمر ہی کی تائید کی۔ اب وہ امر بھی دیکھو جس میں حضرت رسول خدا صلعم ایک فعل کرتے ہیں اور حضرت عمر اس سے منع کرتے ہیں۔ اس جگہ بھی خدا حضرت عمر ہی کی تائید کرتا اور اپنے رسول کو نیچا دکھاتا ہے۔ فی الصحیح عنه قال لما توفی عبد الله بن ابیّ دعی رسول الله

للصلوٰۃ علیہ فقام الیہ فقمت حتے وقفت فی صدرہ فقلت یا رسول اللہ اعلی عدو اللہ ابن ابی القائل یوما کذا و کذا ۔ فو اللہ ما کان الا یسیرا حتے نزلت ولا تصل علی احد منھم مات ابدا الاٰیۃ ۔ صحیح حدیث میں حضرت عمر سے روایت ہے کہ فرمایا جب عبداللہ بن ابی نے انتقال کیا تو اُس کے اعزہ حضرت رسول خدا صلعم کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے لیگئے ۔ جب حضرت وہاں پہونچے اور نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں بھی کھڑا ہوا اور حضرت کے سینہ کے مقابل اکڑ کر بولا اے رسول خدا کیا آپ اس شخص پر نماز پڑھیں گے جو خدا کا دشمن تھا اور فلاں روز اس نے ایسی ایسی باتیں کی تھیں ۔ خدا کی قسم اس بات کو ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ خدا نے میرے موافق یہ حکم آنحضرتؐ پر نازل کر دیا کہ ان منافقوں سے جو شخص مر جائے اس پر کبھی نماز نہ پڑھو (تاریخ الخلفاء صـ۸۴)۔ اس واقعہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے ۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں " رائے نہایت صائب ہوتی تھی ۔ عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ جب عمر کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ میرا اسکی نسبت یہ خیال ہے تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو اُن کا گمان ہوتا تھا (صحیح بخاری باب اسلام عمر) اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہو گی کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں نماز کے اعلان کیلئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں ۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا ۔ کسی نے ترہی کی رائے دی ۔ حضرت عمر نے کہا ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے ۔ آنحضرتؐ نے اُسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا اور درحقیقت ایک الٰہی فرض کیلئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ موثر اور موزوں نہیں ہو سکتا تھا ۔ اسیرانِ بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمر نے جو رائے دی وحی اُسی کے موافق آئی ۔ آنحضرتؐ کے ازواج مطہرات پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں ۔ حضرت عمر کو اس پر بارہا خیال ہوا اور انھوں نے آنحضرت سے عرض کیا لیکن آنحضرتؐ وحی کا انتظار فرماتے تھے چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیت حجاب کہتے ہیں ۔ عبداللہ بن ابیّ جو منافقوں کا سرگروہ تھا جب مرا تو آنحضرتؐ نے خلق نبوی کی بنا پر اُس کے جنازہ

کی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمر نے گستاخانہ عرض کیا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں! اس پر یہ آیت اتری ولا تصل علی احد منہم۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں... تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں اور صحابہ کو حضرت عمر سے اختلاف ہوا باستثنا بعض موقعوں کے عموماً حضرت عمر ہی کی رائیں صائب نکلیں" (الفاروق جلد ۲ ص۲۷۷) دیکھنے میں یہ صرف حضرت عمر کی مدح ہے مگر اس سے خدا پر جس قدر الزامات عائد ہوتے اور حضرت رسولخدا صلعم کی جو مذمت نکلتی ہے اس کو عمداً نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم سے زیادہ حضرت عمر کی عقل و معرفت ثابت کی جائے اور واضح کیا جائے کہ آنحضرت صلعم سے زیادہ خلیفۂ دوم کو خدا دوست رکھتا۔ اتنا اور قابل قدر سمجھتا تھا۔ لیکن اسکی تہ تک پہونچنے والے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ایسی روایتیں اگر مان لی جائیں تو اسلام ہی سے ہاتھ دھونا پڑیگا اور خدا و رسول ہی بے حقیقت ہو جائیں گے۔ اس طرح کہ خدا نے اپنی رسالت کے فرائض انجام دینے کیلئے حضرت رسول خدا صلعم کو منتخب فرمایا اور سارا ناس کو حضرت کا تابع قرار دیا۔ اب اگر کار رسالت انجام دینے میں کبھی حضرت رسولخدا صلعم غلطی فرماتے اور حضرت کی امت کا کوئی شخص حضرت کی غلطیاں درست کرتا رہتا تھا تو ایسا خدا کس کام کا جسے اتنی تمیز نہیں ہوئی کہ سمجھ سکتا کون شخص نبوت کا سزاوار اور کون اس کا نا اہل ہے۔ اور جب حضرت کی حالت عبادات تک میں (معاذ اللہ) ایسی جہالت کی تھی کہ ادنے درجہ کے لوگ حضرت کو ٹوک دیا کرتے تو خدا نے ایسے شخص کو نبی بناکر دوسروں کی ہدایت کی یا انہیں گمراہ کیا؟۔ پھر کیوں نہ حضرت عمر ہی کو رسول بنایا؟۔ ان سب سے زیادہ مصیبت یہ پیش آتی ہے کہ حضرت نے عبد اللہ بن ابی کی نماز وحی خدا کے مطابق پڑھانی چاہی یا اپنے دل سے؟۔ اگر وحی خدا کے مطابق پڑھانی چاہی تو پھر حضرت عمر کے ٹوکنے پر ان کی تائید کیوں کی؟۔ اس کا تو لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر خدا کی اصلاح بھی کرتے اور اس کی وحی کو بھی بدل دیا کرتے تھے۔ گویا خدا خود اپنے حکم کی خرابی تسلیم کرلیتا اور اس کے متعلق حضرت عمر کی رائے کی خوبی اور عظمت کے آگے سر تسلیم خم کردیتا تھا۔ اور اگر حضرت نے اس کی نماز اپنے دل سے پڑھانے کا ارادہ کیا تو کیا حضرت

کو اس کا اختیار بھی تھا کہ کوئی مذہبی کام اپنے دل سے کر سکیں؟ پھر تو تمام وحیوں اور تمام امور رسالت کے متعلق یہ شبہہ ہونے لگیگا کہ ہو سکتا ہے حضرت نے یہ فعل بھی اپنے دل سے یا اپنی رائے سے کیا ہو۔ کیونکر اطمینان ہوگا کہ آنحضرت نے واقعًا خدا کی رسالت انجام دی۔ اور کیونکر پتا چل سکے گا کہ فلاں کام کو حضرت نے اپنے منصب رسالت کی حیثیت سے ادا کیا اور فلاں امر کو اپنی انسانی شان سے انجام دیا۔ خود مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "نبوت کی حقیقت کی نسبت عمومًا لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے"۔ (الفاروق ص ۲۰۹)۔ اس سے سر دست ہم کو غرض نہیں کہ یہ کلام فی نفسہ درست ہے یا نہیں۔ بلکہ اس کلیہ کو تسلیم کر کے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اذان کے متعلق آنحضرت صلعم کی رائے یقینًا منصب نبوت کی حیثیت ہی سے تھی پس بے شبہہ خدا ہی کی طرف سے ہوگی اور وہ وہی ناقوس اور ترہی کی تجویز تھی جیسا کہ آپ نے ابن ہشام کی روایت سے اوپر بیان کیا ہے۔ پس جب وہ رائے خدا کی طرف سے تھی تو پھر حضرت عمر کی رائے کا قابل قبول اور آنحضرت کی رائے کا مردود ہونا یہی تو بتاتا ہے کہ خدا نے اپنی رائے کے مقابلہ میں حضرت عمر کی رائے کو ترجیح دی یعنی اُس نے اپنی رائے کو حقیر اور حضرت عمر کی رائے کو قابل عمل قرار دیا۔ اسی طرح ازواج نبی کیلئے پردہ کا حکم بھی منصب نبوت کی حیثیت سے ہی ہوگا۔ تو اس میں رسولخدا صلعم بلکہ خود خدا کیوں اتنے دنوں تک خاموش رہا اور اس نے اس کا موقع کیوں دیا کہ حضرت عمر کو اس پر بارہا خیال ہوا اور انھوں نے آنحضرت سے عرض کیا۔ اسی طرح عبد اللہ بن ابی پر نماز پڑھنا بھی منصب نبوت کی حیثیت سے تھا پس بے شبہہ خدا ہی کی طرف سے ہوگا۔ پھر کیوں خدا نے حضرت عمر کی رائے کے مطابق رسول صلعم کو حکم دیا کہ ایسے لوگوں پر نماز نہ پڑھا کرو۔ یہ باتیں تین صورتوں سے خالی نہیں ہو سکتیں۔ یا ان تمام مواقع پر آنحضرت کے کل افعال منصب نبوت سے علٰحدہ تھے اور خدا نے ان

باتوں کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ آنحضرت صلعم نے اپنے دل سے ان کو اختیار کیا۔ اور حضرت عمر نے آپ کے خلاف رائے دی۔ خدا کو آنحضرت صلعم کی رائے ناپسند اور حضرت عمر کی رائے پسند ہوئی اس سبب سے آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ حضرت عمر کی رائے کے مطابق کریں یا ان کل صورتوں میں آنحضرت صلعم نے جو کچھ کیا محض وحی خدا کی تعمیل کی اور حکم خدا کے مطابق اس کو انجام دیا لیکن حضرت عمر نے اسکے خلاف رائے ظاہر کی تو خدا کو ان کی رائے اپنی رائے اپنی تجویز اور اپنی سمجھ سے بہتر معلوم ہوئی اس سبب سے آنحضرت صلعم کو حکم دیا کہ میں نے جو وحی تم پر نازل کی تھی وہ غلط اور خلاف عقل تھی۔ اور عمر جو کہتے ہیں وہی صحیح اور مطابق عقل ہے۔ لہذا میرے حکم کو چھوڑ کر اب عمر کی رائے کے مطابق عمل کرو۔ یا (تیسری صورت) یہ کہ ان روایتوں کو موضوع سمجھیں کہ صرف خوش اعتقادی سے حضرت عمر کا درجہ بڑھانے کیلئے اور اسکے صلہ میں دنیوی ترقیاں حاصل کرنے کی غرض سے لوگوں نے انھیں گڑھا اور ان کے ہم مذہب سلاطین اور امراء نے ان کو خوب پھیلایا۔

رسولؐ کا استغفار اور حضرت عمر کا جواب علامہ سیوطی وغیرہ نے یہ بھی لکھا ہے لما اکثر رسول اللہؐ من الاستغفار لقوم قال عمر سواء علیھم فانزل اللہ سواء علیھم استغفرت لھم الآیۃ جب حضرت رسولخدا صلعم نے ایک قوم کیلئے بہت زیادہ استغفار کیا تو حضرت عمر نے کہا آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں دونوں برابر ہے۔ اس پر خدا نے یہ آیت نازل کی کہ اے رسول آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں دونوں بات برابر ہے تا آخر آیت (تاریخ الخلفاء ص۸۳)۔ حضرت رسول خدا صلعم کا درجہ خدا کے ہاں اتنا بلند مانا گیا ہے کہ آپ کے القاب میں شفیع المذنبین بھی ہے کہ گناہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ اور خدا اس شفاعت کو قبول کریگا۔ مگر یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضرت نے ایک قوم کے لئے بہت زیادہ استغفار کیا لیکن خدا نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ اور جب حضرت عمر نے کہہ دیا کہ ان کے لئے استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے تو خدا نے موصوف ہی کے قول کے مطابق آیت نازل کردی۔ اس صورت میں بھی خدا پر الزام عاید ہوتا ہے کہ جب حضرت کے استغفار کی کوئی حقیقت اس کی نظر میں نہیں تھی تو خدا نے حضرت سے کیوں وعدہ کیا تھا کہ میں تمھاری شفاعت

کو اس کہا ۔

بول لونگا۔ اور حضرت کے پہلے ہی استغفار پر کیوں نہ وحی نازل کر دی کہ تم کیوں استغفار کر رہے ہو میں تمہاری بات نہیں مانونگا۔ اور خدا اتنی دیر تک کیوں خاموش رہا کہ جب حضرت عمر نے کہا تو بالکل انہیں الفاظ میں خدا نے بھی آیت اتار دی۔ اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت رسولخدا صلعم کو ذلیل اور حضرت عمر کو مقبولِ درگاہ باری دکھانا چاہا۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح حضرت عمر کے متعلق اور روایتیں موضوعیت کی شان سے آراستہ نظر آتی ہیں اسی طرح یہ روایت بھی ہے جو مریدانہ پرانند کے اصول پر ایجاد کی گئی۔

واقعہ افک میں حضرت عمر کی رائے

حضرت عائشہ کے افک کا واقعہ مشہور ہے۔ اس کے متعلق یہ روایت کس درجہ عبرتناک ہے لما استشار الصحابۃ فی قصۃ الافک قال عمر من زوجکہا یا رسول اللّٰہ۔ قال اللّٰہ۔ قال افتظن ان ربک دلس علیک فیہا سبحانک ھذا بھتان عظیم فنزلت کذلک۔ جب حضرت عائشہ کے اتہام کے متعلق حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو حضرت عمر نے کہا اے خدا کے رسول عائشہ کیساتھ آپ کی شادی کس نے کی تھی؟ فرمایا خدا نے۔ تب آپ نے کہا پھر کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ خدا نے ان کے بارے میں آپ کو دھوکا دیا اور فریب میں مبتلا کر دیا؟ آپ کی ذات اس سے بلند ہے اور یہ تو بڑا بہتان ہے (تاریخ الخلفاء صـ) سرسری نظر سے دیکھئے تو اس میں صرف حضرت عائشہ کی پاک دامنی اور حضرت عمر کی عقیدت و اخلاص کا ذکر ہے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کی رسالت بلکہ علم و عقل کا پردہ بھی اچھی طرح چاک کر دیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ آنحضرت کی بیوی تھیں اسی سبب سے آنحضرت کو ان کے طبعی حالات۔ ان کے انسانی جذبات۔ ان کے نسوانی مقتضیات کا زیادہ تجربہ ہونا چاہیئے تھا۔ اور آنحضرت کو یہ بھی معلوم تھا کہ خدا نے حضرت عائشہ کی شادی سے قبل ان کی تصویر ایک ریشمی پردہ پر حضرت کو دکھا دی تھی۔ آنحضرت اس کو بھی جانتے تھے کہ آپ ان پر نہایت درجہ فریفتہ ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ حضرت عائشہ بھی آپ پر فریفتہ رہیں۔ اور آپ کے مقابلہ میں کسی مرد کی طرف نظر بھی نہ کریں۔ اور آنحضرت برابر حضرت عائشہ کو اپنے گھر ہی رکھتے تھے۔ جسکی وجہ سے

غیروں کے آنے جانے پر بھی کافی پہرا پڑتا ہوگا۔ اور کل حالات کی اطلاع آپ کو برابر ہوتی رہتی ہوگی۔ باوجود ان امور کے جب مخالفین نے اس اتہام کو مشہور کیا تو حضرت کو بھی ان کی عفت میں شبہ ہو گیا۔ اور ان باتوں سے آپ اس درجہ متاثر ہوئے کہ حضرت عائشہ سے ملنا تک بند کر دیا۔ ایک ماہ تک ان سے علحدہ رہے اور حضرت عائشہ نے یہ رنگ دیکھا تو کھانے پینے سے انکار کر دیا۔ رونے دھونے میں زندگی بسر کرنے لگیں اور آنحضرت کا گھر چھوڑ کر اپنے میکے چلی گئیں۔ غرض خدا کے پیارے پیغمبر بلکہ سید المرسلین کے گھر میں اتنا زبردست فتنہ قائم ہو گیا اور خدا کا رسول اپنی حرمت کی ذلت سے تلخ ترین زندگی گزارنے لگا۔ مگر خدا کو حضرت پر رحم نہیں آیا نہ وحی کے ذریعہ سے حضرت کو جناب عائشہ کی پاکدامنی کی خبر کی۔ نہ الہام کے ذریعہ سے حضرت کو متنبہ کیا کہ یہ سب خبریں غلط ہیں۔ کسی کا اعتبار نہ کرو اور اپنی بی بی عائشہ کی عزت میں شک و شبہہ نہ کرو نہ ان سے تعلقات منقطع رکھو۔ اور جب وحی و الہام کا دروازہ بند دیکھ کر اپنی قوت فیصلہ کو عاجز پاکر اور قرائن و دلائل کی راہوں کو مسدود جان کر حضرت نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت عمر نے بغیر تحقیقات کئے۔ بغیر غور و فکر کئے۔ بغیر شک و شبہہ کو راہ دیئے ہوئے فوراً حضرت سے سوال کیا اور پھر کہہ دیا کہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا نے آپ کی شادی کیلئے ایسی عورت تجویز کی ہو؟ حضرت عمر کی زبان سے اس جملہ کا نکلنا تھا کہ فوراً خدا بھی اپنے فرض کی طرف متوجہ ہو گیا اور اسی وقت انہیں الفاظ میں جو حضرت عمر کی زبان سے جاری ہوئے تھے وحی نازل کر دی کہ عائشہ پاک دامن ہیں۔ کہنے والے جھک مارتے اور محض افترا و بہتان میں مشغول ہیں۔ غور کرو! اچھی طرح سوچو کہ اگر اس سے حضرت عمر کی ایک فضیلت ثابت ہوئی تو خدا کی کتنی مذمتیں پیدا ہو گئیں۔ کتنے بڑے بڑے الزامات اس پر قائم ہو گئے۔ اور اس پر اعتراضات کی کتنی بوچھار ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ حضرت رسولخدا صلعم کی عقل و علم و معرفت و تجربہ و قوت تمیز کا جنازہ بھی کس دھوم سے اٹھایا گیا۔ شان رسالت کی مٹی کس درجہ پلید کر دی گئی۔ اور مصداق انک لعلی خلق عظیم کے مزاج و اخلاق کی کیا حقیقت باقی رہ گئی۔

ایک شخص کا قتل اور آپکی براءۃ | علامہ سیوطی وغیرہ یہ بھی لکھتے ہیں اختصم رجلان

الی النبیؐ فقضٰی بینھما فقال الذی قضٰی علیہ ردنا الی عمر بن الخطاب فاتیا الیہ فقال الرجل قضٰی لی رسول اللہ علی ھذا فقال ردنا الی عمر ۔ فقال اکذالک ۔ قال نعم فقال عمر مکانکما حتی اخرج الیکما فخرج الیھما مشتملا علی سیفہ فضرب الذی قال ردنا الی عمر فقتلہ وادبر الاٰخر فقال یا رسول اللہ قتل عمر واللہ صاحبی۔ فقال ما کنت اظن ان یجتری عمر علی قتل مومن ۔ فانزل اللہ فلا وربک لا یؤمنون الاٰیہ فاھدر دم الرجل وبری عمر من قتلہ و لہ شاھد موصول اوردتہ فی التفسیر المسند ۔ دو آدمی جھگڑتے ہوئے حضرت رسولخدا صلعم کے پاس آئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضرت نے دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ تب اس شخص نے جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا آنحضرتؐ سے کہا کہ آپ ہم لوگوں کو حضرت عمر کے پاس واپس کر دیں (کہ وہی فیصلہ کریں۔ حضرت نے واپس کر دیا) تو دونوں ان کے پاس گئے اور جسکے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے حضرت عمر سے کہا کہ حضرت رسول خداؐ نے ہم لوگوں کا فیصلہ کیا تو اس شخص نے کہا کہ ہم لوگوں کا مقدمہ حضرت عمر کے پاس بھیج دیجئے۔ حضرت عمر نے یہ سنکر کہا کیا ایسا کہا ہے ؟ اس نے کہا ہاں ۔ حضرت عمر نے کہا اچھا تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ میں آتا ہوں ۔ پھر آپ تلوار لئے ہوئے نکلے اور اس شخص کو قتل کر ڈالا ۔ یہ دیکھ کر دوسرا شخص آنحضرت صلعم پاس واپس آیا اور کہا یا حضرتؐ عمر نے میرے ساتھی کو مار ڈالا حضرت نے فرمایا مجھے تو اس کا گمان بھی نہ تھا کہ ایک مومن کے قتل کی جرأت عمر کر بیٹھیں گے ۔ اس پر خدا نے یہ آیت نازل کی ۔ پس اے رسول تمھارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مومن نہ ہونگے تاوقتیکہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ خوش خوش اس کو بھی مان لیں ۔ پارہ ۵ ع ۶ ۔ اس طرح اس شخص مقتول کا خون رائگاں کر دیا گیا اور حضرت عمر اس کے قتل کی سزا سے چھوڑ دیئے گئے ۔ (تاریخ الخلفاء ص۸۳) ۔ یہ روایت اس غرض سے بنائی گئی کہ معلوم ہو حضرت عمر کی قابلیت اور فضل و کمال کا سکہ لوگوں کے دلوں پر حضرت رسول خدا صلعم سے بھی زیادہ بیٹھا ہوا تھا ۔ اور عام مسلمین آنحضرت کی زندگی میں بھی آنحضرتؐ کے فیصلہ پر راضی نہیں رہتے نہ اس سے لوگوں کی تشفی ہوتی بلکہ چاہتے کہ ان کے مقدمات کا فیصلہ حضرت

عمر ہی کیا کریں۔ مگر اس سے خدا اور رسول کی جو توہین ہوتی ہے اس سے عام طور پر چشم پوشی کیجاتی ہے۔ اس طرح کہ حضرت عمر نے اُس شخص کو قتل کر دیا اور آنحضرت صلعم نے اس پر افسوس بھی کیا مگر خدا نے حضرت عمر کے قتل کی تائید کر دی۔ اور ان کو قصاص سے بچا لیا۔ یہ واضح ہے کہ اس شخص نے جو کہا کہ ہمارا فیصلہ حضرت عمر سے کرا دیجئے۔ اس کا یہ کہنا ایسا جرم نہیں ہے جس پر وہ قتل کا مستحق ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو خود حضرت رسول خدا صلعم صحابہ کو حکم دیتے کہ اس کو قتل کر دو۔ لیکن بجائے اس کے حضرت نے اس کی خواہش پوری کر دی اور دونوں کو حضرت عمر کے پاس بھیجدیا۔ حضرت عمر نے اس کو قتل کر دیا تو آنحضرت نے ان کے اس فعل کو ناپسند کر کے فرمایا کہ مجھے تو اس کا گمان بھی نہ تھا کہ عمر ایک مومن کو قتل کر دینگے۔ مگر خدا نے اپنے ہی مقرر کئے ہوئے قواعد قصاص کو حضرت عمر کی حمایت میں پس پشت ڈالدیا اور آپ کو بری کر کے گویا کہہ دیا کہ حضرت عمر جو چاہیں کریں۔ ان کے لئے خدا کے اصول عدل و انصاف سب معطل کر دیئے گئے ہیں۔ وہی کام دوسرے کریں تو دنیا میں قتل بھی کئے جائیں اور آخرت میں ہمیشہ جہنم میں بھی رہیں لیکن وہی فعل حضرت عمر کریں تو دنیا میں بھی چھوڑ دیئے جائیں۔ آخرت میں بھی آزاد رہیں بلکہ ان ... کے موافق قرآن مجید میں آیت تک نازل کر دی جائے۔ فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔

آپ کے حرام کرنے سے حرام ہو جانا

علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے الاستیذان فی الدخول وذلک انہ دخل علیہ غلامہ وکان نائما فقال اللھم حرم الدخول فنزلت آیۃ الاستیذان۔ گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنا بھی حضرت عمر کی رائے سے ہوا۔ اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ آپ سو رہے تھے تو آپ کا غلام آپ کے پاس پہونچ گیا۔ اس پر آپ نے جھنجلا کر کہا اے اللہ تو دخول کو حرام کر دے۔ پس فوراً اجازت طلب کرنے کی آیت اتر پڑی (تاریخ الخلفاء ص۸۶)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اجازت طلب کرنے کی ضرورت پر نہ خدا کی نظر پہونچی نہ رسول کی اس وجہ سے ان حضرات نے اس کو لازمی نہیں قرار دیا۔ مگر حضرت عمر نے اس کی اہمیت محسوس کی تو خدا سے کہا کہ دخول کو حرام کر دے اور خدا نے اس کی تعمیل کی۔

حالانکہ کل محرمات و محللات کو خدا ہی نے طے کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت رسول خدا صلعم کو بھی اس کے متعلق چون و چرا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ حضرت عائشہ و حفصہ کی خاطر سے آنحضرت صلعم نے صرف یہ ارادہ کیا تھا کہ اب شہد نہیں کھائیں گے۔ یہ امر تک خدا کو ناگوار ہوا کہ جس چیز کو میں نے حلال کیا ہے اُسے رسول کیوں حرام کرتے ہیں فوراً آیت اتری کہ یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک ۵۱

۵۱ مولوی وحید الزماں خانصاحب نے لکھا ہے " ام المومنین سودہ نے حضرت عائشہ اور حفصہ کی صلاح سے آنحضرتؐ سے کہا آپ نے شاید مغافیر کھایا ہے جو ایک بدبودار گوند ہے۔ آنحضرتؐ کو اس سے بڑی نفرت تھی کہ آپ کے منہ سے ذرہ بھی کوئی بری بو آئے جب حضرت عائشہ اور حفصہ نے بھی یہی کہا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے تو آپ کو یقین ہوگیا کہ حقیقت میں کوئی بری بو ہے حالانکہ آپ نے حضرت زینب کے پاس صرف شہد پیا تھا۔ آپ نے شہد اپنے اوپر حرام کرلیا" (الزاراللغۃ پارہ ۱۹ صفحہ ۵۲) اور مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے " ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلعم حضرت زینب کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا۔ انھوں نے اُن کے سامنے پیش کیا۔ آپ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ نے نوش فرمایا۔ اس میں وقت مقررہ سے دیر ہوگئی۔ حضرت عائشہ کو رشک ہوا۔ حضرت حفصہ سے کہا کہ رسول اللہؐ جب ہمارے یا تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہئے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ آنحضرتؐ نے قسم کھائی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری یا ایھا النبی الآیہ اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو؟ علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہ اور حفصہ کو جھوٹ بولنا اور آنحضرتؐ کے خلاف سازش کرنا کیونکر جائز تھا۔ تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کمسن تھیں۔ اسکے علاوہ ان کا مقصود آنحضرتؐ کو ایذا دینا نہیں تھا۔ بلکہ جیسا کہ عورتیں اپنی سوکنوں کے مقابلہ میں رشک سے تدبیریں اختیار کرتی ہیں اس طرح کی ایک تدبیر تھی" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۳۹۹)۔ مگر کسی نے یہ نہیں لکھا کہ کمسنی کی وجہ سے حضرت عائشہ کے لئے جھوٹ بولنا جائز کیونکر ہوگیا۔ اور وہ کمسن بھی کیسے تھیں۔ زوجیت رسول میں کتنے دنوں رہ چکی تھیں۔

آپ دونوں امروں میں مقابلہ کرو کہ حضرت رسولخدا صلعم نے شہد سے کنارہ کشی اختیار کی تو خدا کو اتنا غصہ ہوا کہ پورا سورۂ تحریم ہی نازل کر دیا جس میں گویا آنحضرت پر عتاب ہے۔ لیکن حضرت عمر خدا سے کہتے ہیں کہ دخول کو حرام کر دے اور خدا فوراً اس کی تعمیل کرتا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا یا حضرت عمر کو آنحضرت صلعم سے زیادہ دوست رکھتا اور قابل عزت سمجھتا تھا کہ جس امر کی اجازت آنحضرتؐ کو نہیں دیتا وہ حضرت عمر کے لئے مباح کر دیتا یا وہ حضرت عمر سے بہت ڈرتا تھا کہ جو بات آپ کی زبان سے نکلتی خدا کو اُسے کرنا ہی پڑتا۔ غرض ہر طرح خدا و رسول کی ذلت اور غلطی ہی ثابت ہوتی ہے۔ اور اس مصیبت کا علاج اسکے سوائے کچھ نہیں کہ ایسی روایتوں کو گپ اور خوش اعتقادی کا نتیجہ قرار دیا جائے۔

اذان میں ترمیم | اسلامی عبادات کی کل صورتیں خدا کی مقرر کی ہوئی ہیں۔ حضرت رسولخدا صلعم نے بھی ان میں کوئی اضافہ نہیں کیا نہ کوئی ترمیم پسند کی مگر حضرت عمر کے متعلق ہے ان بلالاً کان یقول اذا اذن اشھد ان لا الہ الا اللہ حیّ علی الصلوٰۃ۔ فقال لہ عمر قل فی اثرھا اشھد ان محمداً رسول اللہ۔ فقال رسول اللہؐ قل کما قال عمر۔ جناب بلال اذان دیا کرتے تھے اور اسکی صورت یہ تھی کہ پہلے اشھد ان لا الہ الا اللہ اور اس کے بعد حی علی الصلوٰۃ کہا کرتے۔ حضرت عمر نے سنا تو کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ کے بعد اشھد ان محمداً رسول اللہ بھی کہا کرو۔ اس پر حضرت رسولخدا صلعم نے بلال سے فرمایا اچھا جس طرح عمر کہتے ہیں اسی طرح تم اذان دیا کرو (تاریخ الخلفاء ۸۵) اس سے ثابت ہوا کہ خدا نے اذان میں صرف اپنی گواہی رکھی تھی۔ اور حضرت رسولخدا صلعم نے بھی اسی کو پسند کیا تھا۔ مگر حضرت عمر کو یہ اذان اچھی نہیں معلوم ہوئی اور حضرت کی رسالت کی گواہی کا اضافہ بھی چاہا تو حضرت رسولخدا صلعم نے خدا کی مقرر کی ہوئی اذان میں اس جزو کو بڑھا دیا اور اُس وقت سے اذان اسی طرح رائج ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اسلام کے ایک ایک امر کی اصلاح حضرت عمر کرتے رہتے تو خدا و رسول کس کام کے تھے۔ پھر خدا نے حضرت عمر ہی کو یہ مطلق اختیار کیوں نہیں دے دیا تھا کہ تم دنیا اور دین کا جو قاعدہ جس طرح چاہو مقرر کر کے لوگوں کو خبر کر دو۔ میں نہ رسول مقرر کروں گا۔ نہ کوئی وحی نازل

کروں گا۔ نہ فرشتہ کو بھیجوں گا۔ نہ کسی امر کا طریقہ بتاؤں گا۔ نہ کسی عبادت کی صورت معین کروں گا۔ تم جانو اور دنیا والے جانیں۔

یاساریۃ الجبل کا واقعہ حضرت ممدوح کے ہوا خواہوں نے اس واقعہ کو بھی بڑے اہتمام سے بیان کیا ہے۔ علامہ سیوطی کے الفاظ میں دیکھو عن نافع عن ابن عمر قال وجہ عمر جیشا وراس علیھم رجلا یدعی ساریۃ۔ فبینا عمر یخطب جعل ینادی یا ساریۃ الجبل ثلثا۔ ثم قدم رسول الجیش فسألہ عمر۔ فقال یا امیر المومنین ھزمنا فبینا نحن کذلک اذ سمعنا صوتا ینادی یا ساریۃ الجبل ثلاثا فاسندنا ظھورنا الی الجبل فھزمھم اللہ۔ قال قیل لعمر انک کنت تصیح بذلک وذلک الجبل الذی کان ساریۃ عندہ بنھاوند من ارض العجم قال ابن حجر فی الاصابۃ اسنادہ حسن۔ واخرج ابن مردویہ من طریق میمون بن مہران عن ابن عمر قال کان عمر یخطب یوم الجمعۃ فعرض فی خطبتہ ان قال یاساریۃ الجبل من استرعی الذئب ظلم فالتفت الناس بعضھم لبعض فقال لھم علیٌّ لیخرجنّ مما قال۔ فلما فرغ سألوہ فقال وقع فی خلدی ان المشرکین ھزموا اخواننا وانھم یمرون بجبل فان عدلوا الیہ قاتلوا من وجہ واحد وان جاوزوا ھلکوا فخرج منی ما تزعمون انکم سمعتموہ۔ قال فجاء البشیر بعد شہر فذکر انھم سمعوا صوت عمر فی ذلک الیوم۔ قال فعدلنا الی الجبل ففتح اللہ علینا واخرج ابو نعیم فی الدلائل عن عمرو بن الحارث قال بینما عمر یخطب یوم الجمعۃ اذ ترک الخطبۃ فقال یا ساریۃ الجبل مرتین او ثلثا ثم اقبل علی خطبتہ فقال بعض الحاضرین لقد جُنّ انہ لمجنون۔ فدخل علیہ عبد الرحمن بن عوف و کان یطمئن الیہ فقال انک لتجعل لھم علی نفسک مقالا۔ بینا انت تخطب اذ انت تصیح یا ساریۃ الجبل۔ ای شیٔ ھذا۔ قال انی واللہ ما ملکت ذلک رایتھم یقاتلون عند جبل یؤتون من بین ایدیھم ومن خلفھم فلم املک ان قلت یا ساریۃ الجبل لیلحقوا بالجبل فلبثوا الی ان جاء رسول

ساریۃ بکتابہ ان القوم لقونا یوم الجمعۃ فقاتلنا ھم حتی اذا حضرت الجمعۃ سمعنا منادیا ینادی یا ساریۃ الجبل مرتین۔ فلحقنا بالجبل فلم نزل قاھرین بعدوّنا حتے ھزمھم اللہ وقتلھم۔ فقال اولئک الذین طعنوا علیہ دعوا ھذا الرجل فانہ مصنوع لہ۔ نافع نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے صاحبزادے بیان کرتے تھے کہ (ابا جان) حضرت عمر نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا سردار ایک شخص ساریہ نامی کو مقرر کیا۔ اسکے جانے کے بعد ایک روز آپ خطبہ بیان کر رہے تھے کہ دفعۃً پکارنا شروع کیا اے ساریہ پہاڑ پر۔ اس جملہ کو انھوں نے تین مرتبہ کہا۔ پھر جب اس لشکر کے حالات بیان کرنے کے لئے وہاں سے قاصد آیا۔ اور حضرت عمر نے واقعات دریافت کئے تو اس نے کہا اے حضور ہم لوگ تو شکست کھا چکے تھے۔ اور ابھی اسی شکست میں مبتلا تھے کہ دفعۃً ایک چیخنے کی آواز سنائی دی کہ کوئی منادی کر رہا ہے اے ساریہ جبل پر چڑھ جاؤ۔ اس غیبی آواز نے تین مرتبہ یہی کہا۔ تب ہم لوگوں نے اپنی پشتوں کو اس پہاڑ سے ملا دیا جس کے بعد خدا نے مشرکوں کو شکست دے دی۔ کہا کہ حضرت عمر سے کہا گیا آپ ہی اس آواز سے چیخ رہے تھے۔ اور وہ پہاڑ جہاں سردار لشکر ساریہ اس وقت تھا ملک عجم کے شہر نہاوند کے پاس ہے۔ علامہ ابن حجر نے اصابہ میں بیان کیا ہے کہ اس روایت کی اسناد درست اور حسن ہے۔ اور ابن مردویہ نے میمون بن مہران کے طریق سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے صاحبزادے بیان کرتے تھے کہ (ابا جان) حضرت عمر ایک جمعہ کو خطبہ بیان کر رہے تھے کہ دفعۃً اپنے خطبہ میں رخ پھیر دیا اور کہنے لگے اے ساریہ پہاڑ پر چل دو۔ جو شخص بھیڑئیے کی نگرانی کرتا ہے ظلم کرتا ہے۔ آپ کا یہ بے موقع کلام سنکر حاضرین گھبرائے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ جب وہ خطبہ سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے پوچھا یہ آپ خطبہ پڑھتے ہوئے کیا کہنے لگے تھے؟ آپ نے جواب دیا میرے دل میں یہ الہام ہوا کہ مشرکین نے میرے بھائیوں کو شکست دیدی۔ اور وہ لوگ ایک پہاڑ کی طرف سے گزر رہے ہیں پس اگر وہ لوگ اسی پہاڑ کی طرف ہو جائیں تو ایک ہی طرف سے لڑنا ہو گا۔ اور اگر وہاں سے آگے بڑھ جائینگے تو سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی پر میری زبان سے وہ بات نکلی جس کے بارے میں تم سب کہتے ہو کہ میرے منہ سے سنا ہے۔ اس واقعہ کے ایک مہینہ بعد خوشخبری لیکر قاصد آیا اور بیان کیا کہ

سارىہ کے لشکر والوں نے اُسی روز اپنے مقام پر حضرت عمر کی آواز سُنی تھی۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ وہ آواز سننے کے بعد ہم سب پہاڑ کی طرف مڑ گئے جس پر خدا نے ہم لوگوں کو فتح دیدی۔ اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں عمرو بن الحارث سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عمر خطبہ بیان کر رہے تھے کہ دفعتہً خطبہ چھوڑ دیا اور دو یا تین مرتبہ پکار کر کہا اے ساریہ پہاڑ پر۔ اس کے بعد اسی خطبہ کو بیان کرنے لگے جیسے پہلے ذکر کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر بعض حاضرین کہنے لگے کہ حضرت عمر کو یقیناً جنون کا دورہ ہو گیا ہے۔ یقیناً یہ پاگل ہیں۔ اسکے بعد عبد الرحمن بن عوف ان کے پاس گئے۔ کیونکہ ان کو ان سے اطمینان تھا۔ اور کہا اے حضور! آپ کی کیا حالت ہے کہ لوگوں کو اپنے متعلق بُرا بھلا کہنے کا سامان کر دیتے ہیں۔ آپ خطبہ بیان کرتے ہوئے یہ کیا چیخنے لگے تھے کہ اے ساریہ پہاڑ پر چل دو۔ یہ کیا بات تھی۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ خدا کی قسم جب میں نے ساریہ کے لشکر والوں کو دیکھا کہ ایک پہاڑ کے پاس لڑ رہے ہیں اور ان پر آگے سے بھی حملہ ہو رہا ہے اور پیچھے سے بھی پسپے جا رہے ہیں تو مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے پکار کر ان لوگوں سے کہا کہ اے ساریہ پہاڑ سے مل جاؤ۔ اسکے بعد مدت تک لوگ اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ ساریہ کا قاصد اُس کا خط لیکر آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ دشمنوں نے جمعہ کے روز ہم لوگوں پر حملہ کیا تو ہم لوگ خوب لڑے یہاں تک کہ جب نماز جمعہ کا وقت پہونچا تو ہم لوگوں نے اچھی طرح سے ایک منادی پکار کر کہہ رہا ہے اے ساریہ پہاڑ پر۔ یہ بات اس نے دو مرتبہ کہی تو ہم لوگ پہاڑ سے مل گئے جس کے بعد دشمنوں پر حملہ کرتے ہی رہے یہاں تک کہ خدا نے ان سب کو شکست فاش دے دی اور ان کو قتل کر دیا۔ جب ان لوگوں نے جنھوں نے حضرت عمر کی اس بات پر اعتراض کیا تھا اصلی واقعہ سن لیا تو کہا ان کو چھوڑ دو کہ ان کے لئے یہ بات بنائی گئی (تاریخ الخلفاء صـ۸۴) ان روایتوں میں اس کا ذکر نہیں کہ یہ واقعہ کس سال کا ہے علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو بھی صاف کر دیا۔ فرماتے ہیں امرہ عمر علی جیش وسیرہ الی فارس سنۃ ثلاث وعشرین فوقع فی خاطر عمر وھو یخطب یوم الجمعۃ ان الجیش المذکور لاقی العدو وھم فی بطن واد وقد ھموا بالھزیمۃ وبالقرب منھم جبل فقال فی اثناء خطبتہ یا ساریۃ الجبل الجبل ورفع صوتہ۔ فالقاہ اللہ فی سمع ساریۃ فانحاز بالناس الی الجبل وقاتلوا العدو

من جانب واحد ففتح اللہ علیھم ... وقال خلیفۃ افتتح ساریۃ اصبھان صلحا وعنوۃ فی ما یقال۔ حضرت عمر نے ساریہ کو ایک لشکر کا سردار بنا کر ایران کی طرف روانہ کیا۔ پھر ایک دفعہ جب حضرت عمر جمعہ کے روز خطبہ بیان کر رہے تھے ان کے دل میں یہ بات آ گئی کہ وہ لشکر دشمنوں سے ملا اور وہ ایک وادی کے وسط میں ہیں اور وہ لوگ بھاگنے اور شکست کھا جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ یہ خیال کر کے حضرت عمر نے خطبہ کے اثنا میں پکار کر کہا اے ساریہ! پہاڑ۔ چونکہ حضرت عمر نے چیخ کر یہ آواز نکالی اس وجہ سے خدا نے ان کی آواز کو ساریہ کے کان تک پہنچا دیا جس کے بعد وہ سب لوگوں کو لے کر پہاڑ سے مل گئے اور پورے لشکر نے ایک طرف سے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ پس خدا نے ان لوگوں کو فتح دے دی... اور خلیفہ نے بیان کیا ہے کہ ساریہ نے اصفہان کو صلح اور جبر سے فتح کیا جیسا لوگوں نے بیان کیا ہے (اصابہ صہ۵ جلد ۳)۔ اس روایت کا نتیجہ بھی واضح ہے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ حضرت عمر مدینہ میں ہیں اور ساریہ کا لشکر ملک عجم کے شہر نہاوند کے پاس۔ وہاں کے حالات کی خبر حضرت عمر کو کیسے ہو گئی کہ آپ نے مدینہ سے چیخ کر پہاڑ پر چڑھ جانے کی ہدایت کی۔ کوئی تار نہیں تھا۔ کوئی وائرلیس ٹیلیگراف نہیں تھا۔ اور پھر حضرت عمر کی آواز مدینہ کے باہر تک تو جا نہیں سکتی ہوگی۔ سیکڑوں میل کی مسافت کیسے طے کر گئی کہ ساریہ نے سن لیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ سوائے معجزہ یا کرامت کے تو یہ بات نہیں ہو سکتی۔ معجزہ یا کرامت سے یقیناً ہو سکتی ہے اور یہ واقعہ بھی ممدوح کی کرامتوں میں ہی درج کیا گیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ خاص اسی موقع پر یہ کرامت کیوں ظاہر ہوئی۔ آپ کے دوسرے فتوحات میں کیوں ایسا نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکر کو یہ شرف کیوں حاصل نہیں ہوا۔ حضرت رسولخدا صلعم کو متعدد غزوات و سرایا پیش آتے رہے۔ حضرت کے کسی غزوہ یا سریہ میں یہ بات کیوں نہیں ہوئی۔ غزوۂ احد میں حضرت نے عبداللہ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ مقرر فرمایا تھا کہ وہاں کے ایک خطرناک درّہ کی حفاظت کریں اور وہاں سے ہرگز نہ ٹلیں۔ مگر جب عبداللہ کے لشکر والے لوٹ مار کی غرض سے وہاں سے ہٹ آئے جس سے مسلمانوں کی شکست ہو گئی تو آنحضرت صلعم کو بھی خدا نے یہ کرامت کیوں نہیں عطا فرما دی کہ حضور ان لوگوں کو پکار کر کہتے کہ دیکھو ہٹو نہیں ورنہ شکست ہو جائے گی۔ حالانکہ ایک ہی جگہ آنحضرت بھی تھے اور اس سے قریب ہی عبداللہ بن جبیر

کا لشکر بھی تھا۔ باوجود اسکے آنحضرت صلعم نے نہ ان لوگوں کا ہٹنا دیکھا نہ ان لوگوں کو پکار سکے نہ وہ حضرت کی آواز سنکر وہاں ٹھہر سکے۔ آخر کار مسلمانوں کو شکست عظیم ہوئی۔ آنحضرت زخمی ہوئے۔ حضرت کا ہونٹ کٹ گیا۔ دو اگلے دندانِ مبارک شہید ہوگئے۔ غرض حضرت کل مصائب میں مبتلا ہوئے مگر خدا نے کسی معجزہ۔ یا کرامت سے آنحضرت کی مدد نہیں کی۔ ہندہ نے جناب حمزہ کا کلیجہ چیر کر نکالا اور چبا گئی لیکن آنحضرت نے اس کو نہ اس لاش پر جاتے دیکھا نہ لاش کی حفاظت کی حالانکہ اسکے بعد آنحضرت کو اس کا کمال درجہ صدمہ ہوا۔ اس سے زیادہ حیرت خیز یہ امر ہے کہ حضرت عمر نے تو مدینہ سے نہاوند (ملک عجم) کے لشکر۔ اسکی پریشانی اور آثار شکست کو دیکھ لیا اور آواز دے کر ان کو شکست سے بچا لیا۔ لیکن حضرت رسول خدا صلعم نے غزوہ بنی مصطلق سے واپس آتے وقت اپنے ساتھ کی سواری پر سے حضرت عائشہ کے ہیکل گرنے کو نہیں دیکھا۔ نہ آپ کو اس کی خبر ہوئی کہ جناب معظمہ اونٹ پر سے اتر گئی ہیں۔ نہ اس کا علم ہوا کہ قافلہ حضرت عائشہ کو پیچھے چھوڑ کر چل کھڑا ہوا۔ نہ اس کی اطلاع ہوئی کہ حضرت عائشہ صفوان بن معطل کے ساتھ ہیں۔ وہیں سے ان کو پکار دیتے کہ خبردار اس کے ساتھ نہ آنا ورنہ متہم ہو جاؤ گی۔ نہ خود حضرت کو نظر آیا کہ حضرت عائشہ اور صفوان کیا کر رہے ہیں۔ بلکہ ان کے واپس آنے پر جب لوگوں نے اس اتہام کا ذکر کیا تو آنحضرت کو بھی ان کے بارے میں شبہہ ہو گیا۔ جو اسلام کا ایک دردناک حادثہ ہے۔ کیوں نہیں خدا نے حضرت عمر کی طرح حضرت رسولخدا صلعم کو بھی یہ کرامت عطا فرما دی تھی کہ جس طرح ممدوح نے نہاوند میں ساریہ کے کل حرکات کو دیکھ لیا اسی طرح آنحضرت صلعم بھی صرف اپنے پیچھے حضرت عائشہ اور صفوان کے کل افعال کو ملاحظہ فرما لیتے اور اس کرب و پریشانی سے محفوظ رہتے جس میں آپ نے اپنی محبوب زوجہ کے متہم ہو جانے کی وجہ سے کتنے دنوں تک بسر کی۔ کیا یہ حیرت خیز امر نہیں ہے کہ حضرت عمر تو ملک عرب کے مدینہ سے ملک عجم کے نہاوند کا واقعہ بچشم خود دیکھ لیں لیکن آپ کے مولا و مقتدا حضرت رسولخدا صلعم اپنے ہی قافلہ میں اپنی بیوی کی حالت تک نہ جان سکیں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا کے ہاں حضرت عمر کا درجہ رسولخدا صلعم سے اور ساریہ سردار لشکر کا درجہ حضرت عائشہ سے بھی بڑا ہوا تھا۔ اور دیکھو غزوہ خندق میں سردی بڑی سخت تھی۔ کفار کا لشکر اور مسلمانوں کا لشکر ایک ہی جگہ تھا۔ مگر آنحضرت کو اس کی خبر نہیں تھی کہ اُس وقت کفار کا لشکر کیا کر رہا ہے۔ حضرت نے حضرت ابوبکر سے فرمایا جا کر قریش کی خبر لاؤ۔ انھوں نے کہا خدا اور رسول

مجھے اس زحمت سے معاف رکھیں۔ پھر آنحضرت نے حضرت عمر سے فرمایا تم جاکر خبر لاؤ۔ انہوں نے بھی وہی کہا کہ میں اللہ اور اوسکے رسول سے معافی چاہتا ہوں۔ تب حضرت نے فرمایا اے حذیفہ تم جاؤ۔ وہ فوراً چلے گئے (تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۱۸۱)۔ اگر حضرت عمر نے اپنی ذاتی قوت سے ملک عجم کے لشکر کی حالت دیکھ لی تھی تو حضرت رسول خدا صلعم نے چند قدموں کے فاصلہ پر کفار کے لشکر کی حالت کیوں نہیں دیکھ لی۔ اور اگر خدا نے حضرت عمر کو یہ کرامت عطا کی تو حضرت رسولخدا صلعم کو کیوں اس سے محروم رکھا؟ کیا یہ روایت یہ نہیں ثابت کرتی کہ حضرت رسولخدا صلعم سے زیادہ حضرت عمر کو خدا مانتا تھا؟ ورنہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ روایت بھی بالکل وضعی ہے اور محض حضرت عمر کا غیر معمولی درجہ ثابت کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ خود حضرت عمر کے حالات سے اس روایت کو جانچو تو اس کا قطعی غلط ہونا مثل آفتاب روشن ہو جائے۔ آپ کی وفات کے متعلق مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں " مدینہ منورہ میں فیروز نام ایک پارسی غلام تھا جس کی کنیت ابو لولو تھی اُس نے ایک دن حضرت عمر سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ ابن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے تعداد پوچھی۔ اُس نے کہا دو درہم (قریباً سات آنے)۔ حضرت عمر نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے۔ بولا کہ نجاری نقاشی آہن گری۔ فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔ دوسرے دن حضرت عمر صبح کی نماز کے لئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمر کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں۔ جب صفیں سیدھی ہو چکتی تھیں تو حضرت عمر تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمر امامت کیلئے بڑھے۔ اور جوں ہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر نے فوراً عبد الرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے" (الفاروق جلد ا صفحہ ۲۰۲)۔ کہاں حضرت عمر کی وہ دوربینی کہ ملک عرب میں بیٹھے ہوئے ملک عجم کے لشکر کو دیکھ رہے ہیں کہ آگے سے بھی گھر گیا ہے پیچھے سے بھی محصور ہے۔ اور کہاں یہ کوتاہ بینی کہ مسجد میں قاتل موجود ہے اور وہ خنجر بھی لئے ہوئے ہے مگر حضرت عمر نہ اُس کو دیکھتے ہیں نہ اسکے ہتھیار کو۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اگر کہا جائے کہ خدا نے آپ کو اُس موقع پر

یہ کرامت عطا کی کہ عجم کے لشکر کو آپ نے دیکھ لیا اور قتل کے موقع پر یہ کرامت نہیں دی۔ تو خدا پر بھاری الزام آتا ہے کہ ایک معمولی لشکر کے فتح یاب ہونے کیلئے تو اس نے اتنا بڑا اہتمام کیا کہ حضرت کو عجم کے لشکر کا انجام دکھا دیا پھر حضرت عمر کی زندگی بچانے کیلئے اس نے یہ کرامت کیوں نہیں دی۔ یہ معلوم ہے کہ حضرت عمر اسلام کے بڑے فاتح۔ بڑے بادشاہ۔ بڑے مدبر تھے۔ اسلام کو آپ کے وجود کی شدید ضرورت تھی اور آپ کے اس وقت اٹھ جانے سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہونچا اور ان سب خرابیوں کا ذمہ دار خدا ہے کہ اس نے ساریہ کے حال کی طرح فیروز کے حال سے آپ کو خبر نہیں کی اور اس کا وار کام کر گیا۔ پس یا اس واقعہ کو صحیح مان کر مذکورہ بالا الزامات قبول کئے جائیں۔ یا تسلیم کیا جائے کہ یہ روایت بالکل منگھڑت اور موضوع ہے۔

ایک خاندان کی بے وجہ ہلاکت

علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے عن ابن عمر قال قال عمر بن الخطاب لرجل ما اسمک قال جمرۃ قال ابن من قال ابن شھاب قال ممن قال من الحرقۃ قال این مسکنک قال الحرۃ قال بایھا قال بذات لظے۔ فقال عمر ادرک اھلک فقد احترقوا فرجع الرجل فوجد اھلہ قد احترقوا۔ حضرت کے صاجزادے بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شخص سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟۔ اس نے کہا جمرۃ (جس کا معنے اردو میں چنگاری ہے) پوچھا کس کے بیٹے ہو؟۔ کہا شہاب کے (شہاب کا معنے آگ کا شعلہ ہے) پوچھا کس قبیلہ سے؟ کہا حرقہ سے (حرقۃ کا معنے سوزش جلن ہے)۔ پوچھا تمہارا گھر کہاں ہے؟ کہا حرۃ میں (حرۃ معنے گرمی)۔ پوچھا اسکے کس حصہ میں؟ کہا ذات لظے میں (لظے معنے شعلہ)۔ یہ سب سنکر حضرت عمر نے فرمایا جلدی جاکر دیکھو تمہارے گھر والے سب جل گئے۔ وہ شخص دوڑا ہوا آیا تو دیکھا کہ واقعاً اس کے اہل و عیال سب جل گئے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۶ ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵ وغیرہ)۔ عربی زبان میں جمرہ۔ شہاب اکثر آدمیوں کے نام ہوتے ہیں اور حرۃ۔ ذات لظے مقام کے نام ہیں اور حرقہ قبیلہ کا نام ہے۔ اور لغوی معنے سب کے آگ ہی سے متعلق ہیں۔ اتفاق سے اس شخص کا نام جمرہ۔ اسکے باپ کا شہاب۔ اسکے قبیلہ کا حرقہ۔ اس کے وطن کا حرہ اور اسکے محلہ کا ذات لظے تھا۔ ان چیزوں کا یہ نام رکھنے میں اس غریب کا کوئی قصور نہیں تھا اور نہ ان ناموں کا رکھنا کوئی جرم تھا۔ مگر ان کل باتوں کو سنکر حضرت عمر نے کہہ دیا کہ جا تیرے گھر والے

سب جل گئے۔ اور فوراً وہ سب واقعاً جل گئے۔ معمولی بات میں اس کے گھر آگ لگ گئی۔ بیوی آگ جلکر مر گئی بچے آگ بھن کر کباب ہو گئے۔ اور دوسرے لوگ علحدہ نذر آتش ہو گئے۔ اور یہ سب کیا خدا نے کیونکہ حضرت عمر تو اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے صرف اپنی زبان سے کہہ دیا کہ جا تیرے گھر والے سب جل گئے۔ مگر وہ آگ لکڑی لیکر اس کے گھر نہیں آئے نہ اس میں آگ لگائی نہ ان بیچاروں کو جلایا۔ جلانے کا کام خدا ہی نے تو انجام دیا۔ گویا خدا حضرت عمر سے اتنا ڈرا کہ ان کی زبان سے نکلی ہوئی بات کی اس نے فوراً تعمیل کر دی۔ اس روایت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ حضرت عمر کا درجہ خدا کے ہاں اتنا بلند تھا کہ جو بات ان کے منہ سے نکلتی تھی خدا اس کو فوراً انجام دیتا تھا۔ مگر خدا پر جو الزام آیا اس کی پروا نہیں کی گئی کہ خدا کا کتنا بڑا ظلم اور بے رحمی اس واقعہ سے ثابت ہوتی ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے خدا بالکل اندھا ہے کچھ نہیں دیکھتا کہ کس کا کیا قصور ہے۔ بے وجہ لوگوں کے ساتھ سفاکی کرتا رہتا ہے۔

دریائے نیل میں آپکی کرامت

یہ واقعہ بھی بہت اہمیت سے بیان کیا جاتا ہے۔ لما فتحت مصر اتی عمرو بن العاص حین دخل یوم من اشہر العجم فقالوا یا ایہا الامیر ان لنیلنا ہذا سنۃ لا یجری الا بہا۔ قال وما ذاک۔ قالوا اذا کان احدی عشرۃ لیلۃ تخلو من ہذا الشہر عمدنا الی جاریۃ بکر بین ابویہا فارضینا ابویہا وجعلنا علیہا من الثیاب والحلی افضل ما یکون۔ ثم القیناہا فی ہذا النیل۔ فقال لہم عمرو ان ہذا لا یکون ابدا فی الاسلام وان الاسلام یہدم ما کان قبلہ فاقاموا والنیل لا یجری قلیلا ولا کثیرا حتی ہموا بالجلاء۔ فلما رای ذلک عمرو کتب الی عمر بن الخطاب بذلک۔ فکتب لہ ان قد اصبت بالذی فعلت وان الاسلام یہدم ما کان قبلہ وبعث بطاقۃ فی داخل کتابہ وکتب الی عمرو انی قد بعثت الیک ببطاقۃ فی داخل کتابی فالقہا فی النیل۔ فلما قدم کتاب عمر الی عمرو بن العاص اخذ البطاقۃ ففتحہا۔ فاذا فیہا من عبد اللہ عمر امیر المومنین الی نیل مصر اما بعد فان کنت تجری من قبلک فلا تجر۔ وان کان اللہ یجریک فاسئل اللہ الواحد القہار ان یجریک فالقی البطاقۃ فی النیل قبل الصلیب بیوم فاصبحوا

وقد اجراہ اللہ تعالیٰ ستۃ عشر ذراعا فی لیلۃ واحدۃ فقطع اللہ تلک
السنۃ عن اھل مصر الی الیوم۔ جب (حضرت عمر کے عہد خلافت میں) ملک مصر فتح ہو گیا
اور اسکے فاتح عمرو بن العاص اس میں داخل ہوئے تو عجمی مہینوں سے ایک تاریخ کو مصر والوں
نے کہا اے امیر اس ملک میں جو دریائے نیل بہتا ہے اس کا ایک دستور چلا آتا ہے جس کے بغیر
یہ بہتا نہیں ہے۔ عمرو عاص نے پوچھا وہ کیا۔ لوگوں نے کہا جب اس مہینہ کی ۱۱ تاریخ ہو جاتی ہے
تو ہم لوگ ایک کنواری لڑکی کیلئے اسکے والدین کے پاس جاتے اور اسکو راضی کرکے وہ لڑکی اس
سے لے لیتے ہیں۔ اور اسے خوب اچھے اچھے لباس نیز زیوروں سے آراستہ کرکے اس نیل
میں ڈالدیتے ہیں (جس کے بعد دریا اچھی طرح بہنے لگتا ہے)۔ عمرو عاص نے ان لوگوں سے
کہا اسلام میں تو یہ دستور قائم نہیں رہ سکتا اور اسلام اپنے قبل کے کل رواج کو مٹا دینے
کے لئے آیا ہے۔ ان کی یہ بات سن کر مصر والے رک گئے اور انھوں نے کنواری لڑکی دریا میں
نہیں ڈالی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دریائے نیل کا بہنا بالکل موقوف ہو گیا۔ اس مصیبت سے
نکلنے کیلئے مصر والوں نے ارادہ کیا کہ وہاں سے جلا وطنی اختیار کرلیں۔ عمرو عاص نے یہ دیکھا
تو حضرت عمر بن الخطاب کو پورے واقعہ سے مطلع کر دیا۔ اور ان کی رائے دریافت کی۔ حضرت
عمر نے ان کو جواب لکھا کہ تم نے جو کیا یہی درست تھا اور اسلام یقیناً ان تمام رسوم کو مٹا دے گا جو
اسکے پہلے سے جاری ہیں۔ اور آپ نے اس خط کے اندر ایک دوسرا رقعہ لکھ کر رکھدیا اور
عمرو عاص کو تاکید کی کہ اس رقعہ کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ جب یہ دونوں تحریریں عمرو عاص
کے پاس پہونچیں تو انھوں نے اندر والا رقعہ بھی کھول کر پڑھ لیا۔ اس میں لکھا تھا کہ یہ رقعہ ہے
عبد اللہ عمر امیر المومنین کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کی طرف۔ اما بعد اے دریائے نیل
اگر تو اپنی خواہش سے بہتا ہے تو مت بہہ۔ اور اگر تجھے اللہ بہاتا ہے تو خدائے یکتا و قہار سے
سوال کرکے تجھے بہاتا رہے۔ عمرو عاص نے وہ رقعہ پڑھ کر دریائے نیل میں ڈالدیا۔ تاریخ معین
کو صبح کے وقت لوگ اٹھے تو دیکھا کہ (اس رقعہ کی برکت سے) خدا نے دریا کو ایک رات
میں سولہ ہاتھ بڑھا دیا۔ اس طرح اللہ نے اہل مصر کی اس رسم کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء
ص۸۶ و ریاض نضرہ جلد ۲ ص۱۲) یہ روایت اس غرض سے بنائی گئی کہ حضرت عمر کی کرامت ظاہر
اور خدا کے ہاں آپ کا اعلیٰ درجہ ثابت ہو مگر اس سے خدا کی جو توہین ہوتی ہے اس کی طرف

توجہ نہیں کی گئی۔ روایت کے الفاظ کہتے ہیں کہ مصر میں یہ رسم اسوجہ سے جاری ہوئی تھی کہ دریائے نیل اُس وقت تک بہتا نہیں تھا جب تک اس میں ایک دوشیزہ اور آراستہ لڑکی کی قربانی پیش نہیں کی جاتی تھی۔ اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ خدا ہی نے اس دریا کا جاری ہونا اس قربانی پر موقوف رکھا تھا۔ کیونکہ اس کا جاری ہونا یا رکنا دونوں خدا ہی کے اختیار میں تھا۔ اگر وہ چاہتا تو بہتا۔ اور نہ چاہتا تو رُکا رہتا۔ مگر جب تک اس میں دوشیزہ ڈالی نہیں جاتی اس وقت تک وہ بہتا نہیں تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلا کہ خدا ہی چاہتا تھا کہ ہر سال اس میں دوشیزہ لڑکی ہلاک کیجائے۔ تب خدا اسکے بہنے کا حکم دے۔ پس خدا کی صفت رحمٰن ورحیم اُس وقت کہاں چلی جاتی تھی جب وہ دریائے نیل کے بہنے کو روک دیتا تھا کہ لوگ قحط کے خوف سے پریشان ہو جاتے تھے۔ اور خدا کی یہ صفت اُس وقت بھی کہاں رہتی تھی جب دوشیزہ لڑکی اپنے باپ ماں سے حاصل کیجاتی اور آراستہ کر کے دریا میں ڈال دی جاتی تھی۔ یقیناً یہ رسم کفر و جہالت کی تھی لیکن جب دریائے نیل کا بہنا اسی پر موقوف تھا تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ فعل خدا کا نہیں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا اتنے دنوں تک یہ ظلم کیوں کرتا رہا کہ دوشیزہ لڑکیاں اس طرح اس میں ڈبوئی جاتیں۔ اگر وہ دریائے نیل کو برابر جاری رکھتا تو اہل مصر کنواری لڑکیوں کی بھینٹ بھی نہ چڑھاتے۔ ان وجوہ سے عقل یہی فیصلہ کرتی ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں بلکہ موضوع ہے اور صرف حضرت ممدوح کا تقرب الی اللہ دکھانے کیلئے بنائی گئی ہے۔

دریا پر سے لشکر کا گزرنا

مذکورۂ بالا روایت سے ملتی جلتی یہ بھی ہے (دی ان عمر لعث جندا الی مدائن کسریٰ وامر علیھم سعد بن ابی وقاص وجعل قائد الجیش خالد بن الولید فلما بلغوا شط الدجلۃ ولم یجد وا سفینۃ تقدم سعد وخالد فقالا یا بحر انک تجری بامر اللہ فبحرمۃ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ولعدل عمر خلیفۃ اللہ الا خلیتنا والعبور۔ فعبر الجیش بخیلہ وجمالہ الی المدائن ولم تبتل حوافرھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے مدائن کسریٰ کی طرف ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا سردار سعد بن ابی وقاص کو مقرر کیا اور لشکر کا افسر خالد بن ولید کو بنایا۔ جب یہ سب لوگ دریائے دجلہ کے کنارے پہونچے تو پار ہونے کے لئے کوئی کشتی نہیں ملی۔ اُس وقت سعد بن ابی وقاص اور خالد آگے بڑھے اور دریا سے خطاب کر کے کہا اے دریا تو

خدا کے حکم سے بہتا ہے۔ اب تجھ کو حضرت محمد صلعم کی عزت اور حضرت عمر خلیفہ خدا کے عدل کا واسطہ کہ ہم لوگوں کے عبور کرنے کیلئے راستہ چھوڑ دے۔ اس کے بعد پورا لشکر گھوڑوں اور اونٹوں سمیت دریا میں داخل ہو گیا اور مدائن تک اس طرح چلا گیا کہ جانوروں کے سُم بھیگے تک نہیں (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵)۔ اس روایت میں یہ امر قابل غور ہے کہ جناب سعد بن ابی وقاص اور خالد نے دریا کو حضرت رسول خدا صلعم کی حرمت اور حضرت عمر کے عدل کا واسطہ دیا ہے کہ تو راستہ چھوڑ دے۔ مگر اس امر سے چشم پوشی کی گئی کہ جناب سعد بن ابی وقاص اور خالد بن ولید کو یہ معلوم کیسے ہوا کہ ان دونوں کا واسطہ دینے سے دریا پھٹ جائیگا۔ کیونکہ ہر شخص دریا سے ڈرتا ہے اور بغیر کشتی کے اس کے اندر سے عبور کرنے کا خیال تک نہیں کرتا۔ پھر ان دونوں صاحبوں کو اس وقت اس کی امید کیونکر ہوئی کہ ایسا کرنے سے دریا کا پانی ہٹ جائے گا۔ دوسرا امر یہ کہ اگر یہ واقعہ سچا ہو تو حضرت عمر کی کرامت کیسے ہوئی کیونکہ حضرت ممدوح تو مدینہ میں تھے۔ دریا عبور کرنے والے جناب سعد بن ابی وقاص و خالد تھے۔ تو یہ کرامت انہیں دونوں بزرگوں بلکہ پورے لشکر بلکہ گھوڑوں اور اونٹوں کی قرار دینی چاہئیے۔ کہ وہ سب لشکر والے اور وہ سب گھوڑے اونٹ ایسی کرامت والے تھے کہ بغیر کشتی کے دریا عبور کر گئے اور ان کے سُم تک نہیں بھیگے اس سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت میں یہ اثر حضرت عمر ہی کے نام کا تھا کہ آپکے عدل کا واسطہ دیا گیا تو دریا خشک ہو گیا۔ حضرت رسول خدا صلعم کے نام میں یہ برکت نہیں تھی اسلئے کہ اگر یہ بات ہوتی تو یہ واقعہ آنحضرت صلعم کے معجزات میں لکھا جاتا۔ یا آنحضرت کے اسم مبارک کے کرامات میں درج کیا جاتا لیکن کسی کتاب میں ایسا نہیں ہے بلکہ خاص حضرت عمر کے کرامات میں موجود ہے۔ مگر اس واقعہ سے حضرت عمر پر یہ زبردست اعتراض ہوتا ہے کہ جب آپ کے نام میں خدا نے یہ اثر پیدا کر دیا تھا تو آپ نے ملک مصر فتح کرنے کیلئے خشکی کی طرف کا بہت ہی دور دراز راستہ کیوں اختیار کیا جس میں مسلمانوں کا بے حد و حساب مال خرچ ہوا۔ آسانی سے ینبوع یا جدہ میں فوجیں بھیجدیتے اور وہ یہیں سے بحر قلزم عبور کر جاتیں اور تھوڑی دیر میں ملک مصر میں داخل ہو کر اس پر نہایت آسانی سے قبضہ کر لیتیں۔ کیونکہ جب دجلہ کا پانی آپ کے عدل کے واسطہ سے ایسا خشک ہو گیا کہ جانوروں کے سُم تک نہیں بھیگے تو بحر قلزم کی کیا مجال تھی کہ کوئی شخص اس میں ڈوب جاتا یا فوج اس کے عبور کرنے سے عاجز رہتی۔ اگر یہ شبہہ ہو کہ حضرت عمر

کو اسکی اطلاع نہیں تھی کہ دریائے دجلہ کو وہ لشکر آپ کا نام لیکر عبور کر گیا تب بھی مشکل حل نہیں ہوتی کیونکہ ملک عجم میں ساریہ کے لشکر کو جب آپ نے دیکھ لیا کہ ہر طرف سے گھر گیا ہے اور آپ نے پکار کر کہا کہ پہاڑ پر چلے جاؤ۔ تو خود عراق میں (جو عرب ہی کا ایک حصہ ہے) سعد بن ابی وقاص اور خالد کا دریا عبور کر جانا آپ سے کس طرح مخفی رہا ہوگا۔ آپ کو تو اور جلد اطلاع ہو گئی ہوگی کہ دجلہ کے کنارے لوگوں کو کشتیاں نہیں ملیں اور ان لوگوں نے دریا کو میرے عدل کا واسطہ دیا تو وہ گھٹ گیا اور پورا لشکر آسانی سے عبور کر گیا۔ اسی طرح آپ مدینہ کے قریب کسی بندرگاہ پر فوجیں بھیجکر ان کو حکم دیتے کہ سعد بن ابی وقاص اور خالد کی طرح تم لوگ بھی بحر قلزم کو میرا واسطہ دینا وہ خشک ہو جائیگا اور تم سب عبور کر جانا۔ اگر اس کا موقع نہیں ملا تو کم از کم آپ مصری فتوح کے افسر عمرو عاص کو حکم دیتے کہ سکندریہ فتح کرنے کے بعد ہی کل فوجوں کو مڈیٹرینین سی (بحر شام یا بحر روم) میں اتار دیتے۔ وہ سب حضرت عمر کا نام لیکر پورا سمندر عبور کر جاتے اور یورپ میں داخل ہو کر پورے بر اعظم پر اسلامی جھنڈا نصب کر دیتے۔ جناب مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم و بحر قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے لیکن حضرت عمر کو جب ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو نارضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۸)

مگر جب حضرت عمر کے نام میں یہ اثر تھا کہ اس کا واسطہ دے کر فوج کی فوج دریا میں اتر جاتی اور جانوروں کے سُم تک تر نہیں ہوتے تھے تو حضرت عمر یونانیوں سے بے وجہ ڈرے۔ اول تو یوں بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر نہر سویز اُس زمانہ میں کھد گئی ہوتی تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو کیونکر اڑا لے جاتے۔ اب تو نہر سویز موجود ہے اور ہزاروں جہاز بحر روم سے بحر قلزم میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ کتنے جہازوں نے آکر حاجیوں کو اڑا لیا؟ لیکن اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اُس زمانہ میں ایسا ہوتا جب بھی حضرت عمر کے خوفزدہ ہونے کی وجہ نہیں تھی کیونکہ آپ سب مسلمانوں سے کہہ دیتے کہ جب کوئی دشمن جہاز پر سوار ہو کر اس ملک میں آئے اور یہاں کے کسی شخص یا کسی

چیز کو لے کر اڑا لے جانا چاہے تو تم لوگ فوج کی صورت میں آگے بڑھنا اور میرے عدل کا واسطہ دے کر بحر قلزم میں کود پڑنا۔ اس کا پانی تم لوگوں کیلئے خشک ہو جائے گا اور آسانی سے یونانی جہازوں کو پکڑ لینا۔ مختصر یہ کہ ایسے شبہات ثابت کرتے ہیں کہ یہ روایت بھی موضوع ہے اور اسی وجہ سے مولوی شبلی صاحب نے دریائے دجلہ کے خشک ہو جانے اور لشکر کے عبور کر جانے کی کرامت اپنی کتاب میں لکھی ہی نہیں۔

ایک عجیب قصہ جناب ممدوح کی کرامتوں میں یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ ان عمرؓ کتب الی سعد بن ابی وقاص وھو بالقادسیۃ یقول لہ وجہ نضلۃ بن معاویۃ الانصاری الی حلوان العراق لیغزو علی ضواحیھا۔ فبعث سعد نضلۃ فی ثلث مأتہ فارس۔ فخرجوا حتے اتوا حلوان العراق فاغار علے ضواحیھا واصابوا غنیمۃ وسبیا فاقبلوا الیسوقونھا حتے ارھقھم العصر وکادت الشمس لتغرب فالجأ نضلۃ السبی والغنیمۃ الی سفح الجبل ثم قام فاذن فقال اللہ اکبر اللہ اکبر فاذا مجیب من الجبل یجیبہ کبرت کبیرا یا نضلۃ ثم قال اشھد ان لا الہ الا اللہ قال کلمۃ الاخلاص یا نضلۃ۔ ثم قال اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ قال ھو الذی بشرنا بہ عیسے بن مریم وعلے راس امتہ تقوم الساعۃ۔ فقال حی علے الصلوٰۃ۔ فقال طوبی لمن مشٰی الیھا وواظب علیھا۔ قال حی علے الفلاح۔ قال افلح من اجاب۔ قال اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔ قال اخلصت الاخلاص کلہ یا نضلۃ حرم اللہ بھا جسدک علے النار۔ فلما فرغ من اذانہ قاموا۔ فقالوا من انت یرحمک اللہ ملک انت ام من الجن او طائف من عباد اللہ۔ قد اسمعنا صوتک فارنا صورتک فان الوفد وفد رسول اللہؐ و وفد عمر بن الخطابؓ قال فانفلق الجبل عن ھامۃ کالرحا ابیض الراس واللحیۃ علیہ طمران من صوف۔ قال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فقالوا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ من انت یرحمک اللہ۔ قال زریت ابن برثملا وصی العبد الصالح عیسے بن مریم اسکننی ھذا الجبل ودعا لی بطول البقاء الی

حین نزولہ من السماء فاقرؤا عمر منی السلام وقولوا یا عمر سددوقارب فقد دنا الامر واخبروہ بھذہ الخصال التی اخبرکم بھا یا عمر اذا ظھرت ھذہ الخصال فی امۃ محمد فالھرب الھرب... ثم غاب عنھم فلم یروہ۔ فکتب نضلۃ بذلک الی سعد وکتب سعد بذلک الی عمر فکتب الیہ عمر سرانت ومن معک من المھاجرین والانصار حتی تنزلوا بھذا الجبل فان لقیتہ فاقرئہ منی السلام۔ فخرج سعد فی اربعۃ الاف من المھاجرین والانصار حتی نزلوا ذلک الجبل ومکث اربعین یوما ینادی بالصلوۃ فلا یجدون جوابا ولا یسمعون خطابا۔ جب جناب سعد بن ابی وقاص قادسیہ میں تھے تو حضرت عمر نے ان کو لکھا کہ تم نضلہ بن معویہ انصاری کو حلوان عراق کی طرف روانہ کرو کہ وہ اسکے اطراف میں جاکر لوگوں پر حملہ کریں۔ سعد نے تین سو سواروں کے ساتھ نضلہ کو اُن اطراف میں روانہ کردیا۔ وہ لوگ وہاں سے چل کر حلوان عراق میں پہونچے اور اس کے اطراف میں لوٹ مار کا سلسلہ جاری کردیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل اور قیدی گرفتار کیا۔ ان سب کو لے کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا اور آفتاب غروب ہونے کے قریب پہونچ گیا۔ مجبوراً نضلہ نے قیدیوں اور اموال غنیمت کو پہاڑ کے کنارے محفوظ کردیا اور کھڑے ہو کر اذان دینے لگے۔ ابھی اللّٰہ اکبر۔ اللہ اکبر ہی کہنے پائے تھے کہ ناگاہ پہاڑ کے اندر سے ایک شخص نے آواز دی: اے نضلہ تم نے اچھی تکبیر کہی۔ پھر نضلہ نے کہا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ اس پر بھی اس غیبی شخص نے پکار کر کہا اے نضلہ یہ اخلاص کا کلمہ ہے۔ پھر کہا اشہد ان محمدا رسول اللہ۔ اب اس غیبی شخص نے کہا یہی وہ بزرگ ہیں جنکی خوشخبری ہمیں جناب عیسیٰ بن مریم نے دی تھی اور انہیں کی امت کے خاتمہ پر قیامت قائم ہو گی۔ پھر نضلہ نے کہا حی علی الصلوۃ۔ اس پر اس غیبی شخص نے کہا کیا خوب انجام ہے اس شخص کا جو نماز کی طرف چلے اور اس کی پابندی کرے۔ پھر نضلہ نے کہا حی علی الفلاح۔ اس پر اس غیبی شخص نے کہا جو شخص اس کو مان لے وہ بہت کامیاب ہے۔ پھر نضلہ نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ۔ اس پر اس غیبی بولنے والے نے کہا اے نضلہ تم نے پورے اخلاص کو ظاہر کیا۔ اس کی وجہ سے خدا تمھارے بدن کو آگ پر

حرام کر دے۔ پھر جب نضلہ اپنی اذان سے فارغ ہوئے تو سب لوگ کھڑے ہو گئے اور اس غیبی آواز کو مخاطب کر کے کہا اے بھائی خدا تم پر رحم کرے تم کون ہو؟ فرشتہ ہو یا جن ہو۔ یا بندگان خدا سے کوئی طائفہ ہو؟۔ ہم سب لوگوں نے تمہاری آواز تو سنی۔ اب اپنی صورت بھی دکھا دو کیونکہ یہ حضرت رسول خدا صلعم کی فوج اور حضرت کا لشکر ہے۔ اس بات پر پہاڑ شگافتہ ہوا اور اس کے اندر سے ایک اُلّو (یا ایک سر[1]) نکلا جو چکی ایسا تھا۔ اس کا سر اور ڈاڑھی دونوں سفید تھے۔ اس کے اوپر دو پرانے بوسیدہ اونی کپڑے تھے۔ اس نے نکل کر کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نضلہ اور ان کے ساتھیوں نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر پوچھا آپ کون ہیں خدا آپ پر اپنی رحمت نازل کرے اس نے کہا "میں زریت بن برثملا عبد صالح حضرت عیسیٰ ابن مریم کا وصی ہوں۔ انھوں نے مجھے اس پہاڑ میں سکونت اختیار کرنے کو کہا اور میرے لئے طول عمر کی دعا کی کہ جب تک وہ آسمان سے دنیا میں دوبارہ نازل ہوں اس وقت تک میں زندہ رہوں۔ تم سب لوگ میرا سلام عمر سے کہہ دینا اور یہ پیغام بھی پہونچا دینا کہ اے عمر ٹھیک طرح سے چلو اور سب کو برابر حصہ دو کیونکہ قیامت قریب ہے۔ اور تم لوگ میری ان باتوں کی خبر بھی ان کو کر دینا جن کی اطلاع میں تم لوگوں کو دیئے دیتا ہوں۔ اے عمر جب حضرت محمدؐ کی امت میں یہ خصلتیں ظاہر ہو جائیں تو دیکھو بھاگ جانا۔ بھاگ جانا۔ اسکے بعد بہت سی نصیحتیں کر کے وہ الو یا وہ سر غائب ہو گیا اور پھر ان لوگوں نے اس الو یا اس سر کو نہیں دیکھا۔ نضلہ نے اس عجیب و غریب واقعہ کی اطلاع سردار فوج سعد بن ابی وقاص کو دی اور انھوں نے

---

[1] ہامہ کا معنے اُلّو بھی ہے اور سر بھی۔ چونکہ اس کے بعد ہے کہ اس ہامہ کا سر سفید تھا اس سبب سے اس جگہ ہامہ سے مراد غالباً الو ہی ہوگا۔ مولوی وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے "ہامہ الو کو کہتے ہیں۔ عرب لوگ اس کو منحوس سمجھتے اور کہتے کہ جو شخص قتل کیا جائے اور اس کا قصاص نہ لیا جائے تو اس کی روح اُلّو بن کر جابجا پکارتی پھرتی ہے۔ مجھ کو پانی پلاؤ۔ جب اس کا قصاص لے لیا جاتا ہے تو اڑ جاتی ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۲۷ صفحہ ۱۴۴) لیکن اگر ہامہ کا معنے سر یا کھوپڑی ہی قرار دیا جائے تو معنے بگڑ جائیگا کیونکہ کھوپڑی سے علحدہ سر یا ایک سر میں دوسرا سر کیونکر ہو سکتا ہے۔ ۱۲

اس حادثہ سے حضرت عمر کو باخبر کردیا۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو لکھ بھیجا کہ تم اور تمھاری فوج میں جس قدر مہاجرین و انصار ہیں سب اُس طرف جاؤ اور جب اُس پہاڑ کے پاس پہونچو تو اوتر پڑو۔ وہاں اگر اس الویاسر سے ملاقات ہو تو اس کو میرا بھی سلام کہہ دو۔ سعد بن ابی وقاص مہاجرین و انصار کی چار ہزار فوج کے ساتھ اس طرف روانہ ہوئے یہاں تک کہ اس پہاڑ کے پاس اتر پڑے اور چالیس دن تک وہاں ٹھہر کر نماز کی منادی کراتے رہے مگر ان کو نہ کسی بات کا جواب ملا اور نہ انھوں نے کوئی خطاب سنا (ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱) یہ روایت اس غرض سے بنائی گئی کہ معلوم ہو حضرت عمر کا درجہ اتنا بڑا تھا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے وصی زریت بن برثملا نے آپ کو غائبانہ سلام کہلایا اور ان کو چند نصیحتیں کیں۔ مگر اس سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کی طرف روایت کے وضع کرنے والوں کی توجہ نہیں ہوئی مثلاً حضرت عیسیٰ کے وصی و خلیفہ کا نام شمعون تھا چنانچہ مورخین نے لکھا ہے از جملہ وصایائے عیسیٰ یکے آں بود کہ خدائے تعالےٰ مرا امر فرمودہ است کہ شمعون را بر شما خلیفہ گردانم و حواریان خلافت وے قبول کردند۔ حضرت عیسیٰ کی وصیتوں سے ایک یہ بھی تھی کہ فرمایا خدائے تعالےٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ شمعون کو تم لوگوں پر اپنا خلیفہ مقرر کروں اور آپ کے حواریوں نے ان کی خلافت قبول بھی کرلی (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۱۸۴) پس اگر زریت بن برثملا حضرت عیسیٰ کے وصی ہوتے تو ان کا نام تاریخ کی کتابوں میں ضرور ہوتا۔ لطف یہ کہ حضرت عیسیٰ کے ۱۲ حواری (خاص دوست۔ رفیق۔ ہمدرد۔ مددگار) تھے ان کے نام یہ ہیں شمعون الصفا۔ اندراوس یعقوب بن زندی۔ شمعون القنانی۔ یعقوب بن حلقی۔ پولوس۔ یوحنا۔ برتولوماوس۔ لوقا۔ متے۔ مارقوس۔ یہودا۔ ان میں کوئی بھی زریت بن برثملا نہیں ہے۔ پس یہ زریت بن برثملا کون اور کیسے وصی جناب عیسیٰ تھے جن کا ذکر نہ آپ کے وصیوں میں ملتا ہے نہ آپ کے حواریوں میں آپ کا پتا ملتا ہے۔ تاریخ کی بڑی معتبر کتاب تاریخ طبری ہے اس میں بھی حضرت عیسیٰ کے ان وصی کا ذکر نہیں ملا۔ دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ زریت بن برثملا کا سراپا چہرہ اس وقت کیوں نظر نہیں آیا اور بجائے اس کے ایک ہامہ (الو یا کھوپڑی) کیوں دکھائی دیا۔ تیسرا امر یہ کہ جب حضرت عمر نے اس کو جواب سلام کہلا بھیجا اور سعد بن ابی وقاص چار ہزار مہاجرین و انصار کے ساتھ وہاں گئے اور چالیس روز تک ٹھہر کر برابر چیختے اور نماز کی صورت میں منادی کراتے رہے

تو اب وہ شخص کیوں نہیں آیا بلکہ پہلے سے جلد تر اب اس کو وہاں پہونچنا چاہیئے تھا کیونکہ حضرت عمر نے خود اس کو جواب سلام بھیجا تھا۔ اگر وہ واقعاً حضرت عمر کی عزت کرتا تھا تو اس کو اس دفعہ وہاں پہونچنے اور حضرت عمر کا پیغام سننے میں زیادہ مستعدی دکھانی چاہیئے تھی۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ نضلہ بن معویہ کی تعظیم کے لئے اس کی فوج کی آواز سنکر پہونچ گیا اور حقیقت میں اوسی کی کرامت ظاہر کرنی چاہی کہ وہاں خود سے آیا۔ خود ہی ان لوگوں سے باتیں کیں اور خود ہی ان کو اپنی کھوپڑی دکھائی لیکن سعد بن ابی وقاص کے پہونچنے اور حضرت عمر کا جواب آنے پر اس نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ یہ لوگ چالیس روز تک چیختے چلاتے اور منادی کرتے رہ گئے مگر اب اس نے ان کی ایک بات کی طرف بھی توجہ نہیں کی۔ اس سے تو درحقیقت حضرت عمر کی توہین اور ذلت ثابت ہوتی ہے کہ آپ کے خاص قائم مقام وہاں جاکر اس کو جواب سلام پہونچانے کیلئے بلاتے رہے۔ مگر اس نے نہ ان کو قابل خطاب سمجھا اور نہ حضرت عمر کو اس قابل جانا کہ ان کا سلام قبول کرے۔ اتنی خرابیوں کے بعد بھی یہ روایت حضرت کے فضائل میں شد و مد کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ "عالم ربانی جنید زمانی محمد اسمعیل بخاری ثانی۔ عالم اوحد و فاضل امجد۔ یگانۂ عصر و یکتائے دہر" مولوی شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی اپنی مشہور کتاب ازالۃ الخفاء میں نقل کیا ہے (دیکھو کتاب مذکور مقصد دوم ص ۱۶۷)

آسمانی آواز

یہ روایت بھی قابل لحاظ ہے عن خوات ابن جبیر قال اصاب الناس قحط شدید علی عہد عمر فامرھم بالخروج الی الاستسقاء فصلے بھم رکعتین وخالف بین طرفی ردائه فجعل الیمین علی الیسار والیسار علے الیمین ثم بسط یدیه وقال اللھم انا نستغفرك ونستعینك فما برح حتی مطروا۔ فبینما ھم کذلك اذ قدم الاعراب فاتوا عمر فقالوا یا امیر المومنین بینا نحن فی بوادینا فی یوم کذا فی ساعة کذا اذ اظلتنا غمامة فسمعنا فیھا صوتا وھو یقول اتاك الغوث ابا حفص اتاك الغوث ابا حفص۔ خوات بن جبیر بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ باہر نکل کر چلو اور نماز استسقاء

پڑھو۔ وہاں آپ نے ان لوگوں کو نماز استسقاء کی دو رکعتیں پڑھائیں پھر ہاتھ پھیلا کر دعا کی کہ اے خدا ہم تجھ سے اپنی خطاؤں کی مغفرت چاہتے اور تیری مدد کی درخواست کرتے ہیں۔ ابھی آپ اسی طرح دعا کرتے تھے کہ فوراً پانی اچھی طرح برسنے لگا۔ وہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ دیہاتوں کے کچھ بدوی لوگ وہاں پہونچے اور حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اے امیر المومنین ہم لوگ فلاں تاریخ میں فلاں وقت پر اپنے اپنے میدانوں میں تھے کہ دفعتہً ہم لوگوں کے سروں پر ایک ابر آگیا۔ اسکے بعد ہم لوگوں نے سنا کہ اس ابر کے اندر سے ایک آواز آتی ہے کہ اے ابو حفصہ (عمر) تمھارے پاس مدد آگئی۔ اے ابو حفصہ (عمر) تمھارے پاس مدد آگئی (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صـ ۱۴۷) کس درجہ مضحکہ خیز روایت ہے کہ حضرت عمر نے دعا کی۔ نماز استسقاء پڑھی۔ خدا سے مدد کی دعا کی۔ لیکن آپ کو وہاں کوئی آواز سنائی نہیں دی اور نہ وہاں کے مسلمانوں نے کوئی آواز سنی۔ لیکن وہاں سے بہت دور مختلف مقامات کے دیہاتوں میں وہاں کے باشندوں نے ابر بھی دیکھا۔ اس سے آواز نکلتے بھی سنی۔ اور یہ بھی سنا کہ وہ آواز حضرت کو خطاب کر کے کہتی ہے کہ مدد آگئی۔ مدد آگئی۔ اگر حضرت عمر کے جواب میں ہاتف غیبی نے کچھ کہا تھا تو اسکا ابر مدینہ میں آنا چاہیے تھا۔ وہاں کے مسلمانوں کو وہ آواز سننی تھی۔ اور خاصکر حضرت عمر کے سر پر آکر اس آواز کو شور کرنا تھا کہ آپ بھی سنتے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی خبر ہو جاتی کہ خدا نے حضرت عمر کے استغاثہ کا جواب بھیجدیا۔ یہ کیا کہ جواب تو دیا جا رہا ہے حضرت عمر کو اور اس کی آواز سنائی جا رہی ہے دور دراز کے دیہاتی عربوں کو جہاں سے حضرت عمر تک نہ وہ آواز پہونچی نہ ان کو یقین ہوا کہ ان کے جواب میں خدا نے کوئی بات کہی۔ جب خدا کو مکھی تک کو وحی نازل کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا جیسا کہ خود فرمایا ہے واوحی ربک الی النحل پروردگار نے شہد کی مکھی پر وحی کی (پ۱۴ ع ۱۵) تو خود حضرت عمر کو مخاطب کر کے اتاک الغوث کہنے میں کیا مانع ہوا۔ اسکے سوا کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ روایت موضوع ہے اور صرف خوش اعتقاد لوگوں کی ایجاد ہے۔

خلیل ثانی کی ملاقاۃ

یہ روایت بھی ذکر کیجاتی ہے لما دخل ابو مسلم الخولانی المدینۃ من الیمن وکان الاسود بن قیس الذی ادعی النبوۃ بالیمن عرض علیہ ان یشھد انہ رسول اللہ فابی۔ فقال اتشھد

ان محمدا رسول اللہ ۔ قال نعم ۔ فامر بتاجیج نار عظیمۃ فالقی فیھا ابو مسلم فلم تضرہ فامرہ بنفیہ من بلادہ فقدم المدینۃ ۔ فلما دخل من باب المسجد قال عمر ھذا صاحبکم الذی زعم الاسود الکذاب انہ یحرقہ فنجاہ اللہ منھا ۔ ولم یکن القوم ولا عمر سمعوا قضیتہ ولا راوہ ثم قام الیہ واعتنقہ وقال الست عبد اللہ بن ثوب ۔ قال بلےٰ فبکیٰ عمر ثم قال الحمد للہ الذی لم یمتنی حتےٰ ارانی فی امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شبیھا بابراھیم الخلیل علیہ السلام ۔ جب ابو مسلم خولانی یمن سے آکر مدینہ میں داخل ہوا اور اسود بن قیس جس نے ملک یمن میں نبوت کا دعوےٰ کیا تھا اس پر یہ بات پیش کی تھی کہ وہ بھی اس (اسود بن قیس) کی نبوت کی گواہی دے (یعنی اس کو بھی نبی مانے) مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس پر اسود نے اس سے پوچھا کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ محمد (صلعم) خدا کے نبی اور رسول ہیں؟ ابو مسلم نے کہا ہاں۔ اسود بن قیس نے حکم دیا کہ آگ کا انبار کیا جائے اور اس میں ابو مسلم ڈال دیا گیا۔ مگر آگ نے اسکو کچھ بھی نقصان نہیں پہونچایا۔ یہ دیکھ کر اسود بن قیس نے حکم دیا کہ ابو مسلم کو یمن سے جلاوطن کر دیا جائے۔ لہذا وہاں سے نکل کر وہ مدینہ میں پہونچا۔ یہاں جب وہ باب مسجد سے داخل ہوا تو حضرت عمر نے کہا اے مسلمانو! یہی تمھارا وہ ہم مذہب مسلمان بھائی ہے جس کے بارے میں اسود کذاب نے چاہا تھا کہ آگ میں جلا دے مگر خدا نے اس کو اس آگ سے بچا دیا۔ حالانکہ اس کے واقعہ کو اس وقت تک نہ حضرت عمر ہی نے سنا تھا اور نہ مدینہ کے مسلمانوں ہی نے اور نہ ان لوگوں نے ابتک اس کی صورت دیکھی تھی۔ اسکے بعد حضرت عمر کھڑے ہو کر اسکے گلے سے لپٹ گئے اور کہا کیا تم عبداللہ بن ثوب نہیں ہو؟ اس نے کہا ہاں میں ہی وہ ہوں۔ یہ سنکر حضرت عمر رونے لگے پھر کہا اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اس وقت تک موت نہیں دی جب تک حضرت محمدؐ کی امت میں حضرت ابراہیمؑ کا مثل و نظیر مجھے نہیں دکھا دیا (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص ۱۶۷)

یہ روایت اس لئے بنائی گئی کہ معلوم ہو حضرت عمر کو علم غیب حاصل تھا۔ اور ابو مسلم کے واقعہ کو انھوں نے بغیر دیکھے بغیر سنے خود ہی بیان کر دیا۔ مگر لطف یہ ہے کہ یہی حضرات بڑے زور شور سے بیان کرتے ہیں کہ غیب کا علم خدا کے سوائے کسی کو نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ حضرت رسولخداؐ

بارے میں بھی وہ یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت اس سے محروم تھے۔ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ مسئلہ شروع سے مسلمانوں کے درمیان معرکہ جنگ وجدال بنا رہا ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم کو بھی علم غیب خدا کے عطیہ کے طور پر حاصل تھا۔ اور اہلسنت خصوصاً اہلحدیث حضرات اس سے برابر انکار کرتے اور کسی طرح تسلیم نہیں کرتے ہیں بلکہ دعوے کرتے ہیں کہ علم غیب خدا کے مخصوصات سے ہے۔ باوجود اسکے حضرت عمر کے بارے میں ایسی روایتیں نہ صرف ذکر ہی نہیں کرتے بلکہ اس کی صحت پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا درجہ حضرت رسولخدا صلعم سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ [۱]

مالک اشتر کیلئے بددعا

اسی طرح کا یہ واقعہ بھی ہے عن عبد اللہ بن مسلمۃ قال دخلنا علی عمر معشر وفد مذحج وکنت من اقربھم منہ مجلسا۔ فجعل عمر ینظر الی الاشتر ویصوب فیہ نظرہ ثم قال لی امنکم ھذا۔ فقلت نعم۔ قال قاتلہ اللہ وکفی اللہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شرہ واللہ انی لاحسب منہ للمسلمین یوما عصیبا قال فکان ذلک منہ بعد عشرین سنۃ۔ عبد اللہ بن مسلمۃ بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ قبیلہ مذحج کے وفد ایک دفعہ حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے اور میں ہی حضرت عمر کے پاس بیٹھا تو حضرت عمر مالک اشتر کی طرف دیکھنے اور بار بار ان کو گھورنے لگے۔ پھر مجھ سے فرمایا یہ شخص (مالک اشتر) بھی تم ہی لوگوں سے ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ تب آپنے فرمایا خدا اس کو قتل کرے اور اللہ اسکے شر و فساد سے محمدؐ کی امت کو بچائے۔ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ ایک روز مسلمانوں کو اس شخص سے بہت سخت دن دیکھنا ہوگا۔ جیسا حضرت عمر نے فرمایا تھا بیس سال کے بعد ویسا ہی واقع ہوا (ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۱۶۹) یہ مالک اشتر وہی ہیں جو حضرت علیؑ کے لشکر کے بہادر تھے اور جنگ صفین میں ان کے قابل قدر کارنامے ہوئے۔ حضرت عمر نے بددعا دی کہ خدا ان کو قتل کرے اور مسلمانوں کو ان کی تلوار سے بچائے۔ روایت وفتنہ

---

[۱] لطف یہ ہے کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا بھی اہلحدیث بلکہ پیشوائے فرقہ اہلحدیث مانے جاتے ہیں مگر حضرت عمر کا علم غیب جس روایت سے ثابت ہوتا ہے اسکو وہ بھی تسلیم کرتے اور اپنی کتاب میں الطمینان سے درج کرتے ہیں ۱۲ م

کرنے والوں نے صرف یہ دیکھا کہ اس سے آپ کا علم غیب ثابت ہوگا لہذا بنا دیا مگر یہ نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھ آپ کی توہین بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ آپ نے خدا سے دعا کی کہ مالک اشتر کو قتل کرے لیکن خدا نے آپ کی دعا قبول نہیں کی نہ مالک اشتر کو قتل کیا اور نہ ان کی تلوار سے مسلمانوں کو بچایا۔ حالانکہ حضرت عمر نے پانی برسنے کی دعا کی تو جنگلوں میں خدا نے پکارا کہ اے ابوحفصہ در تمھارے پاس آگئی۔ پھر خدا نے مالک اشتر کے قتل کے بارے میں حضرت عمر کی دعا کیوں نہیں سنی اور اسی وقت ان کو قتل کیوں نہیں کر دیا اور مسلمانوں کو ان کی تلوار سے امان کیوں نہیں دی؟

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت عمر جانتے تھے کہ ان سے مسلمانوں میں خون ریزی ہوگی تو اسی وقت ان سے کیوں نہ کہا کہ مر جاؤ اور وہ مر جاتے۔ جیسا ایک دوسرے موقع پر ایک شخص حمیرہ سے کہہ دیا تھا کہ جا دیکھ تیرے سب گھر والے جل گئے۔ اور واقعاً وہ سب جل گئے تھے (دیکھو اسی کتاب کا صفحہ ۸۰) حالانکہ حمیرہ سے کسی کو نقصان پہونچنے والا نہیں تھا۔

آپ کی موت پر اسلام کا گریہ

یہ حدیث بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا قال لی جبرئیل لیبک الاسلام علی موت عمر۔ اسلام کو چاہئیے کہ جب عمر مریں تو ان پر گریہ و بکا کرے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۶) اسلام کے سردار تو حضرت رسولخدا صلعم ہیں۔ اس وجہ سے حضرت کی وفات پر اسلام کا رونا زیادہ مناسب تھا مگر اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ اور حضرت عمر کیلئے یہ حدیث ہے جس کا مطلب بادی النظر میں یہی نکلتا ہے کہ حضرت عمر کا درجہ حضرت رسولخدا صلعم سے بڑھا ہوا تھا۔ اسوجہ سے اسلام ان پر روئے۔ ان کا ماتم کرے۔

خدا کا مصافحہ

یہ روایت بھی قابل دید ہے۔ اول من یصافحہ الحق عمر و اول من یسلم علیہ و اول من یاخذ بیدہ فیدخلہ الجنۃ۔ قیامت کے روز خدا سب سے پہلے حضرت عمر سے مصافحہ کریگا اور سب سے پہلے حضرت عمر پر سلام کریگا اور سب سے پہلے انہیں کا ہاتھ پکڑ کر بہشت میں داخل کریگا۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۶) ان کل امور سے حضرت عمر کا حضرت رسول خدا صلعم سے افضل ہونا واضح ہوتا ہے۔ ورنہ اولیت کا فائدہ کیا ہوگا؟ غرض رسول خداؐ پیچھے رہینگے اور حضرت عمر آپ کے آگے۔

سب سے افضل

یہ حدیث بھی ویسی ہی ہے۔ ابوبکر و عمر خیر اهل السماوات والارض و

خیر من بقی الی یوم القیامۃ۔ کل فرشتوں سے اور قیامت تک جس قدر آدمی ہونگے ان سب سے بہتر ابوبکر و عمر ہیں۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۳)۔ اس سے واضح ہوا کہ آپ کا درجہ کل انبیاء و مرسلین اور کل فرشتوں بلکہ خود حضرت رسول خدا صلعم سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ پس یا آپ کو آنحضرت صلعم سے بھی افضل تسلیم کر لیا جائے۔ یا مانا جائے کہ یہ اور ایسی کل روایتیں موضوع ہیں اور صرف آپ کی فضیلت ثابت کرنے کیلئے بنائی گئی ہیں۔ یہ حدیث بھی اسی قسم کی ہے بلکہ اس سے حضرت علی کی توہین بھی کی گئی ہے۔ اول من یختصم من ھذہ الامۃ بین یدی الرب علی و معویۃ اول من یدخل الجنۃ ابوبکر و عمر۔ اس امت سے خدا کے سامنے سب سے پہلے علی و معویہ لڑینگے اور سب سے پہلے بہشت میں ابوبکر و عمر داخل ہونگے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۴) نتیجہ واضح ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم سے بھی پہلے یہ حضرات بہشت میں جائینگے۔

چالیس مقام پر خدا کی موافقت

اور بعض وہ حدیثیں لکھی گئی ہیں جنمیں مذکور ہے کہ مذہب کی متعدد باتوں میں خدا نے حضرت عمر ہی کی تائید کی ایک روایت میں ہے کہ آپ بیان کرتے تھے چالیس مقام پر خدا نے موافقت کی۔ عن عمر قال وافقت ربی فی اربعین۔ چالیس مقام پہ خدا کی رائے میری رائے کے موافق ہوئی۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۲۸)۔ اس کا نتیجہ بھی یہی ہے کہ آپ تشریع میں خدا کے شریک تھے۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

آپ کے فضائل میں یہ حدیث بھی درج کی گئی ہے عن عمر قال ما بلت قائما منذ اسلمت۔ حضرت عمر فرماتے تھے کہ میں جب سے مسلمان ہوا کبھی بھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۲۹) حالانکہ آپ کا مشہور قول ہے کہ البول قائما احصن للدبر۔ یعنی کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے دبر کی زیادہ حفاظت ہوتی ہے (کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۱۲۷)۔ پس جب یہ بات تھی تو حضرت خود اسکے خلاف کیونکر عمل کرتے۔ اس سے اس حدیث کی صحت میں شبہہ ہوتا ہے۔

گھوڑے کی سواری

آپ کے گھوڑے پر سوار ہونے کی یہ صورت لکھی ہے عن اسلم قال رائیت عمر بن الخطاب یاخذ باذن الفرس و یاخذ بیدہ الاخری اذنہ ثم ینزو علی متن الفرس۔ اسلم بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا حضرت عمر اپنے ایک ہاتھ سے گھوڑے کا کان اور دوسرے ہاتھ سے اپنا کان پکڑتے تھے اسکے بعد

کود کر یا اوچھل کر گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جاتے تھے (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۳۱) یہ روایت حضرت کے خاص فضائل از قسم افعال میں درج کی گئی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو کس خیال سے لکھا گیا۔ آیا اس وجہ سے کہ اس سے آپ کی سپاہگری واضح ہوتی ہے یا اس سبب سے کہ آپ کے گھوڑے پر چڑھنے کا ہنر نمایاں ہوتا ہے۔ یا اس مقصود سے کہ معلوم ہو کہ آپ کمال درجہ عدل برتتے تھے کہ اگر گھوڑے کا ایک کان پکڑتے تھے تو اپنا بھی ایک کان پکڑ لیتے تھے مگر اس سے بھی عدل ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس خیال سے تو آپ کو اس کی سواری کا ترک کر دینا مناسب تھا۔ جب آپ اس پر سوار ہوتے اور اس کو ایڑ لگا کر اور کوڑا مار کر تمام لیجاتے تھے تو اس اصول کا عدل کیونکر باقی رہا۔ غرض سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ واقعہ آپ کے فضائل میں کس حیثیت سے درج کیا گیا۔

شیاطین کا مقید ہونا

یہ روایت بھی موجود ہے۔ ان الشیاطین کانت مصفدۃ فی امارۃ عمر فلما اصیب بثت۔ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں کل شیاطین مقید ہو گئے تھے۔ جب وہ قتل کر دیئے گئے تو سب آزاد ہو کر ہر طرف پھیل گئے (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۳۱) اس سے بھی مقصود یہ ہے کہ آپ کی فضیلت حضرت رسولخدا صلعم پر بھی ثابت ہو جائے کیونکہ صحیح بخاری کی روایتیں بتاتی ہیں کہ خود حضرت رسول خدا صلعم پر بھی شیطان مسلط رہتا تھا اور یہ روایت کہتی ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں دوسروں کو بھی شیطانی سے امن تھا کہ وہ کسی کو بہکا نہیں سکتے تھے۔ پس جس خلیفہ کے عہد خلافت میں معمولی مسلمانوں پر بھی شیطان نہیں پہونچ سکتا ہو اس کا خود اُس رسول سے جس پر شیطان مسلط رہتا ہو افضل ہونا کوئی مخفی امر نہیں ہو سکتا۔

نماز صبح میں سورۂ یوسف

یہ روایت بھی ہے عن عبید بن عمیر قال صلے بنا عمر بن الخطاب صلوٰۃ الفجر فافتتح سورۃ یوسف فقرأھا حتے اذا بلغ وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم بکے حتی انقطع فرکع۔ عبید بن عمیر بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے ہم لوگوں کو صبح کی نماز جماعت پڑھائی اور پہلی ہی رکعت میں سورۂ یوسف پڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ جب آیۂ وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم (رنج و اندوہ سے حضرت یعقوب کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ بڑے رنج کے ضابط تھے) تک پہونچے تو رونے لگے یہانتک کہ ان کی آواز بند ہو گئی اور وہ رکوع میں چلے گئے۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۳۷) یہ روایت اس غرض سے بنائی گئی کہ معلوم ہو آپ کو عبادت کا اس

درجہ شوق تھا کہ آپ نماز صبح میں بھی سورہ یوسف ایسی طویل سورہ پڑھتے تھے۔ گراس سے جو خرابیاں پیدا ہوتی اور حضرت عمر پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان سے چشم پوشی کرلی گئی۔ امام کو حکم ہے کہ نماز جماعت میں امومین کا زیادہ خیال رکھے اور ان کی رعایت سے نماز مختصر پڑھے۔ حضرت رسولخدا صلعم کا حکم ہے اذا اممت قوما فاخف بھم الصلوٰۃ۔ جب لوگوں کو تم نماز جماعت پڑھاؤ تو مختصر سورہ اور دعائیں پڑھو۔ اذا صلے احدکم بالناس فلیخفف فان فیھم الضعیف والسقیم والکبیر واذا صلے احدکم لنفسہ فلیطول ماشاء۔ جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز با جماعت پڑھائے تو نماز میں تخفیف کرے کیونکہ پیچھے پڑھنے والوں میں کمزور بھی ہوں گے۔ بیمار بھی۔ اور بوڑھے بھی۔ ہاں جب تم اپنی نماز تنہا پڑھو تو جس قدر چاہو اس میں طول دو۔ ام قومک فمن ام قومہ فلیخفف فان فیھم الکبیر وان فیھم المریض وان فیھم الضعیف وان فیھم ذا الحاجۃ۔ فاذا صلے احدکم وحدہ فلیصل کیف شاء۔ تم اپنی قوم کو نماز جماعت پڑھاؤ۔ اور جب کوئی شخص اپنی قوم کو نماز جماعۃ پڑھائے تو نماز کی سورہ اور دعاؤں میں تخفیف کیا کرے کیونکہ نماز پڑھنے والوں میں بیمار۔ کمزور اور صاحبان ضروریات و حاجات بھی ہوتے ہیں۔ انی لاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی الصلوٰۃ۔ حضرت رسول خدا صلعم اپنے بارے میں فرماتے تھے کہ میں نماز پڑھاتے وقت بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں اس وجہ سے اپنی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں[1]۔ یا معاذ لاتکن فتانا فانہ یصلی وراءک الکبیر والضعیف

[1] جناب مولوی وحید الزماں خانصاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا تجوزوا فی الصلوٰۃ نماز ہلکی اور مختصر پڑھو یعنی جماعت کی نماز۔ مطلب یہ ہے کہ قرأۃ مختصر کرو تاکہ مقتدیوں کو تکلیف نہ ہو۔ اکیلے اگر نماز پڑھتا ہو تو جتنا چاہے طول دے سکتا ہے۔ ہمارے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نہایت مختصر نماز پڑھا کرتے کہ لوگوں کو ان پر تعجب ہوتا۔ بعضے بیوتوں کی عادت ہے کہ جماعت کی نماز میں سنت کے خلاف طول دیا کرتے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو جلدی جلدی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ یہ شیطان کے پیر اور پیغمبر صاحب کے مخالف ہیں۔ مختصر کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ رکوع اور سجدہ اور قومہ اور قعدہ وغیرہ برابر ادا نہ کرے کیونکہ تعدیل ارکان تو اہل حدیث کے نزدیک فرض ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہی سورتیں یا ان کے برابر والی سورتیں نماز میں پڑھے جو آنحضرتؐ سے ہر نماز میں ماثور ہیں۔" (انوار اللغۃ پارہ ۳ صفحہ ۹۵) اسی قسم کی اور عبارتیں بھی ممدوح نے اس کتاب میں کئی جگہ لکھی ہیں ۱۲ منہ

وذوالحاجۃ والمسافر۔ اے معاذ تم لوگوں میں خرابی ڈالنے والے نہ ہو۔ کیونکہ تمہارے پیچھے بوڑھے کمزور۔ ضرورت مند اور مسافر (ہر قسم کے لوگ) نماز پڑھتے ہیں۔ یامعاذ افتان انت فلولا صلیت بسبح اسم ربک الاعلی والشمس وضحاھا واللیل اذا یغشی فانہ یصلی وراءک الکبیر والضعیف وذوالحاجۃ۔ اے معاذ نماز میں خرابی ڈالنے والے نہ ہو۔ پس اگر نماز میں سورۂ سبح اسم ربک الاعلی اور سورہ والشمس وضحاھا وغیرہ نہ پڑھتے تو کیا ہوتا[1] پس جب حضرت رسول خدا صلعم سورہ سبح اسم ربک اور سورۂ والشمس تک کا نماز جماعت میں پڑھنا باعث اعتراض سمجھیں اور اس کی وجہ سے معاذ صحابی پر خفا ہوں تو کسی شخص کو اس سے بھی بڑی سورۃ کا پڑھنا اور وہ بھی نماز صبح میں جس کا وقت بہت تنگ ہوتا ہے کس درجہ نامناسب ہے پس اگر اس روایت کو مانیں تو حضرت عمر پر بڑے اعتراضات ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے عقل کہتی ہے کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔

رسول ڈھول سنتے مگر حضرت عمر کیلئے بند کر دیا جاتا اگر صرف ایسی حدیثیں وضع کی جاتیں جن سے محض حضرت ممدوح کے فضائل ثابت ہوتے تو ایک ہی مصیبت تھی۔ مگر کس قدر صدمہ ہوتا ہے اس وقت جب اس قسم کی حدیثیں بھی نہایت کثرت سے ملتی ہیں جن سے ایک طرف حضرت عمر کی مدح پیدا ہوتی ہے تو دوسری طرف حضرت رسول خدا صلعم کی انتہا درجہ کی توہین ہوتی ہو مثلاً عن بریدۃ ان النبی قدم من بعض مغازیہ فاتتہ جاریۃ سوداء۔ فقالت یا رسول اللہ انی کنت نذرت ان ردک اللہ سالما ان اضرب بین یدیک بالدف۔ قال ان کنت نذرت فاضربی والا فلا۔ فجعلت تضرب والنبی جالس۔ فدخل ابوبکر وھی تضرب۔ ثم دخل عمر فالقت الدف تحتھا وقعدت

---

[1] مولوی وحیدالزمان خانصاحب لکھتے ہیں "افتان انت یا معاذ۔ تم لوگوں کو خرابی میں ڈالنا چاہتے ہو۔ مصیبت اور بلا میں پھنسانا یعنی لمبی لمبی سورتیں نماز میں پڑھکر یہ چاہتے ہو کہ لوگ نماز سے نفرت کرنے لگیں۔ جماعت میں شریک ہونا چھوڑ دیں۔ گنہگار ہوں"۔ (انوار اللغۃ پارہ ۲۰ صـ ۱۲) جس سے واضح ہوا کہ نماز جماعت میں لمبی سورتوں کے پڑھنے کو حضرت رسول خدا صلعم نے فتنہ اور خرابی سے تعبیر کیا ہے اور لوگوں پر اسکی وجہ سے غضبناک ہوتے ہیں ۱۲ منہ

علیہ فقال رسول اللہؐ ان الشیطان لیخاف - وفی لفظ یفرق منک یا عمر - انی کنت جالسا وھی تضرب - ثم دخل ابوبکر وھی تضرب - فلما دخلت القت الدف تحتھا و قعدت علیہ - بریدہ بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم اپنے ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت کے پاس ایک حبشن لونڈی نے آکر کہا اے رسول خدا میں نے نذر کی تھی کہ اگر اللہ آپ کو صحیح وسالم واپس لائے گا تو میں حضور کے سامنے ڈھول بجاؤں گی - حضرت نے فرمایا اگر تو نے ایسی نذر کی تھی تو ڈھول بجا ورنہ نہیں - غرض وہ لونڈی ڈھول بجانے لگی اور حضرت رسول خدا صلعم بیٹھے سنتے رہے - اتنے میں حضرت ابوبکر وہاں پہونچے اب بھی وہ لونڈی اسی طرح بجاتی رہی - پھر حضرت عمر پہونچے - آپ کو دیکھتے ہی اس لونڈی نے ڈھول اپنے نیچے چھپا لیا - اور اس کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئی - یہ دیکھ کر حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا اے عمر تم سے شیطان ڈرتا ہے - میں بیٹھا رہا اور یہ بجاتی رہی - پھر ابوبکر آئے جب بھی یہ بجاتی رہی مگر جب تم داخل ہوئے تو اس نے ڈھول کو اپنے نیچے رکھ لیا اور اسکے اوپر بیٹھ رہی - (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۳۵) - یہ روایت اس لئے وضع کی گئی کہ معلوم ہو حضرت عمر کا ورع و تقویٰ اس درجہ مشہور تھا کہ دوسروں کو بھی آپ کے سامنے کوئی برا کام کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی - مگر تصویر کے دوسرے رخ سے بالکل چشم پوشی کر لی گئی کہ جس گناہ سے حضرت عمر کو بچانا چاہا اسی میں حضرت رسول خدا صلعم اور حضرت ابوبکر کو مبتلا کر دیا - دو ہی صورت ہوسکتی ہے - یا ڈھول کا بجانا جائز تھا یا ناجائز - اگر جائز تھا تو لونڈی نے اسے چھپایا کیوں اور حضرت رسول خدا صلعم نے اس سے کیوں نہ فرمایا کہ یہ جائز ہے پھر تو کیوں چھپاتی ہے - اور اگر ناجائز تھا تو حضرت رسول خدا صلعم اور حضرت ابوبکر کیوں اسکو سنتے رہے -

اسی مضمون کے قریب یہ روایت بھی ہے عن ابی ھریرۃ قال بینا الحبشۃ

حبشیوں کا ناچ

یلعبون عند النبیؐ بحرابھم دخل عمر فاھوی الی الحصی فحصبھم بھا فقال دعھم یا عمر وزاد علی ثنا عبد الرزاق انا معمر فی المسجد - جناب ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس حبشی لوگ اپنے ہتھیاروں کے ساتھ ناچ رہے تھے - اتنے میں وہاں حضرت عمر پہونچے تو وہ بہت سے سنگریزے اٹھا کر ان ناچنے والوں کو مارنے لگے - اس پر آنحضرت نے فرمایا اے عمر چھوڑ دو انہیں ناچنے دو (صحیح بخاری پارہ ۱۱ صفحہ ۸۰) - اس روایت کا مقصود بھی یہی ہے کہ عفت و ورع و تقویٰ و پابندی احکام خدا میں حضرت عمر کا درجہ حضرت رسول خدا صلعم سے برتر دکھایا جائے - معاذ اللہ جو رسول دنیا میں اس غرض سے بھیجا جائے کہ لوگوں

کو اخلاق حسنہ کی تعلیم کرے وہ مسجد میں حبشیوں کا ناچ کرے۔ اور خود دیکھے!! کوئی عقل اس کو قبول کر سکتی ہے![1] اس قسم کی روایتیں نہایت کثرت سے موجود ہیں جو سب وضعی معلوم ہوتی ہیں کیونکہ اسلام میں کسی شخص کا کوئی فعل آنحضرت صلعم سے زیادہ باعثِ خوشنودیٔ خدا نہیں ہوسکتا۔

عورتوں کے مجمع میں رسول اور حضرت عمر

یہ روایتیں بھی موجود ہیں استاذن عمر بن الخطاب علی رسول اللہ وعندہ نسوۃ من قریش یکلمنہ ویستکثرنہ عالیۃ اصواتھن علی صوتہ۔ فلما استاذن عمر بن الخطاب قمن

---

[1] حضرت ابوبکر کا درجہ بھی آنحضرت صلعم سے بڑھانے کی ایسی ہی کوشش ہوتی رہی۔ روایت ذیل قابل عبرت ہے عن عائشۃ قالت دخل علی النبیؐ وعندی جاریتان تغنیان بغناء بعاث فاضطجع علی الفراش وحول وجھہ۔ فدخل ابوبکر فانتھرنی فقال مزمارۃ الشیطان عند رسول اللہؐ فاقبل علیہ رسول اللہ فقال دعھما فلما غفل غمزتھما فخرجتا۔ قالت وکان یوم عید یلعب السودان بالدرق والحراب۔ فاما سالت رسول اللہؐ واما قال لی تشتھین ان تنظری۔ فقلت نعم فاقامنی وراءہ خدی علی خدہ ویقول دونکم بنی ارفدۃ حتی اذا مللت قال حسبک قلت نعم قال فاذھبی۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس دو لونڈیاں بعاث کی غزلیں گارہی تھیں اتنے میں دفعۃً حضرت رسول خدا صلعم پہونچ گئے۔ (مگر وہ لونڈیاں حضرت کو دیکھ کر بھی چپ نہیں ہوئیں) تو حضرت اپنے فرش پر جاکر لیٹ رہے اور اپنا منہ پھیر لیا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر آگئے تو انھوں نے مجھے جھڑکا اور کہا رسول خدا کے پاس یہ شیطان کا باجا۔ اس پر حضرت رسولخدا صلعم ادھر متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے ابوبکر ان دونوں کو گانے دو۔ جب انھوں نے اسکی تعمیل کی تو میں نے دونوں لونڈیوں کو اشارہ کیا اور وہ چلی گئیں۔ اور عید کے روز حبشی اچھنے والے سپر اور ہتھیار لے کر ناچتے تھے تو یا میں نے پوچھا یا خود آنحضرت صلعم نے مجھ سے فرمایا کیوں عائشہ! ناچ دیکھنے کو جی چاہتا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ پس حضرت نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کیا اسطرح کہ میرا رخسارہ حضرت کے رخسارہ پر تھا اور حضرت ان ناچنے والوں سے فرماتے جاتے تھے ارفدہ کے بیٹو تم لوگ ناچے جاؤ۔ جب میں دیکھتے دیکھتے گھبرا گئی تو حضرت نے پوچھا بس؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا اچھا تو چلو۔ (صحیح بخاری سپ ۱ ص ۲۲۰ وغیرہ)

فبادرن الحجاب فاذن له رسول اللہؐ فدخل عمر ورسول اللہؐ یضحك فقال عمر اضحك اللہ سنك یا رسول اللہؐ۔ فقال النبیؐ عجبت من هولاء اللاتی کن عندی فلما سمعن صوتك ابتدرن الحجاب۔ فقال عمر فانت احق ان یھبن یا رسول اللہؐ۔ ثم قال عمر یا عدوات انفسھن اتھبننی ولا تھبن رسول اللہؐ فقلن نعم انت افظ واغلظ من رسول اللہؐ فقال رسول اللہؐ ایه یا ابن الخطاب والذی نفسی بیدہ مالقیك الشیطان سالکا فجا قط الا سلك فجا غیر فجك۔ ایک دفعہ حضرت عمر حضرت رسول خدا صلعم کے ہاں گئے اور اندر جانے کی اجازت چاہی۔ اُس وقت آنحضرت صلعم کے پاس قریش کی بہت سی عورتیں جمع تھیں۔ باتیں کرتی اور زور زور سے چھپاتی تھیں یہاں تک کہ ان کے چھپانے کی آواز حضرت کی آواز سے بھی زیادہ بلند تھی۔ جب حضرت عمر نے اجازت مانگی تو وہ سب کھڑی ہو گئیں اور لپک کر پردہ کے اندر چلی گئیں۔ اسکے بعد حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت عمر کو اندر آنے کی اجازت دی۔ تو آپ ہاں تشریف لیگئے۔ دیکھا کہ حضرت رسولخدا صلعم ہنس رہے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا اے رسول خدا اللہ آپ کے دانتوں کو ہنستا ہوا ہی رکھے (آپ کیوں ہنستے ہیں) آنحضرت نے فرمایا میں ان عورتوں پر ہنستا ہوں جو میرے پاس جمع تھیں جب انھوں نے تمھاری آواز سنی تو دوڑ کر پردہ کے اندر چلی گئیں۔ اس پر حضرت عمر بولے یا حضرت آپ کا درجہ زیادہ اس قابل ہے کہ عورتیں آپ سے ڈریں۔ پھر ان عورتوں کو پکار کر کہا اے اپنی آپ دشمنو! کیا تم سب مجھ سے ڈرتی ہو اور حضرت رسولخدا صلعم سے نہیں ڈرتیں؟ ان سب نے جواب دیا ہاں تم حضرت سے افظ (زیادہ سخت مزاج) اور اغلظ (زیادہ درشت خصلت) ہو۔ اس پر حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا اے عمر ان سب کو برا نہ کہو۔ بات یہ ہے کہ خدا کی قسم شیطان جس راہ سے تمھیں جاتے دیکھتا ہے وہ ضرور اس راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ لگ جاتا ہے (صحیح بخاری پ ۱۴ ص ۳۲۳ وغیرہ)۔ روایت بنانے والوں نے اس میں حضرت عمر کا درجہ حضرت رسول خدا صلعم سے صرف بڑایا ہی نہیں بلکہ آنحضرت صلعم کی نہایت شرمناک تصویر بھی کھینچی کہ نامحرم عورتیں حضرت کے پاس بیٹھی رہتیں۔ اور جس طرح عیاش لوگوں کے پاس بیہودہ عورتیں شور وغل کرتی رہتی ہیں اسی طرح آنحضرت صلعم کے پاس بھی وہ سب حشرات مچائے رہاتی تھیں۔ مگر حضرت عمر آئے تو ان کے ڈر سے پردہ میں چلی گئیں۔ اگر وہ عورتیں پہلے ہی سے برقع اوڑھے ہوئے پردہ کے ساتھ آنحضرت سے باتیں کرتی ہوتیں تو حضرت عمر کے پہونچنے پر ان کے خوف سے ان کا خاموش ہو جانا کافی تھا۔

کہ یہ جملہ کہ فبادرن الحجاب (دوڑ کر پردہ کے اندر چلی گئیں) بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ کے پاس سب بے پردہ تھیں اور حضرت عمر کو دیکھ کر پردہ میں چھپ گئیں۔ اور یقیناً اُس وقت کوئی بری ہی صورت تھی اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے شیطان کا ذکر کیا کہ تمھارے آنے سے شیطان بھاگ گیا۔ اگر وہ عورتیں اچھی باتیں کرتی تھیں اور آنحضرت صلعم ایسے امور میں مشغول تھے جو عفت اور پرہیز گاری کے خلاف نہیں تھے تو آخری جملہ کیوں فرمایا کہ اے عمر شیطان تمھیں جس راہ سے جاتا دیکھے گا وہ کبھی اس راہ نہیں چل سکیگا۔ اُس وقت کیا ہو رہا تھا جسپر آنحضرتؐ نے یہ فرمایا کہ تمھارے آنے سے شیطان بھاگ گیا۔ اگر وہ عورتیں پارسا تھیں تو حضرتؐ ایسا نہیں ارشاد فرما سکتے تھے جس سے ان کی پاکدامنی میں شبہہ پیدا ہو۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ایسی ہی حدیثوں سے دشمنان اسلام آنحضرتؐ پر دن رات اعتراضات کرتے ہیں اور مسلمانوں کو ہر موقع پر شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

رسولخدا صلعم کا حضرت عمر سے ڈرنا

اسی قسم کی یہ روایت بھی ہے عن عائشۃ قالت اتیت رسول اللہ بخزیرۃ طبختھا لہ فقلت لسودۃ کلی والنبیؐ بینی وبینھا۔ فقلت لتاکلن اولا لطخن وجھک۔ فابت فوضعت یدی فی الخزیرۃ فطلیت بھا وجھھا فضحک النبیؐ ووضع فخذہ لھا وقال لسودۃ الطخی وجھھا۔ فلطخت وجھی فضحک النبیؐ ایضا فمر عمر فنادے یا عبداللہ یا عبداللہ۔ فظن النبیؐ انہ سیدخل فقال قوما فاغسلا وجوھکما۔ قالت عائشۃ فمازلت اھاب عمر لھیبۃ رسول اللہؐ ایاہ۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ ایک دفعہ ایک کھانا خزیرہ آنحضرتؐ کے لئے پکا کر میں آپ کے پاس لے گئی۔ وہاں حضرت کی بیوی سودہ بھی تھیں۔ اس وقت میرے اور سودہ کے بیچ میں رسول خدا صلعم بیٹھے تھے۔ میں نے سودہ سے کہا کھاؤ۔ تم کو بھی ضرور کھانا ہوگا ورنہ میں اس سے لیکر تمھارے چہرہ میں لپیٹ دوں گی گر سودہ نے انکار کیا۔ تو میں نے خزیرہ سے نکال کر ان کے پورے چہرے پر مل دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت رسولخدا صلعم ہنسنے لگے اور اپنی ران سودہ کے لئے نیچے گرادی اور ان سے فرمایا تم بھی عائشہ کے منہ میں لپیٹ دو۔ سودہ نے بھی میرے تمام منہ میں لپیٹ دیا۔ اس پر بھی آنحضرت ہنسنے لگے۔ اتنے میں باہر سے حضرت عمر گزرے اور پکار کر کہا اے بندۂ خدا۔ اے بندۂ خدا۔ یہ سنکر حضرت رسول خدا صلعم کو گمان ہوا کہ عمر اب مکان میں آیا ہی چاہتے ہیں۔ یہ خیال کرکے حضرت نے مجھ (عائشہ) اور

ان (سودہ) سے کہا کہ جلدی بھاگو اور جا کر اپنے منہ دھو ڈالو۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ اس وقت سے میں برابر حضرت عمر سے ڈرا کرتی ہوں کیونکہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت رسولخدا صلعم بھی ان سے ڈرتے تھے۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۳) اس میں دکھایا ہے کہ حضرت عمر ایسے اچھے اخلاق کے تھے کہ ان لغویات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اسی وجہ سے حضرت رسول خدا صلعم ان کے آنے پر ڈر گئے۔ مگر اس سے حضرت رسولخدا صلعم کی درون خانہ زندگی کی جیسی شرمناک تصویر نظر آتی ہے وہ محتاج توضیح نہیں۔ اور غالباً دنیا کے کسی مذہبی پیشوا کی یہ سیرت نظر نہیں آسکتی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اس وجہ سے ماننا پڑتا ہے کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔ اور محض حضرت ممدوح کے متعلق غلو نے ایسی باتیں بنوائیں۔

قراقر میں پیٹ سے گفتگو یہ روایت بھی قابل دید ہے عن انس بن مالک قال تقرقر بطن عمر بن الخطاب وکان یاکل الزیت عام الرمادۃ وکان حرم علیہ السمن فنقر بطنہ باصبعہ وقال تقرقر تقرقر انہ لیس عندنا غیرہ حتے یحییٰ الناس۔ انس بن مالک بیان کرتے تھے کہ قحط والے سال میں حضرت عمر نے اپنے اوپر گھی کا استعمال حرام کر لیا تھا اور صرف روغن زیتون کھاتے تھے اس کی وجہ سے ان کے پیٹ میں قراقر ہونے لگا تو آپ نے اپنی انگلی اپنے پیٹ میں گڑا کر پیٹ سے کہا تجھ سے جس قدر قراقر کرنا ہو قراقر کر لے کیونکہ میرے پاس روغن زیتون کے سوائے کچھ نہیں ہے جب تک لوگ زندہ نہ ہو جائیں (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۳) اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ روغن زیتون کبھی استعمال نہیں کرتے تھے اور صرف قیمتی گھی ہی کھایا کرتے تھے۔ اتفاقاً قحط کے زمانہ میں زیتون کا تیل استعمال کیا تو آپ کے پیٹ میں قراقر ہونے لگا۔ مگر یہ روایت آپ کے زہد کی کل روایتوں کو باطل کر دیتی ہے۔ کیونکہ عرب میں جو شخص زیتون کا تیل نہ کھائے اور صرف گھی ہی پر بسر کرے وہ انتہا درجہ کا خوشحال اور عیش پرست ہوگا۔ اس سبب سے قوی گمان ہے کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔ کیونکہ آپ کا زہد در طعام بھی مشہور ہے مثلاً

آپ کی غذا عن انس ابن مالک قال رایت عمر بن الخطاب وھو یومئذ

امیر المومنین یطرح له صاع من تمر فیاکلها حتی یاکل حشفها۔ انس بن مالک کہتے تھے کہ میں نے دیکھا جب حضرت عمر خلیفہ وقت تھے تو اون کے سامنے ایک صاع کھجور ڈال دیجاتی اور وہ سب کھا جاتے یہاں تک کہ جو سڑی ہوتی ہوتیں ان کو بھی نوش فرما جاتے تھے۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۸۲) ایک صاع چار یا ساڑھے چار سیر کا ہوتا ہے (انوار اللغۃ پ ۱۴ صفحہ ۱۱۵)۔ لوگوں نے یہ روایت بنائی تو خیال کیا کہ آپ کا زہد اس سے واضح ہو گا کہ دکھایا جائے آپ سڑا ہوا کھانا بھی کھا جاتے تھے اور اس سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ یہ زہد کی دلیل نہیں ہے بلکہ دوسرے اوصاف کا ثبوت ہے۔ اور جب آپ کی اس بے چینی کے متعلق حدیث بنانے کی ضرورت ہوئی جو آپ کو قحط کے سال اہل اسلام کی پریشانی کی وجہ سے ہونی چاہئے تھی تو اوپر کی حدیث بنائی کہ آپ نے قحط کے سال گھی کھانا چھوڑ دیا۔ اور روغن زیتون استعمال کرنے لگے تو پیٹ میں قراقر ہونے لگا۔ مگر قراقر ہونے پر بھی آپ نے روغن زیتون کو نہیں چھوڑا اور نہ گھی استعمال کیا۔ اب جو شخص ان دونوں کو ایک وقت میں دیکھے گا وہ آسانی سے فیصلہ کرلے گا کہ دونوں صحیح نہیں ہوسکتیں۔ ان دونوں روایتوں کے ساتھ یہ بھی موجب حیرت ہے عن انس قال کان احب الطعام الی عمر الثفل واحب الشراب الیہ النبیذ۔ انس بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر کھانے میں سب سے زیادہ تہ دیگی کو اور پینے میں سب سے زیادہ نبیذ کو پسند کرتے تھے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۷)

جوتیوں سے رومال کا کام

عن عاصم بن عبید اللہ بن عاصم ان عمر کان یمسح بنعلیہ ویقول ان منادیل آل عمر نعالھم۔ فرزند عاصم بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر دھو کر اپنی جوتیوں میں پونچھ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ عمر کے گھر کے رومال ان کی جوتیاں ہی ہیں۔ عن السائب بن یزید قال ربما تعشیت عند عمر بن الخطاب فیاکل الخبز واللحم ثم یمسح علی قدمیہ ثم یقول ھذا مندیل عمر وآل عمر۔ سائب بن یزید بیان کرتے تھے کہ میں نے اکثر رات کا کھانا حضرت عمر کے

ساتھ کھایا ہے۔ وہ روٹی اور گوشت کھاتے تھے پھر اپنے قدموں پر مل لیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ میرا اور میرے اہل وعیال کا رومال یہی ہے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۲)۔ معلوم نہیں روایت کرنے والوں نے اس کو کس غرض سے ذکر کیا ہے۔ اگر ممدوح کے پاس رومال نہیں تھا تو بالکل برہنہ بھی نہیں رہتے ہونگے۔ کرتے۔ یا قبا یا ردا، یا پائجامہ یا تہبند ضرور ہی پہنتے ہونگے۔ پھر انہیں چیزوں میں کیوں نہیں پونچھ لیتے کہ جوتیوں میں پونچھتے تھے اور اسکی بھی تصریح نہیں ہے کہ کس چیز کو جوتیوں سے پونچھتے تھے کھانے میں تو ہاتھ اور منہ دونوں لگتے ہیں اور کھانے کے بعد دونوں ہی دھوئے اور پونچھے جاتے ہیں۔ تو حضرت ممدوح کس چیز کو اپنی جوتیوں سے پونچھتے تھے۔ اگر ہاتھوں کو جوتیوں سے پونچھتے تھے تو منہ کو کس چیز سے پونچھتے تھے۔ عقل تو اس کو قبول نہیں کرتی کہ آپ جوتی سے ہاتھ کو اور کسی دوسری چیز سے منہ کو پونچھتے ہوں۔ پھر جس چیز سے منہ پونچھتے تھے اسی سے ہاتھوں کو بھی کیوں نہ پونچھتے ہوں گے۔ رہا پاؤں سے پونچھنا تو وہ بھی حیرت خیز ہے۔ اپنے ہاتھوں پر ہاتھ بھی پونچھ سکتے تھے اور ہاتھوں ہی سے منہ پونچھنے کا کام بھی لے سکتے تھے۔ غرض دونوں صورتوں سے تعجب ہی تعجب کا سامنا ہے۔ اگر ممدوح نے جوتیوں اور قدموں کے سوا کسی چیز سے پونچھنے کا خیال کیا تو وہ اور بھی حیرت خیز ہے۔ عن ثابت قال اکل الجارود عند عمر بن الخطاب فلما فرغ قال یا جاریۃ ھلمی الدستار یعنی المندیل یمسح یدہ فقال عمر امسح یدک باستک او ذر۔ ثابت بیان کرتے تھے کہ جارود نے حضرت عمر کے ہاں کھانا کھایا۔ جب فارغ ہوا تو کہا اے لونڈی دستار یعنی رومال لا تاکہ ہاتھ پونچھوں۔ حضرت نے فرمایا اپنے پاگانہ کے مقام پر اپنا ہاتھ پونچھ لو یا چھوڑ دو۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۲)

اپنے مال کی محبت

یہ روایت بھی بے ضرورت بنائی گئی عن عمر انہ قسم یوما مالا فجعلوا یثنون علیہ فقال ما احمقکم لو کان ھذا لی ما اعطیتکم منہ درھما واحدا۔ حضرت عمر ہی سے روایت ہے کہ ایک روز آپ کوئی مال لوگوں میں تقسیم کرتے تھے اور مال پانے والے لوگ آپ کی تعریف کرتے جاتے تھے۔ تو آپ نے کہا تم لوگ کیسے احمق ہو اگر یہ مال میرا ہے جو مدح کرتے ہو۔ اگر یہ میرا مال ہوتا تو تم کو اس سے ایک درہم بھی نہیں دیتا۔ (کنز العمال صفحہ ۳۲۵ جلد ۶) اس سے آپ کی فضیلت کے عوض مذمت نکلتی ہے کہ آپ کو اپنے مال کی اتنی محبت تھی کہ خود فرماتے تھے اگر میرا ہوتا تو تم کچھ بھی نہیں پاتے۔ حالانکہ خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے

کر اپنے مالوں سے بھی خیرات و صدقات و زکوٰۃ نکالا کریں اور اپنے اعزہ۔ ذوی القربیٰ۔ ہمسایہ فقرا اور مساکین کی حاجت روائی کیا کریں۔ پس اگر آپ کی یہ روایت صحیح تسلیم کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ اپنا مال خرچ کرنے کے متعلق جس قدر احکام خدا و رسول تھے سب سے آپ چشم پوشی کئے رہے اور اس طرح متعدد قسم کے لوگوں کے حقوق کا انبار اپنے اوپر رکھتے تھے۔ جو غالباً صحیح ہو۔

بیوی کی خیانت یہ روایت بھی مہمل سی معلوم ہوتی ہے قدم علی عمر مسک و عنبر من البحرین فقال عمر واللہ لوددت انی وجدت امرأۃ حسنۃ الوزن تزن لی ھذا الطیب حتی اقسمہ بین المسلمین۔ فقالت لہ امرأتہ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل انا جیدۃ الوزن فھلم اذن لک۔ قال لا۔ قالت لم۔ قال انی اخشی ان تاخذیہ فتجعلیہ ھکذا ادخل اصابعہ فی صدغیہ و تمسحین بہ عنقک فاصیب فضلا علی المسلمین۔ حضرت عمر کے پاس ملک بحرین سے کچھ مشک و عنبر آیا تو آپ نے کہا خدا کی قسم میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ عاتکہ دختر زید بن عمرو بن نفیل نے کہا میں بہت اچھا تولنے جانتی ہوں۔ لاؤ تمہارے بھی تول دوں۔ حضرت عمر نے کہا نہیں۔ پوچھا کیوں۔ فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ تم اس سے لیکر اس طرح ڈال لوگی پھر آپ نے اپنی انگلیاں اپنی دونوں کنپٹیوں میں ڈال کر بتایا کہ اسی طرح ڈال لوگی اور اس سے اپنی گردن پر ملنے لگو گی پس دوسرے مسلمانوں سے زیادہ حصہ تم کو مل جائیگا (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۵) روایت بنانے والوں کی یہ غرض تھی کہ دکھائیں آپ کا عدل اتنا تھا کہ اپنی بیوی پر بھی اعتبار نہیں کیا اور ان کا بھید کھول دیا کہ تم اس ہوشیاری سے عنبر اور مشک اپنے بدن پر مل لوگی۔ مگر واضعین نے یہ نہیں خیال کیا کہ ایسی تدبیر تو ہر شخص کر سکتا تھا۔ پھر آپ نے دوسرے کو تولنے کے لئے سونچا ہی کیوں۔ دوسری بات یہ کہ اسکے تولنے کے لئے آپنے عورت ہی کو کیوں تجویز کیا۔ کیا مرد نہیں تول سکتے تھے۔ تیسرا امر یہ کہ جب حضرت عمر اپنے سامنے تولنے کو کہتے تو کسی شخص کو بھی اس سے چرانے کا موقع نہیں ملتا۔ اپنی بیوی ہی کو دے دیتے کہ تولیں۔ اور جب وہ اپنی انگلی بدن کھجلانے وغیرہ کے حیلے سے اپنے جسم پر کسی جگہ لے جاتیں تو ان کا ہاتھ پکڑ لیتے کہ یہ کیا کرتی ہو پہلے تول لو تب اپنا بدن چھونا یا کسی جگہ ہاتھ لے جانا۔

تجارت کے لئے قرض یہ روایت بھی دشوار ہی نظر آتی ہے عن ابراھیم ان عمر بن

الخطاب کان یتجر وھو خلیفۃ وجھز عیرا الی الشام فبعث الی عبدالرحمن بن عوف یستقرضہ اربعۃ آلاف درھم فقال للرسول قل لہ یاخذھا من بیت المال ثم لیردھا۔ فلما جاءہ الرسول فاخبرہ بما قال۔ فشق علیہ فلقیہ عمر فقال انت القائل لیاخذھا من بیت المال۔ فان مت قبل ان تجیئ قلتم اخذھا امیر المومنین دعوھا لہ واخذبھا یوم القیامۃ۔ لا ولکن اردت ان آخذھا من رجل مریض شحیح مثلک فان مت اخذھا من میراثی۔ حضرت عمر جب خلیفہ تھے۔ تب بھی تجارت کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے تجارت کا ایک قافلہ شام کی طرف روانہ کرنا چاہا۔ اس سبب سے عبدالرحمن بن عوف کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے چار ہزار درہم قرض دو۔ عبدالرحمن نے قاصد سے کہا کہ جاکر حضرت عمر سے کہدو آپ بیت المال سے یہ رقم لے لیں۔ پھر جب آپ کے پاس قافلہ واپس آجائیگا تو اسی میں واپس کر دیجئے گا۔ جب قاصد یہ جواب لایا تو حضرت عمر کو نہایت ناگوار ہوا۔ آپ خود عبدالرحمن سے ملے اور شکایت کی کہ تم نے میرے قرض مانگنے پر یہ جواب کہلایا تھا کہ بیت المال سے لے لیں۔ سنو اگر میں نے بیت المال سے قرض لیا اور قافلہ واپس آنے کے پہلے مرگیا تو تم لوگ کہنے لگو گے کہ خلیفہ ہی نے یہ رقم لی تھی۔ اب وہ مرگئے۔ جانے دو اور ان کو بخش دو۔ اس طرح روز قیامت مجھ سے اس کا مواخذہ کیا جائیگا۔ پس میں بیت المال سے تو قرض لونگا نہیں۔ ہاں یہ چاہتا ہوں کہ تمھارے ایسے بیمار بخیل آدمی سے قرض لوں کہ اگر میں مرجاؤں تو وہ اپنا مال میرے ذمہ چھوڑے نہیں بلکہ میری میراث سے لیکر رہے (کنز العمال جلد ۲ ص۳۵۵) یہ روایت اس خیال سے بنائی گئی کہ اس سے واضح ہوگا آپ بیت المال سے قرض تک نہیں لیتے تھے اور جب اپنی کسی ضرورت کیلئے مجبور ہوتے تھے تو دوسروں کی خوشامد کرتے تھے۔ مگر آپ کا بیت المال سے روپیہ لینا مشہور واقعہ ہے جس کو تمام مورخین و محدثین لکھتے آئے ہیں۔ اور وہ بھی تین چار ہزار نہیں بلکہ قریب ایک لاکھ کے۔ آپ کی وفات کے وقت کی حالت میں لکھا ہے قال لابنہ یا عبداللہ انظر ما علی من الدین فحسبوہ فوجدوہ ستۃ و ثمانین الفا ونحوھا آپ نے اپنے فرزند سے فرمایا کہ دیکھو مجھ پر کس قدر قرض ہے۔ لوگوں نے حساب کیا تو ۸۶ ہزار اور اسکے مثل نکلا (تاریخ الخلفاء ص۹۰) پس ماننا پڑیگا کہ سابق روایت ضرور موضوع ہے۔

لوگوں کو خوف زدہ رکھنا

یہ روایت بھی ذکر کیجاتی ہے عن الاصمعی قال کلم الناس عبد الرحمان بن عوف ان یکلم عمر بن الخطاب فی ان یلین لھم فانہ اخافھم حتی خاف الابکار فی خدورھن فکلمہ عبد الرحمان فقال عمر انی لا اجد لھم الا ذالک۔ واللہ لو انھم یعلمون ما لھم عندی من الرافۃ والرحمۃ والشفقۃ لاخذوا ثوبی عن عاتقی اصمعی کی روایت ہے کہ لوگوں نے عبد الرحمان بن عوف سے کہا تم حضرت عمر سے گفتگو کرو کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی برتا کریں کیونکہ انھوں نے لوگوں کو اس درجہ ڈرا رکھا ہے کہ لڑکیاں بھی پردوں کے اندر بیٹھی ہوئی اُن سے ڈرتی رہتی ہیں۔ عبد الرحمان نے ممدوح سے اس کا ذکر کیا تو حضرت عمر نے کہا میں تو ان کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرونگا۔ خدا کی قسم اگر ان لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ میرے دل میں ان کی کتنی محبت اور ان پر کتنی شفقت و مہربانی ہے تو لوگ میرے کاندھے پر سے میرا کپڑا تک اوتار لے جائیں۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۵۲) آپ حضرت رسول خدا صلعم کی جگہ بیٹھے تھے اور انہیں لوگوں کے دینی و دنیوی امور انجام دیتے تھے جن کے سردار حضرت رسول خدا صلعم تھے مگر آنحضرت اپنی امت پر نہایت نرم۔ ظاہر بظاہر شفیق اور خوش مزاج رہتے تھے جبکو خود خدائے رحیم بھی اس طرح بیان فرماتا ہے فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم۔ ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔ اے رسول یہ بھی خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم سا نرم دل سردار ان کو ملا۔ اور اگر تم بد مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ خدا جانے کب کے تمھارے گرد سے متفرق ہوگئے ہوتے (پارہ ۴ ع ۸)۔ اور باوجودیکہ حضرت صلعم مسلمانوں پر سب سے زیادہ شفیق ورؤف تھے مگر کسی نے حضرت کے کاندھے سے کوئی کپڑا نہیں لیا۔ حضرت ابوبکر کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ بڑے نرم دل اور نرم مزاج تھے لوگوں سے بڑی بے تکلفی سے ملتے لیکن کسی نے آپ کے کاندھے پر کے کپڑے نہیں آتارے۔ پھر حضرت عمر ایسی بات کیونکر کہہ سکتے تھے؟

حکم رسول میں اصلاح

یہ روایت بھی بڑی اہمیت سے ذکر کی جاتی ہے فقال یا ابا ھریرۃ واعطانی نعلیہ فقال اذھب بنعلی ھاتین فمن

لقیک من وراء ھذا الحائط یشھد ان لا الہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبہ فبشرہ بالجنۃ ۔ فکان اوّل من لقیت عمر ۔ فقال ما ھاتان النعلان یا ابا ھریرۃ ۔ فقلت ھاتان نعلا رسول اللہ بعثنی بھما من لقیت یشھد ان لا الہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبہ بشرتہ بالجنۃ فضرب عمر بین ثدیی فخررت لاستی فقال ارجع یا ابا ھریرۃ ۔ فرجعت الی رسول اللہ فاجھشت بالبکاء ورکبنی عمر واذا ھو علی اثری فقال رسول اللہ مالک یا ابا ھریرۃ ۔ قلت لقیت عمر فاخبرتہ بالذی بعثتنی بہ فضرب بین ثدیی ضربۃ خررت لاستی فقال ارجع ۔ فقال رسول اللہ یا عمر ما حملک علی ما فعلت ۔ قال یا رسول اللہ بابی انت وامی ابعثت ابا ھریرۃ بنعلیک من لقی یشھد ان لا الہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبہ بشرہ بالجنۃ قال نعم ۔ قال فلا تفعل فانی اخشی ان یتکل الناس علیھا فخلھم یعملون فقال رسول اللہ فخلھم رواہ مسلم ۔ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی دونوں جوتیاں ابوہریرہ کو دیکر ارشاد فرمایا کہ میری ان دونوں جوتیوں کو لیکر جاؤ اور اس باغ کے پیچھے جس شخص کو بھی دیکھو کہ لا الہ الا اللہ کی زبانی گواہی دیتا ہے اور اس کا دل بھی اس بات کا یقین رکھتا ہے اسکو بہشت کی خوشخبری دے دو ۔ میں وہ جوتیاں لئے ہوئے وہاں سے نکلا تو سب سے پہلے حضرت عمر کو دیکھا ۔ انھوں نے خود ہی مجھ سے پوچھا اے ابو ہریرہ یہ دونوں جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا یہ دونوں حضرت رسول خدا صلعم کی جوتیاں ہیں ۔ حضرت نے مجھے ان دونوں کے ساتھ اس غرض سے بھیجا ہے کہ جس شخص کسے لوں اور دیکھوں کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہے اسکو بہشت کی خوشخبری دیدوں بشرطیکہ اس کے دل کو بھی اس بات کا یقین ہو ۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عمر نے میری چھاتی پر زور سے مارا اس طرح کہ میں زمین پر آ رہا اور کہا اے ابوہریرہ چلا جا ۔ پس میں حضرت رسولخدا صلعم کے پاس واپس آیا اور چیخ چیخ کر رونے لگا ۔ حضرت عمر بھی میرے پیچھے دوڑے ہوئے آئے اور حضرت کی خدمت میں پہونچ گئے ۔ آنحضرتؐ نے مجھ سے پوچھا اے ابوہریرہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی مجھ سے حضرت عمر ملے تو میں نے ان سے کہا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے مجھے اس

غرض سے بھیجا ہے۔ اس پر انھوں نے میری چھاتی پر اس زور سے مارا کہ میں بالکل نیچے گر پڑا اور کہا پلٹ جاؤ۔ یہ سنکر آنحضرت نے فرمایا اے عمر تم نے کیوں ایسا کیا؟۔ انھوں نے جواب دیا اے رسول خدا میرے باپ ماں آپ پر فدا ہو جائیں کیا آپ نے ابوہریرہ کو اپنی جوتیوں کے ساتھ اس غرض سے بھیجا تھا کہ جو شخص ایک خدا کی گواہی دے اور اس کا دل بھی اس گواہی پر یقین رکھے اس کو بہشت کی خوشخبری دیں۔ آنحضرت نے فرمایا ہاں۔ اس پر حضرت عمر نے آنحضرت سے کہا ایسا نہ کیجئے کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس بات پر بھروسا کر لیں گے (یعنی مطمئن ہو جائینگے کہ جب صرف ایک خدا کے مان لینے سے بہشت مل جائے!! تو اچھا کام کیوں کریں اور برے کاموں سے کیوں بچیں) لوگوں کو چھوڑ دیجئے کہ ایک خدا کو ماننے کے بعد عمل بھی کریں۔ پس حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اچھا ان لوگوں کو چھوڑ دو۔ اس روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں درج کیا ہے (مشکوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۵) جو رسول خدا کا یہ پیغام لیکر آئے کہ ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون میں نے جن و انس کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ دنیا کا ہر کام میرے احکام کے مطابق ہی کریں۔ (پارہ ۲۷ ع ۲) اور جو رسول خدا کی یہ تاکید سب کو سنائے کہ ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات یقیناً سب انسان نقصان میں رہیں گے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور اعمال صالحہ بجا لاتے رہیں (پ ۳۰ سورہ عصر) اور جو رسول خدا کا یہ حکم بتائے من یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ۔ جو شخص ذرہ برابر اچھا کام کریگا وہ اس کا اچھا بدلہ ضرور پائے گا اور جو شخص ذرہ برابر برا کام کریگا وہ اسکی سزا ضرور جھیلے گا۔ (پ ۳۰ سورہ زلزال) اور جس رسول نے خود خدا کی عبادت اس درجہ کی ہو کہ خدا کو کہنا پڑا طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ۔ اے طٰہٰ ہم نے تم پر قرآن مجید اس غرض سے نہیں نازل کیا کہ تم خود ہی احکام خدا و عبادات کی وجہ سے اپنے کو مشقت میں ڈالتے رہو (پ ۱۶ ع ۱۰) اس رسول کی شان یہ دکھائی جائے کہ وہ لوگوں میں منادی کراتا تھا کہ صرف خدا کو ایک کہہ دو اور جو چاہو کرتے رہو بہشت میں ضرور جاؤ گے[۱] اور اس کو حضرت عمر ہدایت کریں

[۱] یہاں تک دعوی کیا گیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا من مات لا یشرک باللہ شیئاً

کرنا حضرت اس اعلان سے لوگ عمل کرنا اور برائیوں سے بچنا ترک کر دینگے۔ آپ یہ اعلان نہ کرائیں تاکہ لوگ عمل بھی کریں۔ کوئی عقل اس کو قبول کر سکتی ہے؟۔ ماننا پڑتا ہے کہ یہ روایت بھی یقیناً بنائی گئی ہے اور صرف حضرت عمر کو عقل۔ معرفت اور ایمان۔ میں حضرت رسولخدا صلعم سے افضل دکھانے کیلئے ہی وضع کی گئی ہے۔

رسولخدا صلعم کے دو وزیر یہ حدیث بھی بیان کیجاتی ہے قال رسول اللہؐ مامن نبی الا وله وزیران من اهل السماء ووزیران من اهل الارض فاما وزیرای من اهل السماء فجبرئیل ومیکائیل واما وزیرای من اهل الارض فابوبکر وعمر رواہ الترمذی۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ دنیا میں جس قدر نبی گزرے سب کے تھے دو وزیر آسمان والوں سے اور دو وزیر زمین والوں سے ہوتے ہیں۔ اور میرے دو وزیر آسمان والوں سے جبرئیل و میکائیل اور زمین والوں سے ابوبکر و عمر ہیں (مشکوۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۱) مگر حدیث۔ تاریخ۔ تفسیر کی کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ کسی نبی کے دو وزیر ہوئے ہوں۔ حضرت آدمؑ۔ حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت یوسفؑ۔ حضرت سلیمانؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ سب کے ایک ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸) دخل الجنة وان سرق وان زنی وان شرب الخمر۔ جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ مشرک نہ ہو یعنی ایک خدا کی گواہی دیکیا ہو وہ بہشت میں جائیگا اگرچہ وہ چوری زنا کرتا یا شراب پیتا رہا ہو (صحیح بخاری پ ۲۴ صفحہ ۵) لطف یہ کہ صحابہ کے ٹوکنے پر بھی حضرت ایسا ہی فرماتے رہے چنانچہ عن ابی الدرداء انه سمع النبیؐ یقص علی المنبر وهو یقول ولمن خاف مقام ربه جنتان قلت وان زنی وان سرق یارسول اللہؐ۔ فقال الثانیة ولمن خاف مقام ربه جنتان فقلت الثانیة وان زنی وان سرق یارسول اللہ فقال الثالثة ولمن خاف مقام ربه جنتان فقلت الثالثة وان زنی وان سرق یا رسول اللہ قال وان رغم انف ابی الدرداء۔ ابو درداء کہتے تھے کہ رسولخدا صلعم منبر پر نصیحت فرماتے تھے اس میں فرمایا جو شخص ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے اسکے لئے دو بہشتیں ہیں۔ میں نے تین بار پوچھا کہ ! حضرت اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے؟ حضرت نے فرمایا ہاں اگرچہ وہ ایسا کرے اور ابودرداء کو گوارا نہ ہو (مشکوۃ جلد ۱۳ صفحہ ۱۴۱)

ایک وزیر کا پتا چلتا ہے۔ اور حضرت رسولخدا صلعم نے اپنا وزیر بھی ابتدا اسلام میں ایک ہی شخص کو مقرر کیا تھا۔ چنانچہ آیۂ وانذر عشیرتک الاقربین کے نازل ہونے پر آنحضرتؐ نے لوگوں کا مجمع کرکے پوچھا کہ کون شخص اس کام میں میری مدد کرتا ہے تاکہ وہی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہو تو حضرت علیؑ کے سوائے سب خاموش رہے۔ تین بار آنحضرت صلعم نے پوچھا اور ہر دفعہ صرف حضرت علی ہی آمادہ ہوئے۔ تب آنحضرتؐ نے پورے مجمع کو خطاب کرکے فرمایا کہ ان ھذا اخی و وزیری و خلیفتی فیکم فاسمعوہ واطیعوہ۔ دیکھو یہ میرا بھائی اور میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہے تم لوگوں میں۔ پس تم لوگ اس کی ہر بات سنا اور اس کی اطاعۃ کیا کرو۔ (تاریخ طبری و کامل و کنز العمال وغیرہ) پس جب حضرت رسولخدا صلعم پہلے یہ بات ارشاد فرما چکے تھے تو اب دوسری روایت اس کے مقابلہ ہی کے لئے ہے اور یقیناً موضوع ہے۔

کہول اہل جنت کی سرداری

یہ روایت بھی بیان کیجاتی ہے عن انس قال قال رسول اللہؐ ابوبکر و عمر سید اکھول اھل الجنۃ من الاولین والاخرین الا النبیین والمرسلین۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ بہشت کے ادھیڑ لوگوں کے سردار حضرت ابوبکر و عمر ہیں۔ خواہ وہ ادھیڑ لوگ پہلے والوں سے ہوں یا پچھلے والوں سے سوائے مرسلین و انبیاء کے۔ (مشکوۃ جلد ۸ صہ۱۱۲) حالانکہ آنحضرت صلعم نے متعدد حدیثوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ بہشت میں سب جوان ہوں گے یعنی جو بوڑھے ہوکر مرے ہیں وہ بھی وہاں جوان ہی رہیں گے۔ پس جب بہشت میں ادھیڑ اور بوڑھے نہیں ہوں گے تو حضرت ابوبکر و عمر سردار کن لوگوں کے مقرر کئے جائینگے؟ اس سبب سے ماننا پڑتا ہے کہ یہ حدیث بھی موضوع ہے اور آنحضرتؐ کی مشہور حدیث الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ۔ حسن اور حسین جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں (مشکوۃ جلد ۸ صہ۱۳۵) کے مقابلہ میں بیان کی گئی ہے۔ غرض آپ کے فضائل میں جو حدیثیں ملتی ہیں ان میں اکثر ایسی ہیں جو یا حضرت رسول خدا صلعم پر آپ کی ترجیح کے متعلق ہیں یا حضرات اہلبیت سے آپ کی افضلیت ثابت کرتی ہیں۔

آپ کے وہ فضائل جنکے موضوع ہونے کا اقرار علماء اہلسنت کو بھی ہے

اوپر حضرت عمر کے فضائل کی وہ روایتیں ذکر کی گئیں جو ان کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں اور صرف عقل یا قرآن مجید یا اصول مسلمہ کے ذریعہ سے ان کا موضوع ہونا مستنبط ہوتا ہے۔ مگر علماء اہلسنت نے بہت سی کتابیں اس موضوع پر بھی لکھی ہیں کہ کون کون حدیثیں موضوع ہیں۔ ان میں ان حضرات نے ایسی روایتوں کے جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کتابوں میں لئالی المصنوعہ موضوعات ابن الجوزی ذالضعفاء لابن حبان وغیرہ بھی ہیں۔ ان میں حسب ذیل روایتیں حضرت عمر کے متعلق بھی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ جلیل القدر علماء بھی ان روایتوں کو موضوع اور جعلی سمجھتے اور اپنی کتابوں میں لکھ کر مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ ان کو صحیح نہ سمجھنا اور ان کے مطابق اپنے عقائد کے آثار قائم کرنا۔ کہ یہ آنحضرتؐ کی فرمودہ نہیں ہیں۔

اول کتاب پانے والے

علامہ سیوطی لکھتے ہیں عن زید بن ثابت مرفوعا اول من یعطے کتابہ بیمینہ عن ھذہ الامۃ عمر بن الخطاب ولہ شعاع کشعاع الشمس قیل فاین ابوبکر قال تزفہ الملئکۃ الی الجنان المتہم بہ عمر۔ زید بن ثابت سے یہ مرفوع روایت ہے کہ انھوں نے کہا روز قیامت اس امت میں سب سے پہلے جس شخص کے داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائیگا وہ عمر بن الخطاب ہوں گے۔ اور اُن کا چہرہ آفتاب کی شعاع کی طرح چمکتا ہوگا لوگوں نے ان سے پوچھا اُس وقت ابوبکر کہاں ہونگے؟ کیا ان کو سب سے پہلے نہیں ملیگا؟ تو جواب دیا کہ ان کو فرشتے سنوار کر بہشت میں لے جا چکے ہونگے۔ اس حدیث کے راویوں میں عمر بن ابراہیم ہے جو اس بات میں بدنام ہے کہ غلط روایتیں دل سے بنا بنا کر پیش کرتا تھا۔ (لئالی مصنوعہ صـ۱۵۲ مطبوعہ لکھنؤ)

میں نبی نہ ہوتا تو عمر ہوتے

علامہ سیوطی لکھتے ہیں عن بلال بن رباح مرفوعا لو لم ابعث فیکم لبعث عمر۔ بلال بن رباح سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اگر میں تم لوگوں میں نبی بنا کر نہ بھیجا گیا ہوتا تو ضرور عمر نبی بنا کر بھیجے گئے ہوتے۔ عن عقبۃ بن عامر مرفوعا لو لم ابعث فیکم لبعث عمر لا یصح زکریا کذاب یضع وابن واقد متروک ومشرح لا یحتج بہ۔ عقبہ بن عامر سے یہ مرفوع روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر میں تم لوگوں میں نبی بنا کر نہ بھیجا گیا ہوتا تو ضرور عمر تم میں نبی بنا کر بھیجے گئے ہوتے۔ اس روایت کا ایک راوی زکریا اول درجہ کا جھوٹا ہے۔ وہ جھوٹی روایتیں اپنے دل سے گڑھ گڑھ کر لوگوں سے بیان کرتا تھا۔ دوسرا راوی ابن واقد متروک ہے۔ یعنی لوگ اس سے روایتیں نہیں لیتے تھے۔ اور مشرح کی روایت سے بھی کوئی استدلال نہیں کرتا (لئالی مصنوعہ صـ۱۵۲)

کس قدر افسوسناک امر ہے کہ حضرت ممدوح کے فضائل میں اس طرح آنکھیں بند کر کے روایتیں بنائی گئیں
اور وہ تمام کتب حدیث و سیرۃ میں بھر دی گئیں یہ حدیث بھی اتنی مشہور کی گئی کہ بڑی بڑی معتبر کتابوں
میں موجود ہے۔ اور عامۃ المسلمین اس کو صحیح سمجھ کر حضرت عمر کا درجہ حضرت رسولخداؐ کے برابر قرار دینے
لگے۔ کہ حضرت عمر و حضرت رسولخداؐ دونوں خدا کے ہاں ایک حیثیت کے تھے۔ اور دونوں نبی ہونیکی
پوری قابلیت سے آراستہ تھے۔ اتفاقاً حضرت رسولخدا نبی ہوگئے اور حضرت عمر رہ گئے۔ ورنہ آپ ہی ہوتے
اس کے ساتھ دوسرے راویوں نے یہ جملہ بھی ملا دیا ایّد اللہ عمر بملکین یوفقانہ ولیسددانہ
فاذا اخطاء صرفاہ حتے یکون صوابا۔ یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں نبی نہ
بنایا جاتا تو ضرور عمر نبی بنا دیئے جاتے۔ خدا نے اب بھی عمر کی تائید میں دو فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو
برابر ان کے ساتھ رہتے ہیں کہ ان کو اچھے کام پر آمادہ رکھتے اور ان کے امور درست کرتے رہتے ہیں۔ اور
جب کبھی حضرت عمر سے غلطی ہونے لگتی ہے تو دونوں فرشتے ان کو ادھر سے موڑ دیتے ہیں۔ اسکی وجہ سے
ان کا ہر کام درست اور حق ہی ہوتا ہے۔ (اللئالی مصنوعہ صفحہ ۱۸۲) اور جناب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی
تحریر فرماتے ہیں واما زیادت دیگر کہ لو کان نبیا بعدی لکانت یعنی اگر می بودے پیغمبرے بعد از من
تو می بودے ایں زیادت را گفتہ اند کہ موضوع است چنانکہ حدیث لو لم ابعث فیکم لبعث عمر نیز
ہمیں حکم دارد۔ یعنی دوسری زیادتی جو اس روایت میں کی گئی کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو تم ہی ہوتے
اس زیادتی کے بارے میں علماء نے بیان کیا ہے کہ موضوع ہے جیسا کہ یہ حدیث اگر میں تم لوگوں میں نبی بنا کر
نہ بھیجا گیا ہوتا تو ضرور عمر پیغمبر بنا دیئے گئے ہوتے بھی اسی طرح موضوع ہے (شرح سفر السعادۃ صفحہ ۱۴۵)

آپ کے فضائل کی حد

علامہ سیوطی اسکے بعد لکھتے ہیں عن عمار بن یاسر مرفوعا اتانی جبریل
آنفا فقلت یا جبریل حدثنی بفضائل عمر فی السماء فقال یا محمد
لو حدثتک بفضائل عمر فی السماء مالبث نوح فی قومہ الف سنۃ الا خمسین عاما ما
نفدت فضائل عمر وان عمر حسنۃ من حسنات ابی بکر۔ قال احمد بن حنبل موضوع
وآفتہ عرف اسماعیل۔ وقال الازدی ھو ضعیف وقال ابن حبان یروی المناکیر
التی لایشبہ انہا موضوعۃ۔ عمار بن یاسر سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم
نے ارشاد فرمایا ابھی میرے پاس جبریل آئے تھے تو میں نے ان سے کہا اے جبریل مجھ سے عمر کے
وہ فضائل جو انہیں آسمان میں حاصل ہیں بیان کرو۔ تو جبریل نے جواب دیا اے محمدؐ اگر میں عمر کے وہ
فضائل جو انہیں آسمان میں حاصل ہیں اتنی مدت تک بھی جب تک حضرت نوح اپنی قوم میں رہے

تھے یعنی ۹۵۰ سال تک بیان کرتا رہوں جب بھی فضائل عمر ختم نہیں ہو سکتے۔ اور عمر تو ابوبکر کی خوبیوں سے ایک ہی خوبی ہیں۔ امام احمد بن حنبل بیان کرتے تھے کہ یہ حدیث بالکل موضوع ہے۔ اس کے راوی اسمٰعیل کو میں جانتا بھی نہیں۔ اور ازدی نے بیان کیا کہ وہ ضعیف ہے۔ اور ابن حبان نے بیان کیا کہ یہ شخص ہمیشہ ایسی ہی مہمل روایتیں گڑھتا رہتا ہے جن کے غلط اور موضوع ہونے میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔ (لئالی مصنوعہ ص۱۵۳ ج۱)۔ اس روایت میں یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت عمر کے صرف وہ فضائل جو ان کو آسمان میں حاصل ہیں اس قدر بیان کئے گئے۔ زمین میں جس قدر فضائل ہونگے ان کا ابھی ذکر نہیں ہے۔ راوی کا مطلب غالباً یہ ہوگا کہ اگر آپکے وہ فضائل جو زمین میں ہیں بیان کئے جائیں تو شاید قیامت تک بھی ختم نہ ہوں۔ عن ابی بن کعب مرفوعا کان جبریل یذاکرنی امر عمر۔ فقلت یا جبریل اذکر لی بفضائل عمر وماله عند الله۔ فقال لو جلست معک مثل ما جلس نوح فی قومه ما بلغت فضائل عمر و لیبکین الاسلام بعد موتک یا محمد علی عمر۔ لا یصح۔ عبد الله الاسلمی لیس بشئ۔ قال ابن حبان یقلب الاسانید والمتون۔ ابی بن کعب سے یہ مرفوع روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا جبریل مجھ سے عمر کے معاملہ میں مذاکرہ کرتے تھے تو میں نے ان سے کہا اے جبریل مجھ سے عمر کے فضائل اور وہ درجہ جو انہیں خدا کے ہاں حاصل ہے بیان کرو۔ جبریل نے کہا اگر میں آپکے ساتھ اتنی مدت تک بیٹھا رہوں جب تک حضرت نوح اپنی قوم میں رہے تھے جب بھی حضرت عمر کے کل فضائل نہیں بیان کر سکتا۔ اور اے محمد آپ کی وفات کے بعد عمر پر اسلام روئیگا۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس کا ایک راوی عبد اللہ الاسلمی کوئی چیز نہیں تھا۔ ابن حبان کہتے تھے کہ وہ حدیث کی اسنادوں اور متنوں کو بھی الٹ پلٹ دیا کرتا تھا (لئالی مصنوعہ ص۱۵۳ ج۱)۔ عن ابی بن کعب مرفوعا کان جبریل یذاکرنی فضل عمر فقلت له یا جبریل ما بلغ من فضل عمر۔ قال یا محمد لو لبثت ما لبث نوح فی قومه ما بلغت لک فضل عمر۔ قال فی المیزان حسان بن غالب عن مالک متروک ذکره ابن حبان فقال شیخ من اہل مصر یقلب الاخبار ویروی عن الاثبات الملزقات وقال الحاکم له عن مالک احادیث موضوعة۔ یعنی ابی بن کعب سے یہ مرفوع روایت بیان کی گئی ہے (جس کا ترجمہ اوپر مذکور ہوا) علامہ ذہبی نے کتاب میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ حسان بن غالب مالک سے متروک ہے اس کا ذکر ابن حبان نے کیا ہے تو کہا مصر والوں کا استاد ہے۔ یہ شخص روایتوں میں ہیر پھیر

کیا کرتا تھا اور معتبر لوگوں سے لیٹی ہوئی روایت گڑھتا تھا۔ اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ امام مالک سے گڑھی ہوئی (موضوع) حدیثیں بیان کرتا تھا۔ عن ابی سعید قال قال النبیؐ لجبریل ایھا الروح الامین حدثنی بفضائل عمر عندکم فی السماء۔ قال یا محمد لو مکثت معکؐ ما مکث نوح فی قومہ الف سنۃ الا خمسین عاما ما حدثتکؐ بفضیلۃ واحدۃ من فضائل عمر وان عمر حسنۃ من حسنات ابی بکر وبالجملۃ اصلحھا اسنادا حدیث عمار ومع ذلکؒ قال الذھبی فی المیزان انہ خبر باطل۔ یعنی ابو سعید بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے جبریل سے کہا اے روح امین مجھ سے عمر کے وہ فضائل بیان کرو جو انہیں آسمان میں حاصل ہیں۔ انھوں نے کہا اے محمد اگر میں آپکے پاس اتنی دیر تک ٹھہروں جب تک حضرت نوح اپنی قوم میں رہے تھے یعنی ۹۵۰ سال تب بھی میں عمر کے فضائل سے ایک فضیلت تک نہیں بیان کر سکتا اور یقیناً عمر ایک ہی خوبی ہیں ابو بکر کی بکثرت خوبیوں سے۔ مختصر یہ کہ اسناد کے اعتبار سے عمار ہی کی روایت زیادہ مناسب ہے باوجود اسکے علامہ ذہبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ روایت باطل اور بالکل غلط ہے (لئالی مصنوعہ صـ۱۵۳) روایت گڑھنے والے معلوم نہیں کس عقل و فہم اور کیسے دماغ کے تھے۔ اگر یہ بیان کرتے کہ ۹۵۰ سال تک حضرت عمر کے فضائل بیان نہیں ہو سکتے تو اس میں پھر بھی گنجائش تھی کہ شاید آپکے فضائل کئی کروڑ۔ یا کئی ارب ہوں اس وجہ سے اتنی مدت بھی کافی نہیں ہوگی۔ لیکن روایت تراشنے والے نے بیان کیا کہ ۹۵۰ سال میں جناب جبریل حضرت عمر کی ایک فضیلت بھی بیان نہیں کر سکتے تھے۔ یعنی حضرت عمر کی جتنی فضیلتیں ہیں سب اتنی لمبی ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ۹۵۰ سال تک میں بیان نہیں ہو سکتی ہے۔ سبحان اللہ۔ ایجاد ہو تو ایسی ہو۔ اور بات بنائی جائے تو اس شان کی جو دنیا بھر کی عقل میں آ جائے۔ اور جس کے بارے میں ہر شخص آسانی سے بول اٹھے کہ آمنا وصدقنا۔ اور سنو! عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت کانت لیلتی من رسول اللہؐ فلما ضمنی وا تاہ الفراش نظرت الی السماء فرأیت النجوم مشتبکۃ فقلت یا رسول اللہ فی ھذہ الدنیا رجل لہ حسنات بعدد نجوم السماء۔ قال نعم عمر وانہ لحسنۃ من حسنات ابیکؓ۔ قال الخطیب موضوع بریۃ حدث عن اسماعیل الصفار احادیث باطلۃ موضوعۃ یعنی ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے تھے کہ حضرت عائشہ نے بیان کیا ایک رات حضرت رسول خدا صلعم کے ہاں میری باری تھی۔ پس جب حضرت نے مجھ کو اپنے سے چمٹا لیا اور آرام فرمایا تو میں نے آسمان کی طرف نظر کی

دیکھا کہ ستارے گھن گئے اور خوب نمایاں ہو گئے ہیں۔ اُس وقت میں نے کہا اے رسول خدا اس دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جسکے فضائل آسمان کے ستاروں کی طرح (بے حد و حساب) ہوں؟ حضرت نے فرمایا ہاں وہ عمر ہیں اور تمہارے باپ کی خوبیوں سے ایک ہی خوبی ہیں۔ علامہ خطیب نے بیان کیا کہ یہ روایت گڑھی ہوئی (موضوع) ہے۔ بریہ (اس حدیث کا ایک راوی) ایسا شخص تھا جو اسمٰعیل صفار سے غلط اور موضوع حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔ (لئالی مصنوعہ ص۱۸۱)

یاقوت و زمرد کے گھوڑے علامہ سیوطی لکھتے ہیں عن انس مرفوعا لما اسری بی رأیت فی السماء خیلا موقوفة مسرجة ملجمة لا تروث ولا تبول ولا تعرق۔ رؤسها من الیاقوت الاحمر وحوافرها من الزمرد وابدانها من العقیان الاصفر ذوات اجنحة۔ فقلت لمن هذا فقال جبرئیل هذه لمحبی ابی بکر وعمر یزورون اللّٰہ تعالٰی علیها یوم القیامة موضوع یعنی جناب انس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جب مجھے معراج ہوئی تو اس رات کو میں نے آسمان میں بہت سے گھوڑے بندھے ہوئے دیکھے جن پر زین کسا ہوا اور جن کے منہ میں لگام لگی ہوئی تھی وہ سب نہ لید کرتے تھے نہ پیشاب کرتے تھے نہ ان کے بدن سے پسینہ نکلتا تھا۔ ان سب کے سر سرخ یاقوت کے اور ان سب کے سم زمرد کے۔ اور ان سب کے باقی بدن خالص زرد سونے کے تھے اور اُن سب گھوڑوں کے بازو بھی تھے۔ میں نے پوچھا یہ گھوڑے کس کے لئے ہیں؟ تو جبرئیل نے کہا یہ اُن لوگوں کے لئے ہیں جو ابوبکر و عمر کو دوست رکھیں گے کہ وہ لوگ انہیں گھوڑوں پر سوار ہو کر قیامت کے روز اللہ تعالٰی کے دیدار کو جائیں گے۔ (لئالی مصنوعہ ص۱۸۱)۔ اس میں حضرت ابوبکر و عمر کے فضائل بھی ملحوظ رہے۔ ان کے دوستوں کا درجہ بھی دکھایا اور اس کو بھی ثابت کیا کہ خدا کی زیارت کیجائیگی اور محبان حضرت ابوبکر و عمر اس روز خدا کو دیکھیں گے۔ پھر علامہ ممدوح لکھتے ہیں دوی عن عثمان حدیثا کذبا۔ یعنی محمد بن عبید اللہ نے ایک جھوٹی حدیث بیان کی ہے۔

بہشت و دوزخ کا مناظرہ اور سنو۔ عن ابی هریرة مرفوعا تفاخرت الجنة والنار۔ فقالت النار للجنة انا اعظم منک قدرا۔ قالت ولم۔ قالت لان فی الفراعنة والجبابرة۔ والملوک وابناءها فاوحی اللّٰہ تعالٰی الی الجنة ان قولی بل لی الفضل اذ زیننی اللّٰہ لابی بکر وعمر۔ موضوع۔ ابان متروک و مھدی کذاب وضاع۔ حضرت ابوہریرہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ ایک دفعہ بہشت اور دوزخ

حضرت عمر نے ایک دوسرے سے فخر ومباہات کی بحث شروع کی تو دوزخ نے کہا میرا درجہ تجھ سے بڑھا ہوا ہے بہشت نے پوچھا وہ کیوں؟ دوزخ نے کہا اس لئے کہ مجھ میں بڑے بڑے فرعون۔ جبار۔ بادشاہ اور شاہزادے ہیں۔ اس وقت خدا نے بہشت کی طرف وحی نازل کی کہ تو ان کے جواب میں کہہ دے فضیلت میں میرا درجہ زیادہ ہے کیونکہ خدا نے مجھے ابوبکر و عمر کے ذریعے زینت دی ہے۔ یہ روایت بھی موضوع ہے اس کا ایک راوی آبان متروک۔ اور ایک اور راوی مہدی کذاب (بڑا جھوٹا) وضاع (اول درجہ کا جھوٹی حدیثیں دل سے گڑھنے والا) ہے۔ (لئالی مصنوعہ صفحہ ۱۸۴)

حضرت علی کو دوستی کا حکم

علامہ موصوف پھر لکھتے ہیں عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ قال رأیت النبیؐ متکیا علی علیؑ واذا ابوبکر و عمر اقبلا فقال یا ابا الحسن احبھما فبحبھما تدخل الجنۃ موضوع عملہ الاشنانی ثم رکب لہ اسنادا آخر فقال حدثنا سری بن مغلس السقطی سنۃ ۲۷۱ حدثنا اسماعیل بن علیۃ عن ایوب عن نافع عن ابن عمر بہ۔ قال الخطیب لو لم یذکر التاریخ کان اخفیٰ لبلیتہ واستر لان سریا مات سنۃ ۲۵۳ و لہ طریق آخر مجہول۔ یعنی عبداللہ بن ابی اوفیٰ بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا حضرت رسولخداؐ حضرت علی پر تکیہ کئے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر و عمر بھی وہاں پہنچ گئے۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا اے ابوالحسن! تم ان دونوں کو دوست رکھو کیونکہ ان کی دوستی ہی کی وجہ سے تم بھی بہشت میں جاؤ گے۔ یہ حدیث بالکل موضوع ہے۔ اس کو اشنانی نے ایجاد کیا ہے۔ اور پھر اسکے لئے دوسری اسناد بنائی کہ کہا مجھ سے حدیث بیان کی سری بن مغلس سقطی نے سنہ ۲۷۱ میں کہ حدیث بیان کی مجھ سے اسماعیل بن علیہ نے ایوب سے انھوں نے نافع سے انھوں نے ابن عمر سے اسی مضمون کی۔ علامہ خطیب کہتے تھے اگر وہ اس روایت کی تاریخ (کہ سری نے سنہ ۲۷۱ میں یہ حدیث بیان کی) نہ بیان کرتا تو اس کی جعل سازی چھپی اور اسکی مکاری پوشیدہ رہ جاتی کیونکہ سری تو ۲۵۳ میں مرا ہے (وہ سنہ ۲۷۱ میں موجود کب تھا جو اس روایت کو اس سے بیان کرتا) اور اس روایت کا ایک اور طریق ہے وہ بھی مجہول ہے (لئالی مصنوعہ صفحہ ۱۸۴)۔ عن ابی ھریرۃ قال لما خرج النبیؐ متکیا علی علیؑ ابن ابی طالب فاستقبلہ ابوبکر و عمر فقال یا علی اتحب ھذین الشیخین قال نعم یا رسول اللہ قال احبھما تدخل الجنۃ۔ تفرد بہ الحسن وھو مجھول۔ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم حضرت

علی بن ابی طالب پر تکیہ کئے ہوئے نکلے تو حضرت ابوبکر و عمر نے حضرت کا استقبال کیا۔ اُس وقت آنحضرتؐ نے پوچھا اے علی تم ان دونوں شخصوں کو دوست رکھتے ہو؟ آپ نے کہا ہاں اے رسول خدا حضرت نے فرمایا ان کو ضرور دوست رکھو اسی سے تم بھی بہشت میں جاؤ گے۔ اس روایت کے بیان کرنے میں حسن بن کی متفرد ہے اور وہ مجہول ہے وقال الذہبی فی المیزان الحسن بن حکی قال حدثنا ابن عیینۃ فذکر حدیثا باطلا بسند الصحیح وھو ھذا۔ علامہ ذہبی نے کتاب میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ حسن بن کی نے بیان کیا کہ مجھ سے ابن عیینہ نے بیان کیا۔ پھر سند صحیح سے ایک غلط حدیث بیان کی اور وہ یہی ہے۔ (لئالی مصنوعہ ص۱۸۴)

حضرت ابوبکر و عمر کے دشمنوں کا انجام

علامہ موصوف پھر لکھتے ہیں عن انس مرفوعا ان للہ تعالیٰ فی کل لیلۃ جمعۃ مائۃ الف عتیق من النار الا رجلین فانهما یخلدان فی امتی ولیسا منھم۔ وان اللہ لا یعتقھما فی من عتق منھم مع اھل الکبائر فی طبقتھم مصفدین مع عبدۃ الاوثان مبغضی ابی بکر و عمر ولیس ھم داخلین فی الاسلام وانما ھم یھود ھذہ الامۃ ثم قال الا لعنۃ اللہ علی مبغضی ابی بکر و عمر و عثمان و علی قال الخطیب موضوع کذب ودجاله ثقات ائمۃ الا مسرۃ والحمل علیه علی انه ذکر سماعه من ابی زرعۃ بعد موته باربع سنین قلت قال فی المیزان ھذا من موضوعات مسرۃ۔ حضرت انس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ خدا کے لئے ہر شب جمعہ میں ایک لاکھ آدمی جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں سوائے دو شخصوں کے کیونکہ یہ دونوں میری امت میں داخل ہو جائینگے حالانکہ میری امت سے نہیں ہونگے۔ اور جن لوگوں کو خدا ان میں سے آزاد کریگا ان میں سے وہ نہیں ہوں گے بلکہ وہ ان کے ساتھ ہونگے جو گناہان کبیرہ والے ہوں گے اور جو بت پرستوں کے ساتھ جہنم کے اسی طبقہ میں جکڑ بند رہیں گے وہ ابوبکر و عمر کے دشمن رکھنے والے ہونگے۔ اور وہ لوگ اسلام میں داخل نہیں ہیں بلکہ اس امت کے یہودی ہیں۔ پھر فرمایا کہ سن رکھو ابوبکر و عمر و عثمان و علی کے دشمنوں پر خدا کی لعنت ہوتی رہتی ہے۔ علامہ خطیب کا بیان ہے کہ یہ حدیث بالکل موضوع جھوٹی ہے اور اس کے راوی معتمد بلکہ پیشوایان دین ہیں سوائے مسرۃ کے۔ علاوہ بریں اس نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اس حدیث کو ابو زرعہ سے انکے مرنے کے چار سال بعد سنا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مسرۃ کی موضوعات (دل سے بنائی ہوئی) روایتوں

سے ہے (لئالی مصنوعہ ص۱۵۸) کیا تماشہ ہے کہ کوئی شخص ۲۶۴ھ میں مر جائے اور دوسرا شخص اس مرنے والے کا نام لیکر کہے کہ اس نے مجھ سے یہ حدیث ۲۶۸ھ میں بیان کی تھی۔ اور وہ حدیث صحیح مان لی جائے۔ علماء و محدثین اس کی روایت کریں اور اس سے حضرت کی فضیلت ثابت کیجائے۔

حضرت ابوبکر و عمر کا وزیر رسول خدا ہونا!!

پھر علامہ موصوف لکھتے ہیں عن انس قال اٰخی النبی بین کتفی ابی بکر و عمر فقال لھما انتما وزیرای فی الدنیا والاٰخرۃ۔ ما مثلی و مثلکما فی الجنۃ الا کمثل طائر یطیر فی الجنۃ فانا جؤجؤ الطائر وانتما جناحاہ وانا وانتما نسرح فی الجنۃ وانا وانتما نزور رب العالمین وانا وانتما نقعد فی مجالس الجنۃ۔ فقالا وفی الجنۃ مجالس۔ قال نعم فیھا مجالس ولھو۔ فقال ای شئی لھو الجنۃ۔ قال اٰجام من قصب من کبریت احمر حملھا الدر الا طب فیخرج ریح من تحت ساق العرش یقال لھا الطیبۃ فتنثر تلک الاٰجام فیخرج صوت ینسی اھل الجنۃ ایام الدنیا وما کان فیھا موضوع۔ اٰفتہ ذکریا۔ قال ابن حبان کان یضع الحدیث علی حمید الطویل وزعم انہ ابن مائۃ سنۃ وخمس وثلاثین سنۃ حدثنا احمد بن موسی عنہ عن حمید بنسخۃ کتبنا ھا کلھا موضوعۃ لا یحل ذکرھا۔ حضرت انس صحابی بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت ابوبکر و عمر کے شانوں کے درمیان بھائی چارہ مقرر کرکے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں تم دونوں میرے وزیر ہو۔ میری اور تم دونوں کی مثال بہشت میں اس طائر (چڑیا) ایسی ہوگی جو بہشت میں اڑتی پھرے گی۔ میں اس چڑیا کا سینہ ہونگا اور تم دونوں اس کے دونوں بازو (پر) ہوگے اور میں اور تم جنت میں خوب چرتے رہیں گے اور میں اور تم دونوں خدائے رب العالمین کی زیارت بھی کریں گے۔ اور میں اور تم دونوں بہشت کے جلسوں میں بیٹھیں گے۔ اس پر دونوں صاحبوں نے کہا کیا جنت میں جلسے بھی ہوں گے؟ حضرت نے فرمایا ہاں اس میں جلسے بھی ہوں گے اور تماشے بھی ہونگے۔ پوچھا بہشت کا تماشہ کیا ہوگا؟ حضرت نے فرمایا جواہر کے محل ہونگے جو کبریت احمر سے بنے ہوں گے۔ ان کے شاداب موتی کے ہونگے پس ساق عرش کے نیچے سے ایک ہوا نکلے گی جس کو طیبہ کہیں گے۔ اس پر وہ سب محل و جنگلیں ایسی آواز نکلے گی جو بہشت والوں کو دنیا کے ایام اور جو کچھ لطف اس میں ہوتے تھے سب بھلا دیگی۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ اسکی آفت زکریا ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ یہ زکریا حمید طویل پر حدیث وضع کیا کرتا تھا۔

اور گمان کیا کہ وہ ۱۲۰ سال کا تھا۔ مجھ سے احمد بن موسیٰ نے اسی ز کریا سے اور اس نے حمید سے ایک کتاب کی روایت کی جس کو ہم نے لکھا جو سب کی سب موضوع تھی جس کا ذکر بھی حرام ہے (لئالی صہ ۱۵۵)

دوستان و دشمنان حضرت ابوبکر و عمر

علامہ موصوف ہی یہ بھی لکھتے ہیں عن ابی هریرۃ مرفوعا ان فی السماء الدنیا ثمانین الف ملک یستغفرون اللہ لمن احب ابابکر و عمر و فی السماء الثانیہ ثمانین الف ملک یلعنون من ابغض ابابکر و عمر قال الخطیب وضعه العدوی۔ حضرت ابوہریرہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ نیچے کے آسمان میں ۸۰ ہزار فرشتے ہیں جو ان لوگوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں جو ابوبکر و عمر کو دوست رکھتے ہیں۔ اور دوسرے آسمان میں بھی اسی ہزار فرشتے ہیں جو ان لوگوں پر لعنت کرتے رہتے ہیں جو ابوبکر و عمر کو دشمن رکھتے ہیں۔ علامہ خطیب نے بیان کیا کہ عدوی نے اس روایت کو وضع کیا ہے (لئالی مصنوعہ صہ ۱۵۱) قال رسول اللہ لما عرج بی الی السماء رایت فی السماء السابعۃ ثمانین الفا من الملائکۃ علی خیل الیاقوت یستغفرون اللہ عزوجل لابی بکر و عمر ثم عرج الی السماء الخامسۃ فرأیت سبعین الف من الملئکۃ علی خیل الیاقوت یستغفرون اللہ لمن یستغفر لابی بکر و عمر۔ یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ جب مجھے معراج ہوئی تو میں نے ساتویں آسمان میں یاقوت کے گھوڑوں پر اسی ہزار فرشتے دیکھے جو ابوبکر و عمر کیلئے خدا سے استغفار کرتے تھے۔ پھر میں پانچویں آسمان پر چڑھا تو یاقوت کے گھوڑوں پر ستر ہزار فرشتوں کو دیکھا جو خدا سے ان لوگوں کے لئے استغفار کرتے تھے جو حضرت ابوبکر و عمر کے لئے استغفار میں مشغول تھے۔ عن ابی هریرۃ مرفوعا ان للہ تعالیٰ فی السماء سبعین الف ملک یلعنون من شتم ابابکر و عمر قال الخطیب سھل بن صقیر یضع الحدیث۔ حضرت ابوہریرہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے آسمان میں ستر ہزار فرشتے ہیں جو ابوبکر و عمر کے برا کہنے والوں پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ علامہ خطیب کہتے تھے کہ اس روایت کا ایک راوی سہل بن صقیر حدیثیں دل سے گڑھا کرتا تھا۔ (لئالی مصنوعہ صہ ۱۵۱) رایت لیلۃ اسری بی فی العرش فریدۃ خضراء فیھا مکتوب بنور ابیض لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق لا یصح۔ آفتہ عمر کذاب۔ یعنی حضرت ابو درداء سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات عرش میں ایک سبز موتی دیکھا جس میں سفید نور سے

لکھا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اسکی آفت اس کا ایک راوی عمر بن اسماعیل ہے۔ جو بڑا جھوٹا تھا۔ عن انس مرفوعا من افترى على الله عز وجل كذبا قتل ولا يستتاب ومن سبني قتل ولا يستتاب ومن سب ابا بكر قتل ولا يستتاب ومن سب عثمان جلد الحد ومن سب عليا جلد الحد۔ قيل لم فرقت بين ابي بكر وعمر وعثمان وعلي۔ قال لان الله تعالى خلقني وخلقهما من تربة واحدة وفيها ندفن قال ابن عدي البلاء من يعقوب۔ قلت قال في الميزان هذا موضوع۔ حضرت انس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالے پر جھوٹی بات افترا کرکے بیان کرے گا وہ قتل کیا جائیگا۔ اور اس سے توبہ نہیں کرائی جائے گی اور جو مجھے گالی دیگا وہ قتل کیا جائیگا اور اس سے توبہ نہیں کرائی جائے گی۔ اور جو ابوبکر و عمر کو گالی دیگا وہ قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ نہیں کرائی جائیگی اور جو عثمان کو گالی دیگا اس کو کوڑے کی سزا دیجائے گی۔ اور جو علی کو گالیاں دیگا اس کو بھی کوڑوں کی سزا دیجائے گی۔ اس پر حضرت رسول خدا صلعم سے سوال کیا گیا کہ یا حضرت آپنے فرق کیوں کیا (کہ حضرت ابوبکر و عمر کو گالیاں دینے والے تو قتل کئے جائینگے اور حضرت عثمان و علی کو گالیاں دینے والے صرف کوڑوں کی سزا پائینگے) حضرت نے فرمایا اس سبب سے کہ اللہ تعالے نے مجھے اور ابوبکر و عمر کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اور اسی میں ہم لوگ دفن کئے جائیں گے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس روایت کی بلا اس وجہ سے ہے کہ اسکا ایک راوی یعقوب ہے۔ میں (علامہ سیوطی) کہتا ہوں کہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ حدیث بالکل موضوع ہے (لئالی مصنوعہ ص۱۸۱)

آنحضرت اور شیخین کی خلقت ایک مٹی سے

اوپر کی موضوع روایت کی طرح یہ روایتیں بھی ہیں عن ابن مسعود مرفوعا كل مولود يولد يذر على سرته من تربته فاذا طال عمره رده الى تربته التي خلق منها وانا وابوبكر وعمر خلقنا من تربة واحدة وفيها ندفن لا يصح محمد واحمد مطعون فيهما وفيه مجاهيل منهم ابو البيع۔ حضرت ابن مسعود سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں اسکی تربت سے چھڑک دیا جاتا ہے پھر جب اسکی عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ اپنی اسی تربت کی طرف پلٹا لیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا

کیا گیا تھا۔ اور میں اور ابوبکر و عمر ایک ہی تربت (مٹی) سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی میں ہم لوگ دفن کئے جائیںگے۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کے راوی محمد و احمد دونوں محل اعتراض ہیں اور اس میں بہت سے مجہول راوی بھی ہیں۔ انہیں سے ابوالیسع بھی ہے۔ عن ابن مسعود مرفوعا ما من مولود یولد الا و فی سرته من تربته التی یولد منها فاذا ردالی ارذل العمر ردالی تربته التی خلق منها حتی یدفن فیها وانی وابوبکر و عمر خلقنا من تربة واحدة و فیها ندفن وقد اورد المؤلف هذا الطریق فی العلل وقد قال الدارقطنی موسی بن سهل ضعیف۔ حضرت ابن مسعود سے یہ مرفوع روایت ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں اس مٹی سے ڈالا جاتا ہے جس سے وہ پیدا ہوتا ہے پھر جب وہ بڑی عمر کی طرف پلٹا دیا جاتا ہے تو اسی مٹی کی طرف واپس لایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ اسی میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ اور میں اور ابوبکر و عمر ایک ہی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی میں ہم لوگ دفن کئے جائیں گے۔ اور مؤلف نے اس طریق کو علل میں درج کیا ہے۔ اور امام دارقطنی نے کہا ہے کہ اس روایت کا ایک راوی موسی بن سہل ضعیف ہے۔ عن ابی هریرة مرفوعا ما من آدمی الا و من تربته فی سرته فاذا دنا اجله قبضه الله من التربة التی منها خلق و فیها یدفن و خلقت انا و ابوبکر و عمر من طینة واحدة و ندفن فیها فی بقعة واحدة۔ حضرت ابوہریرہ سے مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا دنیا میں جو آدمی آتا ہے اسکی ناف میں اسکی اسی تربت سے مٹی ڈالی جاتی ہے۔ پھر جب اسکی موت قریب آجاتی ہے تو خدا اسکی قبض روح اسی مٹی سے کرتا ہے جس سے اس کو پیدا کیا تھا اور اسی مٹی میں وہ دفن کیا جاتا ہے۔ اور میں اور ابوبکر و عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی مٹی میں ایک بقعہ کے اندر ہم تینوں دفن بھی کئے جائیں گے۔ عن ابی هریرة مرفوعا ما من مولود الا وقد ذر علیه من تراب حضرته قال ابو عاصم ما نجد فضیلة لابی بکر و عمر مثل هذه لان طینتهما من طینة رسول الله ﷺ و معه دفنا قال ابو نعیم هذا حدیث غریب من حدیث ابن عون عن محمد لم نکتبه الا من حدیث ابی عاصم النبیل عنه۔ حضرت ابوہریرۃ سے مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا دنیا میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس پر اس مٹی سے جو وہاں موجود رہتی ہے ضرور چھڑک دیا جاتا ہے۔ ابو عاصم کہتے تھے کہ ہم کو

حضرت ابوبکر و عمر کی کوئی فضیلت اس شان کی نہیں ملتی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی مٹی حضرت رسولخدا صلعم کی مٹی سے تھی۔ اور حضرت ہی کے ساتھ دونوں دفن بھی کئے گئے۔ ابونعیم نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ حدیث ابوعون سے محمد سے نہیں لکھا ہے ہم نے اس کو مگر حدیث ابوعاصم سے [1] سمعت ابن سیرین یقول لو حلفت حلفت صادقا بارا غیر شاک ولا مستثنیٰ ان اللہ تعالےٰ ما خلق نبیہ صلعم ولا ابابکر ولا عمر الا من طینۃ واحدۃ ثم ردھم الی تلک الطینۃ۔ میں نے ابن سیرین سے سنا کہ وہ کہتے تھے اگر میں حلف لیکر کہوں تو اس حلف میں سچا۔ نیکوکار ہونگا نہ اس میں کوئی شک ہوگا نہ کوئی مستثنیٰ قرار پائیگا کہ خدا نے اپنے رسول اور

---

[1] ایسی حدیثیں کس وجہ سے بیان کی گئیں اسے بھی دیکھو۔ یہی علامہ سیوطی لکھتے ہیں عن ابن عمران حبشیا دفن بالمدینۃ فقال رسول اللہ صلعم دفن بالطینۃ التی خلق منھا۔ حضرت ابن عمر بیان کرتے تھے کہ ایک حبشی مدینہ میں دفن کیا گیا تو حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا یہ اسی مٹی میں دفن کیا گیا جس سے پیدا کیا گیا تھا۔ عن ابی سعید ان النبی صلعم مر بالمدینہ فرائی جماعۃ یحفرون قبرا فسأل عنہ فقالوا حبشی قدم فمات فقال النبی صلعم لا الہ الا اللہ سیق من ارضہ وسمائہ الی التربۃ التی خلق منھا۔ حضرت ابوسعید بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم مدینہ میں گزر رہے تھے تو ایک جماعت کو دیکھا کہ قبر کھود رہے ہیں۔ حضرت نے پوچھا کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے عرض کی ایک حبشی اس شہر میں اتفاقاً آگیا تھا تو یہیں مرگیا۔ حضرت نے فرمایا لا الہ الا اللہ۔ یہ حبشی اپنی زمین اور آسمان سے ہنکا کر اسی مٹی کے پاس پہونچایا گیا جس سے یہ پیدا کیا گیا تھا۔ (لئالی مصنوعہ صفحہ ۱۸۸) اس سے واضح ہوا کہ انسان جس مٹی سے پیدا ہوتا ہے اسی میں وہ دفن کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے اُن لوگوں نے حضرت ابوبکر و عمر کے لئے یہ حدیثیں وضع کیں مگر آنحضرت صلعم ان حدیثوں کو ارشاد فرما ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ جب ہر شخص اسی مٹی میں مل جاتا ہے جس سے وہ پیدا ہوتا ہے تو مدینہ کے کل مرنے والے اس میں حضرت ابوبکر و عمر کے برابر ہوگئے۔ خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں۔ پس باوجود اس کے حضرت رسول خدا صلعم حضرت ابوبکر و عمر کے لئے اسے فضیلت کیوں قرار دیتے؟۔ ان کو اس سے خصوصیت ہی کیا حاصل ہوئی جس کی وجہ سے اس کا کوئی ذکر کیا جاتا۔ وہ حبشی بھی تو اسی مدینہ کی مٹی میں مل گیا جس میں حضرت ابوبکر و عمر ملے تھے حالانکہ یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ حبشی مسلمان تھا یا یہودی یا نصرانی یا اور کوئی کافر۔ ۱۲ منہ

ابوبکر و عمر کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا تھا۔ پھر ان سب کو اسی مٹی میں ملا بھی دیا۔ (لئالی مصنوعہ ص ۱۸۵ ج ۱)

بہشت میں آپ کا درجہ

اور علامہ ذہبی لکھتے ہیں عن ابن عباس مرفوعا اذا کان یوم القیامۃ یکون ابوبکر علی احد ارکان الحوض و عمر علی الرکن الثانی وعثمان علی الثالث و علی علی الرابع فمن ابغض واحدا منهم لم یسقه الآخرون ... عن ابن عباس مرفوعا اذا کان یوم القیامۃ نادی مناد تحت العرش هاتوا اصحاب محمد فیوتی بابی بکر و عمر و عثمان و علی فیقال لابی بکر قف علی باب الجنۃ فادخل فیها من شئت ورد من شئت۔ ویقال لعمر قف عند المیزان فثقل من شئت برحمۃ اللہ وخفف من شئت۔ ویعطی عثمان غصن شجرۃ من الشجرۃ التی غرسها اللہ بیدہ فیقال رد بهذا عن الحوض من شئت ویعطی علی حلتین فیقال له خذهما فانی ادخرتهما لک یوم انشأت خلق السماوات والارض..... قلت هذا رجل کذاب قال الحاکم احادیثه موضوعۃ۔ حضرت ابن عباس سے مرفوع روایت ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ابوبکر حوض کوثر کے پہلے کنارے پر ہونگے۔ عمر دوسرے کنارے پر۔ عثمان تیسرے کنارے پر۔ علی چوتھے کنارے پر۔ اور جو شخص ان چاروں سے کسی کو بھی دشمن رکھتا ہوگا اس کو باقی تینوں خلفاء بھی حوض کوثر سے سیراب نہیں کرینگے.... اور حضرت ابن عباس سے یہ مرفوع روایت بھی ہے کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو ایک منادی عرش کے نیچے پکارے گا کہ حضرت محمدؐ کے اصحاب کو لاؤ۔ پس فرشتے ابوبکر و عمر و عثمان و علی کو حاضر کرینگے اس وقت ابوبکر سے کہا جائیگا کہ تم بہشت کے دروازے پر کھڑے ہو اور جس کو چاہو اس میں داخل کرو اور جس کو چاہو وہاں سے ہٹا دو۔ اور عمر سے کہا جائے گا تم میزان اعمال کے پاس کھڑے ہو کر جس کے اعمال نامہ کو چاہو رحمۃ خدا سے بھاری کردو اور جس کے نامۂ اعمال کو چاہو ہلکا کردو۔ اور عثمان کو اس درخت سے جسے خدا نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے ایک ڈالی دے دیجائے گی اور کہا جائے گا اس لکڑی سے تم جس کو چاہو حوض کوثر پر سے ہٹا دو۔ اور علی کو دو حلے دئیے جائیں گے اور ان سے کہا جائیگا کہ ان دونوں کو قبول کرو کیونکہ میں نے ان کو تمہارے لئے اسی دن ذخیرہ کر دیا تھا جس روز آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا قال ابن حبان ابراهیم بن عبداللہ بن خالد یسرق الحدیث ویروی عن الثقات ما لیس من حدیثهم۔ علامہ ابن حبان بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کا راوی ابراہیم بن عبداللہ

حدیثیں چوری کیا کرتا تھا اور معتمد لوگوں کی طرف نسبت دیکر ایسی حدیثیں ان سے بیان کرتا تھا جو انھوں نے کبھی بھی نہیں کہی تھیں۔ (میزان الاعتدال مطبوعہ لکھنؤ جلد ۱ صٓ۱)

شیخین کو گالی دینے کا انجام

علامہ ذہبی لکھتے ہیں عن اجلح قال سمعنا انہ ما سب ابا بکر و عمر احد الا فتقر او مات قتلا۔ اجلح بیان کرتے تھے کہ میں نے سنا جس شخص نے بھی ابو بکر یا عمر کو گالی دی وہ یا فقر میں مبتلا ہوا یا قتل ہو کر مرا۔ اس کے بارے میں علامہ موصوف لکھتے ہیں قال ابو حاتم لیس بالقوی وقال س ضعیف۔ لہ رأی سوء و قال القطان فی نفسی منہ شئی۔ اس روایت کا راوی اجلح قوی نہیں تھا۔ اور س نے کہا کہ وہ ضعیف تھا اس کا عقیدہ برا تھا۔ اور قطان نے کہا کہ میرے نفس میں اس کی طرف سے تردد ہے (میزان جلد ۱ صٓ۳۳)۔

رسولخدا اور حضرت عمر

علامہ موصوف ہی لکھتے ہیں عن ابی سعید مرفوعا قال من ابغض عمر فقد ابغضنی و من احبہ فقد احبنی عمر معی حیث حللت و انا مع عمر حیث حل۔ حضرت ابو سعید سے مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا جو عمر رضی اللہ عنہ کو دشمن رکھیگا وہ مجھے دشمن رکھے گا اور جو انہیں دوست رکھے گا وہ مجھے بھی دوست رکھے گا۔ عمر میرے ساتھ ہی رہینگے جہاں بھی میں رہوں اور میں بھی عمر ہی کے ساتھ رہونگا جہاں وہ رہیں۔ اسکے راوی احمد کے متعلق لکھا ہے قال ابن عدی روی مناکیر عن الثقات...... وقال ابو الفتح الازدی یضع الحدیث۔ ابن عدی کہتے تھے کہ احمد معتمد لوگوں کی طرف نسبت دیکر مہمل حدیثیں گڑھتا رہتا تھا اور ابو الفتح ازدی کہتے تھے کہ احمد غلط حدیثیں وضع کرتا تھا (میزان جلد ۱ صٓ۳۶)

اقتدوا بابی بکر و عمر کی حدیث

علامہ موصوف ہی لکھتے ہیں عن ابن عمر قال رسول اللہ اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر و عمر۔ حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا تم لوگ ان دونوں کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہونگے اور وہ ابو بکر و عمر ہیں۔ اسکے راوی احمد بن محمد کے متعلق لکھتے ہیں قلت لغلام خلیل ما ھذہ الرقائق التی تحدث بہا قال وضعناھا لنرقق بہا قلوب العامۃ وقال ابو داؤد اخشی ان یکون دجال بغداد...... وقال ابو بکر النقاش وھو واہ۔ ابو عبد اللہ نہاوندی نے اس راوی سے پوچھا اے غلام خلیل (احمد بن محمد) یہ دل کی نرم کرنے

والی کیسی حدیثیں ہیں جن کی تم روایت کرتے ہو؟ اس (احمد) نے جواب دیا میں نے ان حدیثوں کو اپنے دل سے گڑھ کر بیان کردیا ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے عام لوگوں کے دل نرم ہو جائیں۔ اور ابوداؤد کہتے تھے کہ میں ڈرتا ہوں یہ شخص بغداد کا دجال نہ ہو... اور ابوبکر نقاش کہتے تھے کہ وہ واہی تھا۔ (میزان ص۵۵) واہی کا معنے ضعیف اور ناتوان ہے۔ (انوار اللغۃ پ۲ ص۱۰۵)

حضرت عمر بہشت کے چراغ ہیں

علامہ موصوف ہی لکھتے ہیں عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ خلقنی اللہ من نورہ وخلق ابابکر من نوری وخلق عمر من نور ابی بکر وخلق امتی من نور عمر وعمر سراج اھل الجنۃ۔ قال ابو نعیم ھذا باطل مخالف کتاب اللہ۔ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے مجھ کو اپنے نور سے اور ابوبکر کو میرے نور سے اور عمر کو ابوبکر کے نور سے اور میری پوری امت کو عمر کے نور سے پیدا کیا ہے۔ اور عمر بہشت والوں کے چراغ ہیں۔ ابو نعیم بیان کرتے تھے کہ یہ حدیث غلط اور قرآن مجید کے مخالف ہے۔ پھر اسکے راوی کے متعلق لکھا ہے کہ احمد بن یوسف لا یعرف واتی بخبر کذب۔ یعنی احمد بن یوسف غیر معروف شخص ہے اور اس نے ایک جھوٹی حدیث بیان کی ہے (میزان جلد ا ص۷۶)

خلافت ابوبکر و عمر

علامہ موصوف ہی یہ بھی لکھتے ہیں عن الزبیر بن العوام سمع النبیؐ یقول الخلیفۃ بعدی ابوبکر وعمر ثم یقع الاختلاف فقمنا الی علی فاخبرناہ فقال صدق الزبیر سمعت رسول اللہ یقول ذلک۔ حضرت زبیر بن عوام نے حضرت رسول خدا صلعم سے سنا کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے میرے بعد میرے خلیفہ ابوبکر و عمر ہونگے۔ ان دونوں کے بعد اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ یہ سنکر ہم لوگ حضرت علی کے پاس گئے اور ان سے اس حدیث کو بیان کیا تو حضرت علی نے کہا زبیر نے سچ بیان کیا ہے۔ میں نے بھی حضرت رسول خدا صلعم سے یہ بات سنی تھی۔ پھر اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں قلت ھذا باطل والآفۃ من عبدالرحمن فانہ کذاب۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث بالکل غلط اور باطل ہے اور اس کی آفت اس کا راوی عبدالرحمن ہے کیونکہ وہ بڑا جھوٹا تھا۔ (میزان ص۱۲۶)

اصحاب کی عظمت

عن انس رضہ ان اللہ اختار لی اصحابا واصھارا وانہ سیکون فی آخر الزمان قوم یبغضونھم فلا تواکلوھم ولا تشربوا ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم۔ حضرت انس سے یہ مرفوع روایت ہے

کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا خدا نے کچھ لوگوں کو میرے اصحاب اور کچھ لوگوں کو میرے سسر بنایا ہے اور یقیناً آخر زمانہ میں ایک قوم آئے گی جو ان لوگوں کو دشمن رکھے گی۔ تم لوگ نہ ان کے ساتھ کھانا پینا۔ نہ ان لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا اور نہ ان کے جنازوں پر نماز پڑھنا۔ پھر اس حدیث کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابن حبان منکر الحدیث جداً۔ ابن حبان کہتے تھے کہ اس کی حدیثیں بالکل غلط ہوتی تھیں (میزان ص۱۲)۔

حضرت ابوبکر و عمر سب سے بہتر

عن ابی ہریرۃ مرفوعا ابوبکر و عمر خیر الاولین۔ حضرت ابوہریرہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ابوبکر و عمر کل پہلے لوگوں سے بہتر ہیں۔ (میزان جلد ا ص۱۵۱) اس حدیث کے بنانے والے کی جرأت قابل دید ہے کہ دونوں بزرگوں کو کل انبیاء و مرسلین و اوصیاء بلکہ انبیاء اولوالعزم سے بھی بہتر بنا دیا۔ اسکے بارے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں تفرد به القنطری و بالذی قبلهما و هما موضوعان۔ اس اور اسکے قبل والی حدیث کو صرف قنطری نے بیان کیا ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں موضوع ہیں۔ (میزان جلد ا ص۱۵۶)

اصحابی کالنجوم

عن ابی ہریرۃ عن النبی اصحابی کالنجوم من اقتدی بشئی منها اهتدی۔ جناب ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے میرے اصحاب ستاروں ایسے ہیں۔ جو شخص کسی بات میں ان کی پیروی کرلے گا وہ ہدایت پا جائے گا۔ اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں جعفر بن عبدالواحد الهاشمی القاضی قال الدارقطنی یضع الحدیث وقال ابو زرعة روی احادیث لا اصل لها وقال ابن عدی یسرق الحدیث و یاتی بالمناکیر عن الثقات ۔۔۔ ثم ساق له ابن عدی احادیث وقال کلها بواطیل و بعضها سرقة یعنی جعفر بن عبدالواحد ہاشمی قاضی اس کا راوی ہے۔ امام دارقطنی اسکے بارے میں کہتے تھے کہ یہ حدیثیں گڑھا کرتا تھا۔ اور ابوزرعہ کہتے تھے کہ اس نے ایسی حدیثیں روایت کردی ہیں جن کا کوئی سر پاؤں تک نہیں ہے۔ اور ابن عدی کہتے تھے کہ یہ حدیث چوری کرتا اور معتبر لوگوں کی طرف غلط روایتیں منسوب کرتا تھا۔ پھر ابن عدی نے اسکی بہت سی روایتوں کو ذکر کرکے کہا کہ یہ سب کی سب باطل کا دفتر اور بعض تو چوری کی چیزیں ہیں (میزان جلد ا ص۱۶۷) حالانکہ یہ حدیث اب اس درجہ مشہور کی گئی کہ کوئی اسکے موضوع ہونے کی طرف خیال بھی نہیں کرتا ہے۔

استغفار کرنیوالے فرشتے اوپر کتاب لئالی مصنوعہ سے وہ حدیث لکھی گئی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر کے دوست رکھنے والوں کے لئے اسّی ہزار فرشتے مقرر ہیں جو ان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ اسکے راوی کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔ ھذا شیخ قلیل الحیاء ماتفکس فی ما یفتریہ... وقال ابن عدی عامۃ ماحداث بہ الا القلیل موضوعات وکنا نتہمہ بل نتیقن انہ ھو الذی وضعھا یعنی اس روایت کا راوی بڑا بے شرم شیخ ہے۔ جو کچھ افترا کرتا ہے اس کے بارے میں کچھ سوچتا بھی نہیں ہے کہ کیسی (ذہل بات) ہے۔ اور ابن عدی کہتے تھے کہ سوائے بعض حدیثوں کے اسکی کل حدیثیں موضوعات کا انبار ہیں۔ اور ہم لوگ اس کو متہم کرتے بلکہ یقین رکھتے ہیں کہ اسی نے یہ سب وضع کی ہیں۔ (میزان جلد ۱ صفحہ ۲۰۷)۔

اسلام کے تاج اور حلہ عن زر بن عبداللہ مرفوعا ابوبکر تاج الاسلام وعمر حلۃ الاسلام وعثمان اکلیل الاسلام وعلی طبیب الاسلام الحدیث وھو کذب۔ زر بن عبداللہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ اسلام کے تاج ابوبکر۔ اسلام کے حلہ عمر۔ اسلام کے اکلیل عثمان۔ اور اسلام کے طبیب علی ہیں۔ اور یہ حدیث غلط ہے۔ (میزان جلد ۱ صفحہ ۲۷۵)۔

خدا سے مصافحہ عن ابی بن کعب قال قال رسول اللہ اول من یصافحہ الحق عمر واول من یاخذہ بیدہ فیدخلہ الجنۃ ھذا منکر جدا ابی بن کعب سے روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا خدا بروز قیامت سب سے پہلے حضرت عمر سے مصافحہ کرے گا اور سب سے پہلے انہیں کا ہاتھ پکڑ کر بہشت میں داخل کرے گا۔ یہ حدیث بالکل غلط ہے۔ (میزان جلد ۱ صفحہ ۲۸۴)۔

اختلاف صحابہ عن عمر مرفوعا سالت ربی فی ما اختلف فیہ اصحابی من بعدی فاوحی اللہ الی یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم بعضھم اضوء من بعض فمن اخذ بشئی مما ھم علیہ من اختلافھم فھو عندی علی ھدی فھذا باطل۔ حضرت عمر سے مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے میں نے خدا سے سوال کیا کہ میرے بعد میرے اصحاب جس امر میں اختلاف کرینگے اس کا کیا ہوگا۔ اس پر خدا نے میری طرف وحی کی کہ اے محمد تمھارے اصحاب میرے خیال میں ستاروں ایسے ہیں کہ کسی کی روشنی

کسی سے زیادہ ہے۔ جو شخص ان کے کسی اختلاف کی بھی پیروی کریگا وہ میرے نزدیک ہدایت ہی پر رہیگا یہ حدیث غلط ہے اس کے راوی عبدالرحیم کو لوگوں نے چھوڑ دیا تھا اور دوسرا راوی بنیم بھی موضوع حدیثیں بیان کرتا پھرتا تھا۔ (میزان جلد ا صفحہ ۳۲۴)

آپکی خلافت کا اعلان عن ابن عمر قال خرج رسول اللہ ؐ وبلال فقال نادی فی الناس ان الخلیفۃ ابوبکر وان الخلیفۃ بعدہ عمر ثم عثمان حضرت ابن عمر بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم اور بلال نکلے تو حضرت نے بلال سے فرمایا لوگوں میں اعلان کردو کہ میرے خلیفہ ابوبکر اور ان کے بعد خلیفہ عمر پھر عثمان ہونگے۔ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں فھذا موضوع۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ (میزان جلد ا صفحہ ۳۴۶)۔

کس طرح محشور ہونگے عن ابن عمر قال دخل رسول اللہ ؐ المسجد وعن یمینہ ابوبکر وعن شمالہ عمر فقال ھکذا نبعث یوم القیامۃ حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم مسجد میں اس طرح داخل ہوئے کہ حضرت کے داہنی جانب حضرت ابوبکر اور بائیں جانب حضرت عمر تھے تو حضرت نے فرمایا ہم لوگ قیامت کے دن بھی اسی طرح محشور ہونگے۔ اسکے راوی سعید کے بارے میں لکھتے ہیں لیس بشئی وقال البخاری ضعیف۔ یہ کوئی چیز نہیں۔ اور بخاری کہتے تھے کہ یہ ضعیف ہے (میزان جلد ا صفحہ ۳۵)

خدا کے دین میں قوی ہونا عن ابی سعید مرفوعاً ارحم ھذہ الامۃ ابوبکر واقواھم فی دین اللہ عمر وافرضھم زید واقضاھم علی۔ حضرت ابوسعید سے یہ مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا اس امت میں سب سے زیادہ رحم والے ابوبکر اور خدا کے دین میں سب سے زیادہ مضبوط عمر اور سب سے زیادہ فرائض کے جاننے والے زید اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔ اس حدیث کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں سلام بن مسلم ضعیف لایکتب حدیثہ... لیس لشئی.... منکر الحدیث... متروک ۔ ضعیف ۔ یعنی سلام بن مسلم ضعیف ہے اسکی حدیثیں لکھنے قابل نہیں ہوتیں وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اسکی حدیثیں غلط ہوتی ہیں۔ لوگوں نے اسکو چھوڑ دیا تھا۔ وہ ضعیف تھا۔ (میزان جلد ا صفحہ ۴۲۵)

حضرت عمر کے بعد مرجانے کا حکم بایع اعرابی النبیؐ فقال علی للاعرابی ان مات النبیؐ فمن یقضیک قال لا ادری۔ قال فأتہ فسئلہ فاتاہ فسألہ فقال یقضیک ابوبکر وذکر الحدیث واخرہ اذا مت انا وابوبکر

وعمر وعثمان فان استطعت ان تموت فمت ۔ یعنی ایک اعرابی نے حضرت رسولخدا صلعم کی بیعت کی تو اس سے حضرت علی نے پوچھا اگر حضرت رسولخدا انتقال فرما جائینگے تو تمہارا فیصلہ کون کرے گا؟ اس نے کہا یہ تو میں نہیں جانتا۔ فرمایا تو جا کر حضرت سے یہ بھی پوچھ لو۔ اس نے پوچھا تو حضرت نے فرمایا تمہارا فیصلہ ابوبکر کرینگے۔ دیکھو جب میں مرجاؤں اور ابوبکر و عمر و عثمان بھی مرجائیں تو تم سے ہوسکے تو تم بھی مرجانا۔ (میزان جلد ا ص ۳۶۲) معاذ اللہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت رسولخدا صلعم لوگوں کو خودکشی کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں قال العقیلی حدث بمناکیر لایتابع علیھا وقال ابو حاتم لایکتب حدیثہ۔ عقیلی کہتے تھے کہ یہ بہت غلط حدیثیں بیان کرتا تھا جن کی کوئی تصدیق نہیں کرتا۔ اور ابوحاتم کہتے تھے کہ اسکی حدیثیں لکھنے قابل نہیں ہوتیں۔ (میزان جلد ا ص ۳۶۲)

حق بولنے کی پیشینگوئی

لما اشتبکت الحرب یوم خیبر قیل للنبیؐ ھذا الحرب قد اشتبکت فاخبرنا باکرم اصحابکؑ علیکؑ فان یکن امر عرفناہ وان یکن الاخری اتیناہ۔ فقال ابوبکر وزیری یقوم فی الناس مقامی من بعدی وعمر ینطق بالحق علی لسانی وانا من عثمان وعثمان منی وعلی اخی وصاحبی یوم القیامۃ۔ جب خیبر میں سخت لڑائی ہونے لگی تو لوگوں نے حضرت رسولخدا صلعم سے عرض کی یا حضرت یہ جنگ تو بہت شدید ہوگئی۔ اب آپ ہم لوگوں سے بتادیں کہ آپ کے اصحاب میں بڑے بزرگ صحابی کون ہیں۔ کہ اگر کوئی امر ہوگا تو ہم لوگ پہچان لینگے۔ اور اگر اس کے خلاف ہوگا تو ہم لوگ ان کے پاس آئینگے۔ آنحضرت نے فرمایا ابوبکر میرے وزیر ہیں وہی میرے بعد لوگوں میں میرے قائم مقام ہوں گے۔ اور عمر میری زبان سے حق بات بولیں گے۔ اور میں عثمان سے ہوں اور عثمان مجھ سے ہیں۔ اور علی بروز قیامت میرے بھائی اور صاحب ہیں۔ اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں لایکاد یعرف۔ اس کا حال معلوم ہی نہیں ہوتا۔ قال ابن معین لا اعرفہ۔ ابن معین کہتے تھے کہ میں اسکو نہیں پہچانتا۔ قال ابن یونس روی مناکیر۔ ابن یونس کہتے تھے کہ یہ غلط اور جھوٹی حدیثیں بیان کرتا تھا۔ قلت المتھم بوضع ھذا ھذا الشیخ الجاھل۔ میں ذہبی کہتا ہوں کہ (فضائل خلفاء اربعہ کی) اس حدیث کے وضع کرنے میں متہم یہی جاہل شیخ ہے۔ (میزان جلد ا ص ۳۷۴)۔

خلفاء اربعہ کی دوستی کا حکم عن ابن عمر مرفوعا ان اللہ امرنی بحب اربعۃ ابی بکر وعمر وعثمان وعلی ۔ حضرت ابن عمر سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا مجھے اللہ نے چار شخصوں کی دوستی کا حکم دیا ہے جو ابوبکر و عمر و عثمان وعلی ہیں ۔ اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں ۔ عن ابن عون وغیرہ ھالک وقال الجوزجانی کذاب مصرح وقال ابو حاتم کذاب وقال ابن عدی یضع الحدیث ۔ ابن عون وغیرہ کہتے تھے کہ اس حدیث کا راوی گمراہ ہے اور جوزجانی کہتے تھے کہ اس کا راوی اول درجہ کا مشہور جھوٹا تھا ۔ اور ابو حاتم کہتے تھے کہ وہ کذاب تھا اور ابن عدی کہتے تھے کہ وہ حدیثیں گڑھا کرتا تھا ۔ (میزان جلد ۱ صفحہ ۳۷۷)

بشارۃ خلافۃ علامہ موصوف ہی لکھتے ہیں عن انس بحدیث کذب قم یا انس فافتح لابی بکر وبشرہ بالخلافۃ من بعدی وکذا فی عمر وعثمان انس صحابی سے یہ جھوٹی روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا اے انس اٹھو اور ابوبکر کے لئے دروازہ کھول دو اور ان کو خوشخبری دے دو کہ میرے بعد وہ خلیفہ ہوں گے ۔ اسی طرح عمر اور عثمان کو خوشخبری سنادو ۔ اسکے راوی کے متعلق لکھتے ہیں ۔ قال ابن عدی کان ابو یعلی اذا ثنا عنہ ضعفہ وقال ابو بکر بن ابی شیبۃ کان یضع الحدیث وقال ابو علی کذاب ۔ ابن عدی کہتے تھے کہ جب ابو یعلی اس کی حدیث ہم لوگوں سے بیان کرتے تو کہتے کہ وہ ضعیف ہے ۔ اور ابوبکر بن ابی شیبہ کہتے تھے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا اور ابو علی کہتے تھے کہ وہ اول درجہ کا جھوٹا ہے ۔ (میزان جلد ۱ صفحہ ۴۱۹) ۔

آپ کا مشیر ہونا عن انس قال علی قال لی النبی یا علی ان اللہ امرنی ان اتخذ ابا بکر والدا وعمر مشیرا وعثمان سندا وانت ظھیرا ۔ انتم قد اخذ اللہ لکم المیثاق لا یحبکم الا مومن تقی انتم خلفاء امتی و عقد ذمتی ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت علی نے کہا کہ مجھ سے حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اے علی یقینا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ابوبکر کو اپنا باپ اور عمر کو اپنا مشیر اور عثمان کو سند اور تم کو اپنا پشت پناہ بناؤں ۔ تم لوگ وہ ہو کہ خدا نے تم لوگوں کے لئے یہ عہد و پیمان لیا ہے کہ جو مومن ہوگا وہی تم لوگوں کو دوست رکھیگا ۔ تم لوگ ہی میری امت پر میرے خلفاء اور میرے عہدوں کے ذمہ دار ہو ۔ اس کے راوی کے متعلق لکھتے ہیں ضرار بن سھل عن

الحسن بن عرفۃ بخبر باطل۔ عزار بن سہل نے حسن بن عرفہ سے جھوٹی حدیث روایت کی ہے (میزان جلد ۱ صفحہ ۲۲۳) اللہ اکبر یہ حدیث تک بنا دی گئی کہ خدا نے حضرت کو حکم دیا کہ حضرت ابوبکر کو اپنا باپ بنالیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے مجازی باپ (سسر) مراد نہیں ہے کیونکہ ایسا ہوتا تو حضرت عمر کے متعلق بھی یہی حکم ہوتا لیکن وہ مشیر بنائے گئے اور حضرت ابوبکر آنحضرت صلعم کے والد۔

ولی رسول اللہ

عن جابر ان رسول اللہ ﷺ قال لعمر انت ولیی فی الدنیا و فی الآخرۃ

حضرت جابر نے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ تم دنیا میں اور آخرت میں بھی میرے ولی ہو۔ اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ قال البخاری منکر الحدیث وقال س متروک وقال ابن حبان منکر الحدیث جدا لا یحل الاحتجاج بخبرہ۔ بخاری کہتے تھے کہ اس حدیث کا راوی غلط حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اور س نے کہا کہ وہ متروک ہے اور ابن حبان نے کہا کہ اسکی حدیث نہایت درجہ مہمل ہے جس سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔ عن جابر قال بینا نحن مع رسول اللہ ﷺ فی نفر من المھاجرین فیھم ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحۃ والزبیر و ابن عوف و سعد فقال لینھض کل رجل الی کفوہ و نھض ھو الی عثمان فاعتنقہ ثم قال انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ۔ جناب جابر ہی سے اس (پہلی موضوع حدیث کے راوی) نے یہ بھی روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے ہم لوگ ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلعم اور مہاجرین کے بہت لوگوں کے ساتھ جن میں ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی۔ طلحہ۔ زبیر۔ ابن عوف اور سعد تھے بیٹھے ہوئے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم سے ہر شخص اپنے جوڑ والے آدمی کے ساتھ اٹھ جائے۔ اور خود حضرت اٹھ کر عثمان کی طرف بڑھے اور ان کو گلے سے لگا کر فرمایا کہ دنیا و آخرت میں میرے ولی تم ہی ہو۔ اس حدیث کا راوی بھی وہی ہے جس نے اوپر والی حدیث وضع کی تھی (میزان جلد ۱ صفحہ ۱۶۸)

پہلے زمین سے نکلنا

عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال من لبد راسہ فقد وجب علیہ الحلاق وبہ انا اول من تنشق عنہ الارض ثم ابوبکر ثم عمر۔ جناب ابن عمر کہتے تھے کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص اپنے سر کے بالوں کو چپکالے اس پر مونڈنا واجب ہو جاتا ہے اور یہ بھی حضرت نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں زمین سے نکلوں گا اس کے بعد ابوبکر پھر عمر۔ اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں ضعفہ احمد وقال البخاری منکر الحدیث وقال ابن حبان لا یجوز الاحتجاج بہ وقال النسائی متروک۔

امام احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور امام بخاری نے اس کو غلط حدیث والا کہا ہے۔ اور ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کی حدیث سے استدلال جائز نہیں ہے۔ اور امام نسائی نے کہا ہے کہ وہ متروک ہے (میزان جلد۲ ص۵)۔

آنحضرتؐ کا محشور ہونا عن ابن عمر مرفوعا احشر یوم القیامة بین ابی بکر وعمر حتی اقف بین الحرمین فیاتینی اهل مکة و المدینة فهذا غیر صحیح۔ جناب ابن عمر سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا میں قیامت میں ابوبکر اور عمر کے درمیان محشور ہونگا یہاں تک کہ دونوں حرموں کے درمیان کھڑا ہونگا تو وہیں میرے پاس مکہ اور مدینہ والے آئینگے۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں حدیثه منکر۔ اس کی حدیث غلط ہوتی ہے وذکر له ابن عدی الحدیثین اللذین فی فضل ابی بکر وعمر وهما باطلان۔ اور ابن عدی نے اسکی دو حدیثیں ابوبکر وعمر کی فضیلت میں بیان کی ہیں اور وہ دونوں غلط اور باطل ہیں (میزان جلد۲ ص۹)

آپ کے اسلام کی خوشی عن ابن عباس قال لما اسلم عمر نزل جبرئیل فقال یا محمد استبشر اهل السماء باسلام عمر۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر مسلمان ہوئے تو فوراً جناب جبرئیل نازل ہوئے۔ اور کہا اے محمد آسمان والے عمر کے اسلام سے خوش ہوگئے۔ اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ضعفه الدارقطنی وغیره۔ وقال ابوزرعة لیس بشئ۔ قال البخاری منکر الحدیث۔ امام دارقطنی وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور ابوزرعہ کہتے تھے کہ یہ کوئی چیز نہیں ہے اور امام بخاری نے کہا ہے کہ یہ غلط حدیث بیان کرتا ہے (میزان جلد۲ ص۳۰)۔

ماطلعت الشمس عن جابر ان عمر قال لابی بکر یوما یا سید المسلمین فقال اما اذا قلت ذا فانی سمعت رسول اللهؐ یقول ماطلعت الشمس علی احد افضل من عمر۔ جناب جابر بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا اے مسلمانوں کے سردار۔ تو انھوں نے کہا اچھا جب تم نے یہ کہا تو یہ بھی جان لو کہ میں نے سنا حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے کہ آفتاب نہیں طالع ہوا کسی شخص پر جو عمر سے افضل ہو۔ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔ هذا کذب یہ حدیث جھوٹی ہے اور اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں قال البخاری فیه نظر

وقال النسائی ضعیف وقال ابوحاتم لیس بقوی فی احادیثہ مناکیر۔ امام بخاری کہتے تھے کہ اس کے بارے میں تامل ہے اور امام نسائی کہتے تھے کہ یہ ضعیف ہے اور ابوحاتم کہتے تھے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اسکی حدیثوں میں بہت سی غلط ہیں۔ (میزان جلد ۲ صـ ۳۱)۔

نکاح جناب ام کلثوم ان عمرؓ اصدق ام کلثوم بنت علی اربعین الف درھم۔ حضرت ام کلثوم دختر حضرت علی کو حضرت عمر نے مہر میں چالیس ہزار درہم دیا۔ اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ضعفہ یحییٰ وابو زرعۃ و قال النسائی لیس بالقوی۔ اس کے راوی عبداللہ کو یحییٰ اور ابوزرعہ ضعیف کہتے تھے اور امام نسائی کہتے تھے کہ وہ ٹھیک نہیں تھا۔ (میزان جلد ۲ صـ ۳۵)۔ (عقد جناب ام کلثوم کے بارے میں آئندہ تفصیل سے بحث کی جائے گی۔ انشاء اللہ)۔

شہادت کی پیشینگوئی عبداللہ بن عمرو یقول سمعت رسول اللہؐ یقول یکون خلفی اثنا عشر خلیفۃ ابوبکر لا یلبث خلفی الا قلیلا وصاحب رحا یعیش حمیدا ویموت شھیدا قالوا من ھو قال عمر۔ عبداللہ بن عمرو کہتے تھے کہ میں نے حضرت رسول خدا صلعم سے سنا کہ فرماتے تھے میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے ابوبکر تو کچھ ہی دنوں زندہ رہیں گے اور چکی والا تعریف کے ساتھ زندہ رہیگا اور شہادت کے ذریعہ سے مریگا۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے۔ فرمایا عمر۔ اسکے راویوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔ انا التعجب من یحییٰ مع جلالتہ ونقدہ کیف یروی مثل ھذا الباطل ولیسکت عنہ وربیعۃ صاحب مناکیر وعجائب۔ میں تعجب کرتا ہوں یحییٰ سے کہ باوجودیکہ وہ جلیل القدر اور نقاد احادیث تھے وہ کیسے ایسی غلط اور باطل حدیث روایت کرتے اور اس سے خاموش رہتے تھے۔ اور ربیعہ جھوٹی اور عجیب وغریب روایتوں والا ہے۔ (میزان جلد ۲ صـ ۴۲)۔

حضرت رسولؐ حضرت عمر سے عن ابن عباس عن النبیؐ قال عمر منی وانا من عمر والحق بعدی مع عمر۔ حضرت ابن عباس کہتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا عمر مجھ سے ہیں اور میں عمر سے ہوں اور میرے بعد حق عمر ہی سے ہوگا۔ اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں کان صالحا لکنہ یدلس عن الضعفاء ثم احترقت کتبہ۔ یہ شخص نیک تو تھا مگر کمزور راویوں سے تدلیس کیا کرتا تھا[1] پھر اس کی کتابیں

---

[1] جناب مولوی وحید الزمان خانصاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں تدلیس عیب چھپانا۔ اور اہلحدیث کی اصطلاح میں راوی کا اپنے اصلی شیخ کو چھپانا۔ (انوار اللغۃ پارہ ۸ صـ ۲)

جل گئیں ۔ (میزان جلد ۲ صا ۹) ۔

جنابِ سیّدہ پر نمازِ جنازہ پڑھنا عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہٖ قال توفیت فاطمۃ لیلاً فجاء ابوبکر و عمر و جماعۃ کثیرۃ فقال ابوبکر لعلی تقدم فصل قال لا واللہ لا تقدمت وانت خلیفۃ رسول اللہ فتقدم ابوبکر فکبر اربعا ۔ جناب جعفر بن محمد نے اپنے پدر بزرگوار سے اور انھوں نے اپنے جد سے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ نے رات کو انتقال کیا تو حضرت ابوبکر و عمر ایک جماعۃ کے ساتھ نماز جنازہ کے لئے آئے ۔ اور حضرت علی سے کہا کہ آپ آگے بڑھیں اور نماز پڑھائیں ۔ حضرت علی نے کہا نہیں خدا کی قسم میں آگے نہیں بڑھ سکتا حالانکہ آپ رسول خدا صلعم کے خلیفہ اسی جگہ موجود ہیں اس پر حضرت ابوبکر نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی ۔ اور چار تکبیریں کہیں ۔ اس کے راوی عبداللہ کے بارے میں لکھتے ہیں ۔ احد الضعفاء اتی عن مالک بمصائب ۔ یہ بھی کمزور راویوں سے ہے ۔ اس نے مالک سے مصیبت ناک روایتیں ذکر کی ہیں ۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ صہ ۹) ۔

حضرت ابوبکر و عمر سے مشورہ کا حکم عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ وشاورھم فی الامر قال ابوبکر و عمر ۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ خدا نے جو قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اپنے امر میں ان لوگوں سے مشورہ کرلیا کرو (پ ۴ ع ۸) اس سے مراد حضرت ابوبکر و عمر ہیں کہ انہیں سے مشورہ کیا کرو ۔ اسکے راوی عبداللہ کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابن عدی حدث عن الفریابی بالبواطیل ۔ ابن عدی کہتے تھے کہ اس نے فریابی سے غلط اور باطل حدیثیں روایت کی ہیں ۔ فانی رایت لہ مناکیر میں نے دیکھا ہے کہ وہ بہت غلط اور موضوع روایتیں ذکر کرتا ہے (میزان جلد ۲ صہ ۶۵) ۔

نزولِ حضرت عیسیٰ عن عبداللہ بن عمرو بن العاص مرفوعا قال ینزل عیسیٰ ابن مریم فیتزوج و یولد لہ و یمکث خمسا و اربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا و ھو من قبر واحد بین ابی بکر و عمر ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم آسمان سے اتریں گے تو شادی کریں گے اور ان کے اولاد پیدا ہوں گی اور وہ دنیا میں ۴۵ سال زندہ رہیں گے اسکے بعد مر جائیں گے تو میرے ساتھ ہی میری قبر میں دفن کئے جائیں گے پھر میں اور وہ ایک ہی قبر سے ابوبکر و عمر کے درمیان اٹھیں گے ۔ اسکے بارے میں لکھتے ہیں فھذہ

مناکیر غیر محتملۃ۔ یہ ایسی باطل اور لغو حدیثیں ہیں جن پر کسی کو تاب نہیں رہ سکتی ہے (میزان ج ۲ صہ ۹۵)

افضل امت قال البغوی سمعتہ یقول افضل ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر وعمر۔ علامہ بغوی نے کہا کہ میں نے عبدالرحمان سے سنا وہ کہتے تھے حضرت رسول خدا صلعم کے بعد اس امت کے افضل ترین اشخاص حضرت ابوبکر و عمر ہیں۔ اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابو داؤد الف کتابا فی مثالب الصحابۃ رجل سوء۔ ابوداؤد کہتے تھے کہ اس شخص نے صحابہ کی برائیوں اور عیوب کے بارے میں ایک پوری کتاب ہی لکھ ڈالی ہے۔ یہ بڑا ہی بیہودہ آدمی تھا (میزان الاعتدال جلد ۲ صہ ۹۵)۔

علامت نفاق و ایمان عن جابر عن النبیؐ قال لا یبغض ابابکر و عمر مومن ولا یحبھما منافق۔ جناب جابر بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جو شخص بھی مومن ہوگا وہ ابوبکر و عمر کو دشمن نہیں رکھ سکتا۔ اور جو شخص بھی منافق ہوگا وہ ان دونوں کو دوست نہیں رکھ سکتا۔ اس کا راوی عبدالرحمان بن مالک ہے۔

کہول اہل الجنۃ کی سرداری یہی عبدالرحمان اس حدیث کا بھی راوی ہے ھذان سیدا کھول اھل الجنۃ۔ یہ دونوں (ابوبکر و عمر) بہشت کے ادھیڑ لوگوں کے سردار ہیں (میزان جلد ۲ صہ ۱۰۴) اب اس عبدالرحمان کا حال دیکھیو۔ علامہ ذہبی اسکے بارے میں لکھتے ہیں قال احمد والدارقطنی متروک وقال ابو داؤد کذاب و قال مرۃ یضع الحدیث وقال النسائی وغیرہ لیس بثقۃ۔ امام احمد و دارقطنی نے کہا کہ یہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور امام ابو داؤد نے کہا یہ بڑا جھوٹا تھا۔ اور ایک دفعہ کہا کہ یہ حدیثیں دل سے گڑھ گڑھ کر بیان کرتا تھا۔ اور امام نسائی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ قابل اعتبار نہیں ہے (میزان جلد ۲ صہ ۱۰۴)

ساق عرش کی عبارت عن ابن عباس عن النبیؐ قال لما عرج بی الی السماء رایت علی ساق العرش مکتوب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق۔ عثمان ذوالنورین۔ جناب ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا میں نے شب معراج میں دیکھا عرش کے ساق پر لکھا ہوا ہے اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ محمدؐ اللہ کے پیغمبر ابوبکر صدیق عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین ہیں۔ اس کے راوی علی بن جمیل کے بارے میں لکھتے ہیں کذبہ ابن حبان وضعفہ الدارقطنی وغیرہ۔ ابن حبان نے اس کو جھوٹا کہا اور دارقطنی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے (میزان جلد ۲ صہ ۱۹۵)۔ اللہ اکبر!

کس دلیری سے حدیثیں وضع کی گئیں۔ چونکہ حضرت علیؑ کے متعلق یہ صحیح حدیث ہے کہ عرش پر آپ کا نام حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ مرقوم ہے اس وجہ سے اس کے مقابلہ میں یہ حدیث بھی بنائی گئی اور حضرت علیؑ کا نام اس موضوع حدیث میں نہیں رکھا گیا۔ مگر اس مضمون کی دوسری روایت اور زیادہ عبرت خیز ہے کہ حضرت نے فرمایا رأیت لیلۃ الاسراء جریدۃ خضراء فیھا مکتوب بنور لا الٰہ الا اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق۔ کہ میں نے شب معراج میں ایک سبز ڈالی پر نور سے لکھا دیکھا کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق ہیں۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۲۵) اس میں خدا کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر و عمر رکھے گئے اور جس طرح پہلی روایت سے صرف حضرت علی کا نام علحدہ کر دیا گیا تھا اسی طرح اس روایت میں حضرت رسول خدا صلعم کا نام بھی خارج کر دیا گیا۔ اب معلوم نہیں کوئی تیسری روایت اس مضمون کی بھی ہے یا نہیں جس سے خدا کا نام بھی نکال دیا گیا ہو اور بتایا ہو کہ عرش پر صرف انہیں دونوں بزرگوں یا خلفاء ثلثہ کا نام لکھا ہوا ہے۔ اہل انصاف بتائیں کہ ایسی حدیثوں کے بارے میں کیا کہا جائے اور ایسی جرأت کرنے والے کیا سمجھے جائیں۔

ائمہ خلافت عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ ائمۃ الخلافۃ من بعدی ابوبکر وعمر۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا میرے بعد خلافت کے پیشوا ابوبکر و عمر ہیں۔ اسکے راوی علی بن صالح کے بارے میں لکھتے ہیں لا یعرف و لہ خبر باطل۔ یعنی معلوم ہی نہیں ہوتا یہ کون شخص تھا اس کی روایت غلط باطل ہے۔ المتھم بوضعہ علی۔ اس حدیث کے وضع کرنے کا الزام علی بن صالح پر ہے۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۰۷)[1]

حدیث بمنزلۃ ہارون یہ حدیث بھی وضع کر ڈالی گئی عن ابن عباس حدیث ما نفعنی مال ما نفعنی مال ابی بکر و زاد فیہ و ابوبکر و عمر منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جس قدر مجھے ابوبکر کے مال نے نفع دیا اس قدر فائدہ مجھے کسی اور شخص کے مال سے نہیں ہوا۔ اور اس میں اس کو بھی زیادہ کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ابوبکر و عمر مجھ سے اسی درجہ پر ہیں جس درجہ پر

[1] حدیثیں گڑھنے والے بھی بڑے لطف کے حضرات تھے۔ بعض لوگوں کے بارے میں لکھا ہے اذا قدم علینا اظھر السنۃ واذا دخل البصرۃ اظھر التشیع۔ جب یہ ہم لوگوں (اہل کوفہ) کے ہاں آتے تو کہتے ہم سنی ہیں اور جب بصرہ پہونچتے تو کہتے ہم شیعہ ہیں (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۰۷) ۱۲ منہ

جناب ہارون حضرت موسیٰ سے تھے۔ اس کے راوی عمار بن ہارون کے بارے میں لکھتے ہیں قال موسیٰ بن ھارون متروک الحدیث وقال ابن عدی عامۃ ما یرویہ غیر محفوظ کان یسرق الحدیث۔ موسیٰ نے کہا کہ عمار بن ہارون کی حدیث کو لوگوں نے (موضوع اور غلط ہونے کی وجہ سے) چھوڑ دیا ہے۔ اور ابن عدی کہتے تھے کہ یہ جو حدیث روایت کرتا ہے وہ عام طور پر غیر محفوظ ہوتی ہے۔ یہ حدیثیں چوری کیا کرتا تھا۔ (میزان جلد ۲ ص۲۲۰)۔

حضرت علیؓ کے ساتھ ہمدردی

عن ابن عمر قال قال عمر لاصحاب الشوریٰ للہ درھم ان ولوھا الاصیلع کیف یحملھم علی الحق۔ قلنا نعلم ذلک منہ ولا تستخلف قال ان استخلف فقد استخلف من ھو خیر منی۔ و ان اترک فقد ترک من ھو خیر منی۔ حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ حضرت عمر نے اصحاب شوریٰ سے کہا خدا ان مسلمانوں کا بھلا کرے۔ اگر یہ لوگ اصیلع کو اپنا پیشوا اور خلیفہ رسول بنائیں تو وہ ان لوگوں کو کس خوبی سے حق پر قائم رکھیں گے۔ اس پر ہم لوگوں نے کہا جب آپ اس بات کو ان کے متعلق جانتے ہیں تو انہیں کو اپنا خلیفہ کیوں نہیں مقرر کر دیتے؟ آپ نے جواب دیا اگر میں خلیفہ مقرر کر دوں تو (کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ) وہ بزرگ (حضرت ابو بکر مجھے) خلیفہ مقرر کر چکے ہیں جو مجھ سے بہتر تھے۔ اور اگر میں اس کو چھوڑ دوں تو (بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ) یقیناً اس بزرگ (حضرت رسول خدا صلعم) نے بھی چھوڑ دیا تھا جو مجھ سے بہتر تھے۔ اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابن معین ضعیف وکذا ضعفہ النسائی وقال ابن حبان روی عنہ اللیث بن سعد والناس کان ممن یقلب الاخبار ویروی عن الثقات ما لا یشبہ حدیث الاثبات لا یجوز الاحتجاج بہ ولا ذکرہ فی الکتب الا علی جھۃ الاعتبار۔ ابن معین کہتے ہیں کہ اس مضمون کا راوی ضعیف ہے۔ اسی طرح امام نسائی نے بھی اس کو ضعیف ہی کہا ہے۔ اور ابن حبان نے کہا کہ اس سے لیث اور لوگوں نے روایت کی ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا جو حدیثوں اور روایتوں کو الٹ پلٹ دیتے تھے اور معتبر لوگوں سے وہ حدیثیں روایت کر دیتا تھا جو معتمد علیہ لوگوں کی حدیثوں سے ملتی جلتی تک نہیں تھیں جن سے نہ استدلال درست ہے اور نہ سوائے وجہ اعتبار کے کتابوں میں ان کا ذکر جائز ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۲۲۳)۔ یہ بات اس لئے بنائی گئی کہ معلوم ہو حضرت عمر حضرت علی کے خلاف نہیں تھے بلکہ وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ اگر تم لوگ ان کو خلیفہ بناؤ گے تو وہ تم کو حق پر

لے چلیں گے۔ باوجود اسکے آپ نے مسلمانوں کو بغیر خلیفہ چھوڑ دیا اور جس بزرگ کے بارے میں ان کو معلوم تھا کہ ان سے مسلمان حق پر قائم رہیں گے ان کو مقرر کر کے مسلمانوں کے ہدایت پر چلنے کا کام انجام نہیں دیا گیا۔

حضرت ابوبکر و عمر محکوم نہیں عن ابن عمر قال رسول اللہ لابی بکر و عمر لا یتامر ن علیکم احد بعدی۔ ابن عمر کہتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت ابوبکر و عمر سے فرمایا کہ میرے بعد لوگوں کے لئے جایز نہیں ہے کہ تم دونوں پر کسی کو بھی حاکم (خلیفہ) بنائیں۔ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں لا یحتجون بحدیثہ محدثین اس کی روایت سے استدلال نہیں کرتے ہیں۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۴۴) جس کا مقصود واضح ہے کہ لوگ اس کو سچا نہیں جانتے۔

رافضیوں کو قتل کردو عن ابن عباس مرفوعا یکون فی اخر امتی الرافضۃ ینتحلون حب اھل بیتی و ھم کاذبون۔ علامۃ کذبھم شتمھم ابابکر و عمر من ادرکھم منکم فلیقتلھم فانھم مشرکون۔ جناب ابن عباس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ میری امت کے آخر میں رافضی فرقہ کے لوگ ہونگے جو میرے اہلبیت کی محبت کا غلط دعوے کرینگے اور وہ سب جھوٹے ہونگے۔ ان کے جھوٹ کی علامت یہ ہے کہ وہ ابوبکر و عمر کو گالی دینگے۔ تم میں سے جو شخص ان کو پائے قتل کر دے کیونکہ وہ سب مشرک ہوں گے۔ اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں عمرو بن مخزوم بصری عن یزید بن زریع و ابن عیینہ بالبواطیل۔ عمرو بن مخزوم بصری یزید بن زریع اور ابن عیینہ سے باطل اور گھڑی ہوئی روایتیں بیان کرتا تھا (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۷۰)۔

خلفائے ثلثہ کے فضائل کی ترازو کے متعلق جو حدیث ہے وہ بھی بہت مشہور کی گئی اور دھوم دھام سے بیان کی جاتی ہے۔ اس کی حقیقت بھی دیکھ لو۔ ادیت انی وضعت فی کفۃ وامتی فی کفۃ فعدلتھا۔ ثم وضع ابوبکر فعدل بامتی ثم عمر فعدلھا ثم عثمان فعدلھا ثم رفع المیزان۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا مجھے دکھایا گیا کہ میں ترازو کے ایک پلے میں رکھا گیا اور میری پوری امت دوسرے پلے میں رکھی گئی تو میں پوری امت کے برابر ہوگیا۔ پھر ابوبکر رکھے گئے وہ بھی پوری امت کے برابر ہوگئے۔ پھر عمر رکھے گئے وہ بھی پوری امت کے برابر ہوگئے پھر عثمان رکھے گئے وہ بھی برابر ہوگئے پھر وہ ترازو ہی اٹھ گئی۔ اسکے راوی عمرو بن واقد کے بارے میں لکھتے ہیں لیس بشئی یہ کوئی چیز نہیں تھا وقال البخاری

منکر الحدیث۔ امام بخاری کہتے تھے کہ اسکی حدیث غلط ہوتی تھی۔ وقال الدارقطنی متروک[4]
امام دارقطنی نے کہا کہ یہ متروک ہے۔ وروی الصنوی عن دحیم قال لم یکن شیوخنا
یحدثون عنہ۔ صنوی نے دحیم سے بیان کیا ہے کہ ہمارے علماء اس سے حدیث نہیں روایت
کرتے تھے۔ وقال وکان لم یشک انہ کان یکذب وکذبہ مروان بن محمد۔ یہ بھی کہا
کہ ان کو اس بات میں شک نہیں ہوتا تھا کہ وہ جھوٹ بولتا اور وضعی حدیثیں بیان کرتا ہے۔
اس کو مروان بن محمد نے بھی جھوٹا کہا ہے۔ وھذہ الاحادیث لا تعرف الامن روایۃ
عمرو بن واقد وھو ھالک[4]۔ یہ سب حدیثیں سوائے روایت عمرو بن واقد کے اور کسی سے
معلوم نہیں ہوتیں اور عمرو بن واقد گمراہ تھا (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۶۲)۔

حضرت ابوبکر و عمر مثل ستاروں کے ہیں

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ان اھل الدرجات العلی لیراھم من ھو اسفل منھم
کما ترون الکوکب الطالع فی افق السماء وان ابابکر و عمر منھم۔ جناب ابو سعید خدری
سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جو لوگ بہشت میں اونچے درجے والے ہوں گے
ان کو نیچے درجے والے اس طرح دیکھیں گے جیسے تم لوگ چمکتے ہوئے ستارے کو آسمان کے افق میں دیکھتے
ہو اور ابوبکر و عمر بھی انہیں (اونچے درجے والوں) سے ہیں۔ اسکے راوی غسان بن الربیع کے
بارے میں ہے لیس بحجۃ فی الحدیث۔ حدیث میں یہ حجۃ نہیں ہے۔ وقال الدارقطنی ضعیف
امام دارقطنی نے کہا کہ یہ ضعیف ہے (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۹)۔

حضرت عمر کے گھوڑے کی خوراک

عن ابن عمر ان عمر راث فرسہ فرای فیہ شعیرا فقال لخادمہ کیف تعلفہ قال اعلفہ صاعا کل یوم قال
ان ھذا لکاف لاھل بیت فوتھم فامرہ فاسلہ فی الرعی ومشی علی
رجلیہ۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر کے گھوڑے نے لید کی تو حضرت عمر نے اس لید
کو دیکھا۔ اس میں ان کو جو نظر آیا۔ اس پر اپنے سائیس سے پوچھا اس کو کتنا کھلاتا ہے؟ کہا
ہر روز ایک صاع۔ کہا یہ مقدار تو ایک خاندان والوں کی غذا کے لئے کافی ہوگی۔ پھر اس کو حکم
دیا کہ وہ گھوڑا چھوڑ دیا جائے کہ جا کر چرا کرے اور اپنے دونوں پاؤں پر چلنے گئے۔ اسکے راوی
فرات بن سائب کے بارے میں لکھتے ہیں قال البخاری منکر الحدیث۔ امام بخاری کہتے تھے
کہ اس کی حدیث جھوٹی ہے وقال ابن معین لیس بشیء۔ ابن معین کہتے تھے کہ وہ کوئی

چیز نہیں ہے۔ وقال الدارقطنی وغیرہ متروک۔ امام دارقطنی وغیرہ کہتے تھے کہ یہ متروک ہے۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۹۳)۔

اگر ابوبکر و عمر کو خلیفہ بناؤ گے

مرفوعاً ان تومروا ابابکر تجدوہ امینا مسلما زاهدا فی الدنیا راغبا فی الآخرۃ۔ وان تومروا عمر تجدوہ قویا امینا لا تاخذہ فی اللہ لومۃ لائم۔ یہ مرفوع روایت بھی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا اگر تم لوگ ابوبکر کو خلیفہ بناؤ گے لہ تو ان کو امین۔ مسلم۔ دنیا سے دور اور آخرت کا خواہاں پاؤ گے۔ اور اگر عمر کو خلیفہ بناؤ گے تو انہیں مضبوط۔ امین پاؤ گے۔ اُن کو خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں ہوگی۔ اسکے راوی فضیل ابن مرزوق کے بارے میں لکھتے ہیں قال النسائی ضعیف۔ امام نسائی کہتے تھے کہ وہ ضعیف ہے۔ وکذا

لہ
حضرت ابوبکر کے نماز پڑھانے کی روایت

اسی کے قریب یہ حدیث بھی بنائی گئی ہے عن عائشۃ مرفوعا قال لرجل انطلق فقل لابی بکر انت خلیفتی فصل بالناس۔ حضرت عائشہ سے مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ایک شخص سے فرمایا جا کر ابوبکر سے کہہ دو کہ تم میرے خلیفہ ہو پس اب تم ہی مسلمانوں کو نماز پڑھایا کرو۔ اسکے راوی فضل بن جبیر کے بارے میں لکھتے ہیں قال العقیلی لا یتابع علی حدیثہ۔ عقیلی کہتے تھے کہ کوئی شخص بھی اس کی حدیث کی موافقت نہیں کرتا ہے (میزان ج ۲ صفحہ ۲۹)

حضرت ابوبکر کا مال

عن انس مرفوعا قال لابی بکر ما اطیب مالک منہ بلال موذنی وناقتی۔ کانی انظر الیک علی باب الجنۃ تشفع لامتی۔ خباب انس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا۔ تمہارا مال کس قدر عمدہ ہے کہ اسی سے میرے موذن بلال ہیں۔ اور اسی سے میری اونٹنی بھی ہے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہشت کے دروازے پر کھڑے میری امت کی شفاعت کر رہے ہو۔ اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں فہذہ اباطیل وعجائب۔ یہ سب باطل اور جھوٹ باتوں کا انبار اور چانڈو خانوں کی گپیں ہیں۔ اور اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ یحدث بالاباطیل یہ ایسی ہی جھل گپیں کیا کرتا ہے۔ منکر الحدیث جدا۔ اسکی حدیثیں نہایت جھوٹی ہوتی تھیں وقال ابن عدی احادیثہ منکرۃ عامتھا لا یتابع علیھا۔ ابن عدی کہتے تھے کہ اس کی حدیثیں بالکل منگھڑت ہوتی تھیں۔ اسکی روایتوں کی عام طور پر لوگ تصدیق یا تائید نہیں کرتے تھے (میزان جلد ۲ صفحہ ۳۰)

ضعفہ عثمان بن سعید۔ اسی طرح عثمان ابن سعید نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ وقال ابو عبداللہ الحاکم فضیل بن مرزوق لیس من شرط الصحیح۔ امام حاکم نے کہا ہے کہ فضیل بن مرزوق صحیح کی شرط پر نہیں ہے۔ وقال ابن حبان منکر الحدیث جدا ابن حبان نے کہا کہ اسکی حدیثیں اول درجہ کی جھوٹی ہوتی تھیں (میزان جلد ۲ صفحہ ۳۰۲)۔

حضرت عمر کے ساتھ حق

عن ابن عباس سمعت رسول اللہ یقول الحق بعدی مع عمر حیث کان۔ جناب ابن عباس کہتے تھے کہ میں نے سنا حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے میرے بعد حق عمر ہی کے ساتھ ہوگا۔ وہ جہاں رہیں۔ اسکے راوی قاسم بن یزید کے بارے میں ہے حدیثہ منکر۔ اس کی حدیث غلط ہے۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۳۰۹)۔ اسی کی ایک اور حدیث میں ہے ثم قام اٰخر فقال انی لکذاب وانی لمنافق... فقال عمر فضحت نفسک فقال النبی فضوح الدنیا یا عمر اھون من فضوح الاخرۃ۔ اللھم ارزقہ صدقا وایمانا وصبرا... فقال عمر کلمۃ فضحک رسول اللہ وقال عمر معی وانا مع عمر والحق بعدی مع عمر حیث کان۔ پھر ایک دوسرا شخص کھڑا ہو گیا اور کہا اے رسول خدا میں بڑا جھوٹا ہوں اور میں منافق ہوں۔ اس پر حضرت عمر نے کہا تو نے اپنے نفس کو خود ہی فضیحت کیا۔ تو حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اے عمر آخرت کی فضیحتی کے مقابلہ میں دنیا کی فضیحتی ہلکی اور بہتر ہے۔ اے اللہ تو اس کو سچ بولنا اور ایمان اور صبر عطا فرما۔ اس پر حضرت عمر نے ایسا کلمہ کہا جس سے حضرت رسولخدا صلعم ہنس پڑے۔ اور کہا عمر میرے ساتھ ہیں اور میں عمر کے ساتھ ہوں۔ اور میرے بعد حق بھی عمر ہی کے ساتھ رہیگا۔ وہ جہاں رہیں۔ قال علی بن المدینی لیس لہ اصل۔ علی بن مدینی کہتے تھے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ قلت اخاف ان یکون کذبا مختلقا۔ میں کہتا ہوں کہ مجھے خوف ہے یہ حدیث بالکل جھوٹی اور دل سے گڑھی ہوئی ہے۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۳۱۰)۔

منزلت ہارون

عن ابن عباس مرفوعا لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکن اللہ اتخذ صاحبکم خلیلا۔ ابوبکر وعمر منی بمنزلۃ ھارون من موسی۔ جناب ابن عباس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو اختیار کرتا لیکن اللہ نے تمہارے صاحب کو دوست بنا دیا ہے۔ ابوبکر وعمر مجھ سے وہی درجہ رکھتے ہیں جو جناب ہارون کو جناب موسی سے حاصل تھا۔ اسکے

راوی قزعہ بن سوید کے بارے میں لکھتے ہیں۔ قال البخاری لیس بذالک القوی۔ امام بخاری کہتے تھے کہ یہ ویسا قوی نہیں ہے۔ وقال احمد مضطرب الحدیث۔ امام احمد کہتے تھے کہ اسکی حدیثیں مضطرب ہوتی ہیں۔ وقال ابوحاتم لا یحتج بہ۔ ابوحاتم کہتے تھے کہ اس کی حدیثوں سے استدلال نہیں کرسکتے۔ وقال النسائی ضعیف ومشاہ ابن عدی ولہ حدیث منکر۔ امام نسائی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ ابن عدی نے بھی کہا ہے اور اس کی ایک حدیث بالکل غلط ہے وہی حدیث جو اوپر لکھی گئی) (میزان جلد ۲ صفحہ ۳۱۳)۔

ابوبکر وزیر و عمر حبیب عن جابر مرفوعا ابوبکر وزیری والقائم فی امتی من بعدی وعمر حبیبی ینطق علی لسانی وعثمان منی۔ خباب جابر سے یہ مرفوع روایت ہے کہ ابوبکر میرے وزیر اور میری امت میں میرے بعد حاکم ہیں اور عمر میرے حبیب ہیں وہ جو بولتے ہیں میری ہی زبان پر بولتے ہیں اور عثمان مجھ سے ہیں۔ اس کے راوی کادح کے بارے میں لکھتے ہیں قال الازدی وغیرہ کذاب۔ علامہ ازدی وغیرہ نے کہا کہ یہ اول درجہ کا جھوٹا تھا۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۳۱۶)۔

شیعہ اولیٰ عن لیث قال ادرکت الشیعۃ الاولیٰ بالکوفۃ ومایفضلون علی ابی بکر وعمر احدا۔ لیث کا قول ہے کہ میں کوفہ میں پہلے زمانہ کے شیعوں سے ملا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی کسی شخص کو حضرت ابوبکر و عمر سے افضل نہیں جانتا تھا۔ اس کے راوی لیث کے بارے میں لکھتے ہیں قال احمد مضطرب الحدیث ولکن حدث عنہ الناس۔ وقال یحییٰ والنسائی ضعیف۔ امام احمد کہتے تھے کہ اسکی حدیثیں مضطرب ہوتی ہیں لیکن لوگوں نے اس سے حدیثیں لی ہیں اور یحییٰ و امام نسائی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے وقال ابن حبان اختلط فی اٰخر عمرہ۔ اور ابن حبان نے کہا ہے کہ آخر عمر میں اس کی عقل میں فتور ہو گیا تھا۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۳۲۵)۔

مثل کوکب دری پہلے اس مضمون کی ایک حدیث گزر چکی ہے۔ دوسری دیکھو۔ عن النبیؐ قال ان اھل الجنۃ لیرون اھل علیین کما ترون الکوکب الدری فی افق السماء وان ابابکر وعمر لمنھم۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ بہشت والے علیین والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم لوگ چمکتے ہوئے ستارے کو آسمان کے افق میں دیکھتے ہو اور یقیناً ابوبکر و عمر بھی انہیں سے ہیں۔ اس کے راوی مجالد کے بارے میں ہے قال ابن

معین وغیرہ لا یحتج بہ وقال احمد یرفع کثیرا مما لا یرفعہ الناس لیس بنبتی و قال النسائی لیس بالقوی۔ ابن معین وغیرہ کہتے تھے کہ اس کی حدیثوں سے استدلال نہیں کر سکتے اور امام احمد نے کہا کہ یہ ایسی حدیثیں بیان کر دیتا ہے جن کو لوگ بیان نہیں کرتے۔ یہ کوئی چیز نہیں ہے اور امام نسائی نے کہا یہ مضبوط نہیں ہے وقال البخاری کان یحیی بن سعید یضعفہ وکان ابن مہدی لا یروی عنہ۔ اور امام بخاری کہتے تھے کہ یحییٰ بن سعید اسکو ضعیف کہتے تھے اور ابن مہدی اس سے روایت نہیں کرتے تھے۔ وقیل لخالد الطحان دخلت الکوفۃ فلم لم تکتب عن مجالد قال لانہ کان طویل اللحیۃ۔ خالد طحان سے کسی نے پوچھا کہ تم کوفہ گئے تھے پھر وہاں مجالد سے تم نے حدیثیں کیوں نہیں لکھیں؟ اس نے کہا اس سبب سے کہ اس کی ڈاڑھی بڑی لمبی تھی (میزان جلد ۲ صفحہ ۳۳۲)۔

الا الذین امنوا ابوبکر و عمر

عن انس قال لما نزلت والتین فرح بھا النبی۔ قال فسألنا ابن عباس فقال التین بلاد الشام والزیتون فلسطین و طور سینین الذی کلم اللہ علیہ موسیٰ الانسان محمد الا الذین امنوا ابوبکر و عمر۔ فلھم اجر عثمان۔ فما یکذبک بعد بالدین علی۔ انس صحابی سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کا سورہ تین نازل ہوا تو حضرت رسول خدا صلعم بہت خوش ہوئے۔ اس پر ہم لوگوں نے جناب ابن عباس سے پوچھا تو کہا اس سورہ میں لفظ تین سے مراد شام کے شہر ہیں۔ اور زیتون فلسطین اور طور سینین وہی کوہ طور ہے جس پر خدا نے حضرت موسیٰ سے باتیں کی تھیں۔ پھر انسان سے مقصود حضرت محمد صلعم الا الذین امنوا سے مراد ابوبکر و عمر۔ فلھم اجر سے مقصود عثمان اور فما یکذب بعد بالدین سے مراد علی ہیں۔ اس کے راوی محمد بن بیان کے بارے میں لکھتے ہیں متھم بوضع الحدیث یہ اس بات میں متہم ہے کہ حدیثیں گڑھا کرتا تھا۔ قال ابن الجوزی ھذا وضعہ محمد بن بیان علامہ ابن الجوزی کہتے تھے کہ اس حدیث کو محمد بن بیان نے وضع کیا تھا (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۵۵)

حضرت عمر کا فضل

ھاشم بن القاسم بخبر منکر فی فضل عمر ضعفہ الخطیب محمد بن عبد اللہ نے بھی ہاشم بن قاسم سے ایک جھوٹی حدیث حضرت عمر کی فضیلت میں روایت کی ہے علامہ خطیب نے اس کو ضعیف کہا ہے (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۰۸) اس مقام پر اس روایت کا ذکر کتاب مذکور میں نہیں ہے۔

اقتدوا باللذین بعدی

عن ابن عمر مرفوعا اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر وعمر قلت لا اصل له من حدیث مالک بل هو معروف من حدیث حذیفۃ بن الیمان وقال الدار قطنی هذا یحدث عن مالک با باطیل وقال ابن مندۃ له مناکیر۔ حضرت ابن عمر سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ان دونوں کی پیروی کرو جو میرے بعد (خلیفہ) ہونے والے ہیں جو ابوبکر و عمر ہیں۔ اس حدیث کی کوئی اصل مالک سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ حذیفہ بن یمان کی حدیث سے معروف ہے۔ اور امام دار قطنی نے کہا کہ یہ مالک سے جھوٹی اور باطل حدیثیں روایت کرتا رہتا ہے۔ اور ابن مندہ نے کہا کہ اس نے بہت سی غلط حدیثیں روایت کر دی ہیں۔ لا یصح حدیثہ ولا یعرف بنقل الحدیث۔ اس کی حدیثیں صحیح نہیں ہوتیں اور نہ وہ نقل حدیث میں معروف ہے۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۰۳)۔

صحابہ کو گالیاں دینا

عن معاذ قال رسول اللہ اذا ظهرت الفتن وسب اصحابی فلیظہر العالم علمہ فمن لم یفعل فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا۔ معاذ سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جب فتنے ظاہر ہو جائیں اور میرے اصحاب کو گالیاں دی جائیں تو چاہیئے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے کیونکہ جو شخص ایسا نہیں کریگا اس پر اللہ فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہوگی۔ اللہ اس سے نہ توبہ قبول کرے گا اور نہ فدیہ یا نفل نہ فرض۔ اس کے راوی محمد بن عبد المجید کے بارے میں ہے ضعفہ محمد بن غالب ومن مناکیرہ۔ محمد بن غالب نے اس شخص کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کی جھوٹی روایتوں سے یہ بھی ہے (جو اوپر بیان کی گئی۔ میزان جلد ۲ صفحہ ۱۱۴)۔

حضرت عمر کا گریہ

عن ابن عمر قال استقبل رسول اللہ الحجر ثم وضع شفتیہ علیہ یبکی طویلا ثم التفت فاذا عمر یبکی فقال یا عمر ھاھنا تسکب العبرات۔ جناب ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم حجر اسود کی طرف بڑھے پھر اپنے دونوں ہونٹ اس پر رکھ کر دیر تک روتے رہے۔ اسکے بعد مڑے تو دیکھا کہ حضرت عمر بھی رو رہے ہیں اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا اے عمر اسی جگہ آنسو بہانا چاہیئے۔ اسکے راوی محمد بن عون خراسانی کے بارے میں لکھتے ہیں قال النسائی متروک وقال خ منکر

الحدیث وقال عباس عن ابن معین لیس لبشئی۔ امام نسائی کہتے تھے کہ وہ چھوڑ دیا گیا ہے اور رخ نے کہا کہ وہ غلط حدیثیں بیان کرنے کا عادی ہے اور عباس نے ابن معین سے بیان کیا ہے کہ وہ کچھ بھی نہ تھا (میزان جلد ۲ صفحہ ۴۳۱)

آپ کی سخاوت کا نمونہ

عن جریر قال اتینا رسول اللہؐ ونحن اربع مائۃ فقلنا اطعمنا فقال لعمر قم فاطعمھم۔ قال یا رسول اللہ ماعندی الا تمر ھو فرض عیالی۔ قال قم فاطعمھم۔ قال ابو بکر اسمع واطع۔ قال فانطلق بنا فاعطانا من تمر الحدیث۔ جریر سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا ہم لوگ حضرت رسول خدا صلعم کی خدمت میں آئے اور ہم سب چار سو آدمی تھے۔ ہم لوگوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ ہمیں کچھ کھلائیے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ اٹھو اور ان لوگوں کو کھلاؤ۔ انھوں نے جواب دیا اے رسول خدا میرے پاس کچھ نہیں ہے صرف میرے عیال کی غذا کے لئے کچھ کھجوریں ہیں۔ حضرت نے فرمایا اٹھو اور ان لوگوں کو کھلاؤ۔ (اب بھی حضرت عمر نہیں اٹھے تو) حضرت ابوبکر نے (ان سے) کہا آنحضرتؐ کی بات سنو اور اس حکم کی تعمیل کرو۔ اس پر حضرت عمر ہم کو لے گئے اور کھجوروں سے دیا تا آخر حدیث۔ اس حدیث کے راوی محمد بن کثیر کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ضعفہ احمد۔ امام احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے وقال النسائی وغیرہ لیس بالقوی اور امام نسائی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے یروی اشیاء منکرۃ وقال حدث بمناکیر لیس لھا اصل۔ جھوٹی اور مہمل حدیثیں روایت کرتا رہتا ہے اور ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے جو جھوٹی ہوتی ہیں اور جن کا نہ سر ہوتا ہے نہ پاؤں۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۴۳۹)۔

سید کھول اھل الجنۃ

یہ راوی محمد بن کثیر اس مشہور حدیث کا راوی بھی ہے عن انس قال رای النبیؐ ابابکر وعمر فقال ھذان سید الکھول اھل الجنۃ۔ جناب انس سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ابوبکر وعمر کو دیکھا تو فرمایا یہ دونوں اہل بہشت کے ادھیڑ لوگوں کے سردار ہیں (میزان ج ۲ صفحہ ۴۳۹)

حضرت ابوبکر وعمر کے دشمن

عن انس مرفوعا فی کل جمعۃ مائۃ الف عتیق من النار الا رجلین مبغض ابی بکر وعمر۔ جناب انس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ ہر شب جمعہ میں ایک لاکھ گنہگار جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں سوائے

دو شخصوں کے جو حضرت ابو بکر و عمر کے دشمن رکھنے والے ہیں۔ اسکے راوی مسرۃ بن عبد اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابو بکر الخطیب لیس بثقۃ۔ ابو بکر خطیب نے کہا کہ یہ معتبر نہیں ہے۔ قلت من موضوعاتہ من ابن الخ۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی گڑھی ہوئی حدیثوں سے یہ بھی ہے۔ (جو اوپر لکھی گئی۔ میزان جلد ۲ صفحہ ۱۶۹)۔

خلیفہ کی پیشانی عن ابی ھریرۃ مرفوعا اذا اراد اللہ ان یخلق خلقا للخلافۃ مسح علی ناصیتہ بیمینہ۔ جناب ابو ہریرہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ جب خدا چاہتا ہے کسی خلق کو خلافت کے لئے پیدا کرے تو اس کی پیشانی پر اپنے داہنے ہاتھ سے مسح کر دیتا ہے۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں ھذا حدیث منکر والبلاء فیہ من مصعب النوفلی۔ یہ حدیث چانڈو خانہ کی گپ ہے اس میں بلا مصعب نوفلی سے ہے۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۷۹)۔

حضرت ابو بکر و عمر کی لڑائی عن ابی امامۃ قال استطال ابو بکر ذات یوم علی عمر فقام عمر مغضبا۔ فقام ابو بکر فاخذ بطرف ثوبہ فجعل یقول ارض عنی واعف عنی۔ عفا اللہ عنک حتی دخل عمر الدار واغلق دون ابی بکر و لم یکلمہ۔ فبلغ ذالک النبی فغضب لابی بکر فلما صلی الظھر جاء عمر فجلس بین یدیہ فصرف النبی وجھہ عنہ فتحول یمینا۔ فصرف وجھہ عنہ فتحول عن یسارہ فصرف وجھہ عنہ۔ فلما رای ذالک ارتعد و بکی۔ ابو امامۃ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا ایک دفعہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے اپنی بڑائی اور افضلیت بیان کی تو حضرت عمر غضبناک کھڑے ہو گئے۔ پھر حضرت ابو بکر بھی کھڑے ہو گئے اور ان کے دامن کا کنارہ پکڑ کر کہنے لگے مجھ سے راضی ہو جاؤ۔ اور مجھے معاف کر دو۔ خدا بھی تمھیں معاف کر دے۔ مگر حضرت عمر کسی طرح نہیں راضی ہوئے وہاں سے اٹھے ہوئے آئے اور اپنے گھر میں گھس گئے۔ پھر حضرت ابو بکر بھی وہاں جانا چاہا تو اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اور حضرت ابو بکر سے اس درجہ خفا ہوئے کہ ان سے بولے تک نہیں۔ اس واقعہ کی خبر حضرت رسولخدا صلعم کو ہو گئی تو حضرت کو بھی حضرت ابو بکر کیلئے غصہ آگیا۔ پس جب نماز ظہر پڑھ چکے تو حضرت عمر حضرت رسولخدا صلعم کے پاس آئے۔ مگر حضرت صلعم نے اپنا رخ مبارک ادھر سے پھیر لیا۔ پھر حضرت عمر داہنی طرف چلے آئے تو آنحضرت نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا۔ تب حضرت عمر بائیں

جانب چلے آئے۔ مگر آنحضرت نے اُدھر سے بھی منہ پھیر لیا۔ اب تو حضرت عمر گھبرا گئے اور لگے کانپنے اور رونے تا آخر حدیث۔ اسکے راوی مطرح کے بارے میں لکھتے ہیں ضعفہ ابو حاتم والنسائی وقال یحییٰ لیس بثقۃ۔ امام ابو حاتم و نسائی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور یحییٰ نے کہا ہے کہ یہ قابل اعتبار نہیں ہے (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۷۹)۔

طوبیٰ لمن رآنی — واثلہ بن الاسقع مرفوعا طوبیٰ لمن رآنی و رأی من رآنی ومن رأی من رأی من رآنی۔ واثلہ بن اسقع سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا جس نے مجھے دیکھا (یعنی صحابہ) اور جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا (یعنی تابعین) اور جس نے میرے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں (تبع تابعین) کو دیکھا اس کے لئے بڑی خوشخبری ہے۔ اس کے راوی معروف بن عبداللہ کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابو حاتم الرازی لیس بالقوی وقال ابن عدی لہ احادیث منکرۃ جدا۔ امام ابو حاتم رازی کہتے تھے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے اور ابن عدی کہتے تھے کہ اسکی حدیثیں چانڈو خانہ کی گپیں ہوتی ہیں (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۶۸)۔

اوراق جنت کا مکتوب — عن ابن عباس مرفوعا قال دخلت الجنۃ فما فیھا ورقۃ الا علیھا مکتوب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق عثمان ذوالنورین۔ جناب ابن عباس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا میں بہشت میں داخل ہوا تو دیکھا کہ اسکے درختوں کا کوئی پتا ایسا نہیں ہے جس پر یہ کلمہ نہ لکھا ہو جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں محمد اللہ کے رسول۔ ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین ہیں۔ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں ھذا موضوع۔ یہ حدیث گڑھی ہوئی ہے۔ اسکے راوی معروف کے بارے میں ہے۔ مطعون فیہ۔ وہ بہت بدنام ہے۔ قال ابن عدی یسرق الحدیث۔ ابن عدی کہتے تھے کہ یہ حدیثوں کی چوری کیا کرتا تھا۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۶۸) حدیث کی چوری یہ بھی تھی کہ کسی کی شان کی حدیث کسی اور کے بارے میں بیان کر دی۔ (مثلاً حضرت علیؑ کے فضائل کا مضمون چرا کر ایسی ہی حدیث دوسروں کے لئے ڈھال دی)۔

وزارت اور صحبت کا حکم — عن ابن عباس مرفوعا وزیرای من اھل الارض ابوبکر و عمر الحدیث۔ جناب ابن عباس سے یہ مرفوع روایت

ہے کہ اہل زمین سے میرے دو وزیر ابوبکر و عمر ہیں۔ عن جابر مرفوعا لایبغض ابابکر و عمر مومن ولا یحبھما منافق۔ جناب جابر سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کوئی مومن ابوبکر و عمر کو دشمن نہیں رکھیگا۔ اور کوئی منافق ان دونوں کو دوست نہیں رکھیگا (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۹۷) اسکے راوی معلے بن میمون کے بارے میں لکھتے ہیں قال النسائی والدارقطنی متروک۔ قال ابوحاتم ضعیف الحدیث وقال ابن عدی احادیثہ مناکیر۔ امام نسائی و دارقطنی کہتے تھے کہ یہ متروک ہے اور ابوحاتم نے کہا کہ یہ ضعیف ہے اور ابن عدی کا بیان ہے کہ اس کی حدیثیں جانڈو خانہ کی گپیں ہوتی تھیں (میزان ج ۲ ص ۱)

شیخین کے پہلے برا کہنے والے

عن الاعمش قال اول من سمعتہ ینقص ابابکر و عمر المغیرۃ المصلوب۔ اعمش بیان کرتے تھے کہ سب سے پہلے جس شخص کو میں نے سنا کہ وہ حضرت ابوبکر و عمر کو برا کہتا ہے وہ مغیرہ مصلوب تھا ابراہیم بن الحسن قال دخل علیّ المغیرۃ بن سعید ثم ذکر ابابکر و عمر فلعنھما فقلت یا عدواللّٰہ عندی۔ قال فخنقتہ خنقا حتے ادلع لسانہ۔ ابراہیم بن الحسن بیان کرتے تھے کہ میرے پاس مغیرہ بن سعید آیا پھر حضرت ابوبکر و عمر کا ذکر کرکے ان دونوں پر لعنت کی تو میں نے کہا اے دشمن خدا! تو میرے سامنے ایسا کہتا ہے؟ اسکے بعد میں نے اس زور سے اس کا گلا گھونٹا کہ اسکی زبان باہر نکل پڑی[1] (میزان جلد ۲ ص ۱۹۲)۔

خلافت کی خوشخبری

عن ابی ھریرۃ قال دخل رسول اللّٰہؐ بماریۃ القبطیۃ بیت حفصۃ فوجدتھا معہ فعاتبتہ و قالت فی بیتی من بین بیوت نسائک۔ قال فانھا علی حرام ان امسھا یا حفصۃ الا ابشرک۔ قالت بلے۔ قال یلی الامر بعدی ابوبکر ثم ابوک الخ علیؑ۔ جناب ابوہریرہ سے روایت ہے کہ کہا حضرت رسول خدا صلعم نے جناب حفصہ کے گھر میں اپنی

---

[1] اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ ان حضرات کے ماننے والوں کا ایسا زور تھا کہ جو شخص انکے خلاف کسی قسم کی برائی زبان پر لاتا اسکی آفت آجاتی۔ لوگ اسکی جان کے دشمن ہوجاتے تھے۔ برخلاف اسکے حضرت رسول خدا کے اہلبیت پر مدت دراز تک لعنت ہوتی رہی اور منبروں تک پر ان لوگوں کو گالیاں دی گئیں۔ اور سب خوشی سے سنتے بلکہ اس پر خوش ہوتے۔ لوگوں کو انعام۔ جاگیریں اور جائزے دیتے تھے۔ ۱۲

بی بی ماریہ قبطیہ سے صحبت کی۔ تو جناب حفصہ نے دیکھ لیا۔ اس پر آنحضرتؐ سے لڑنے لگیں اور کہنے لگیں کہ واہ اپنی بیویوں کے گھروں کے درمیان میرے ہی گھر میں یہ بات؟ اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا! اچھا اب ماریہ کو میں اپنے اوپر حرام کر لیتا ہوں۔ انہیں چھوؤنگا بھی نہیں۔ اے حفصہ کیا میں تم کو ایک خوشخبری نہ سناؤں؟ پوچھا وہ کیا؟ فرمایا میری حکومت کے مالک (میرے خلیفہ) میرے بعد ابوبکر اور ان کے بعد تمھارے ابا جان ہی ہوں گے (لو اب جانے دو) اس واقعہ کو پوشیدہ رکھو۔ اس کے راوی موسی بن جعفر انصاری کے بارے میں لکھتے ہیں۔ لا یعرف وخبرہ ساقط۔ اس شخص کا حال معلوم ہی نہیں ہوتا۔ اور اس کی حدیث ساقط ہے۔ (میزان جلد ۲ ص ۵۰۹)۔

تربۃ واحدۃ عن عبد اللہ مرفوعا خلقت انا وابو بکر وعمر من تربۃ واحدۃ وفیھا ندفن۔ جناب عبد اللہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا میں۔ ابوبکر اور عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی میں ہم تینوں دفن بھی کئے جائینگے۔ اسکے بارے میں لکھتے ہیں خبر باطل۔ یہ حدیث باطل (جھوٹی۔ موضوع) ہے۔ (میزان جلد ۲ ص ۵۱۲)۔

آپ کی محبت کا حکم عن ابن عباس مرفوعا من احب اللہ احبنی ومن احبنی احب قرابتی واصحابی ومن احب قرابتی واصحابی احب المساجد۔ جناب ابن عباس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جو اللہ کو دوست رکھیگا وہ مجھے دوست رکھیگا۔ اور جو مجھے دوست رکھے گا وہ میری قرابت اور اصحاب کو دوست رکھیگا اور جو میری قرابت اور اصحاب کو دوست رکھیگا وہ مساجد کو دوست رکھیگا۔

شیطان کا ڈرنا عن ابن عباس مرفوعا ما فی الارض شیطان الا وھو یفرق من عمر وما فی السماء ملک الا وھو یوقر عمر۔ قال ابن عدی ھذہ الاحادیث بواطیل۔ جناب ابن عباس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا دنیا میں جس قدر شیطان ہیں سب عمر سے ڈرتے ہیں۔ اور آسمان میں جس قدر فرشتے ہیں سب عمر کی عزت و تعظیم کرتے ہیں علامہ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ سب روایتیں مہملات (جاءنڈو خانہ کی گپیں) ہیں۔ اور ان حدیثوں

کے راوی موسیٰ بن عبدالرحمٰن کے بارے میں لکھتے ہیں لیس بثقۃ فان ابن حبان قال فیہ دجال وضع کتابا فی التفسیر۔ یہ قابل اعتبار نہیں تھا کیونکہ علامہ ابن حبان اس کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ دجال ہے جس نے تفسیر قرآن میں بھی ایک کتاب وضع کر ڈالی ہے۔

آسمان ہٹ جائیں

عن ابن عمر ھبط جبریل فقال ان رب العرش یقول لک لما اخذت میثاق النبیین اخذت میثاقک وجعلتک سیدھم وجعلت وزیریک ابابکر وعمر ویقول لک وعزتی لو سألتنی ان ازیل السماوات والارض لازلتھا الحدیث بطولہ رواہ ابن السمعانی فی خطبۃ کتاب البلدان۔ جناب ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت جبریل حضرت رسول خدا کے پاس نازل ہوئے اور کہا اے رسول پروردگار عرش آپ سے فرماتا ہے کہ جب میں نے نبیوں کا عہد لیا تو تمہارا عہد بھی لیا اور تم کو ان سب کا سردار کیا اور ابوبکر وعمر کو تمہارا وزیر بنایا۔ اور خدا یہ بھی فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت کی قسم ہے اگر تم مجھ سے سوال کرو کہ میں آسمان اور زمین کو ہٹا دوں تو میں ضرور ہٹا دونگا۔ اس کے بعد پوری حدیث بڑی لمبی ہے جس کو ابن سمعانی نے کتاب البلدان کے خطبہ میں لکھا ہے۔ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں ھو باطل۔ یہ حدیث بالکل جھوٹ اور باطل ہے (میزان جلد ۲ صفحہ ۵۱)

خیر کے سوائے کچھ نہ کہو

عن ابی الدرداء اربع سمعتھن من رسول اللہ لا تکفروا احدا من اھل قبلتی بذنب وان عملوا الکبائر۔ وصلوا خلف کل امام وجاھدوا او قال قاتلوا۔ ولا تقولوا فی ابی بکر وعمر وعثمان وعلی الا الخیر قولوا تلک امۃ قد خلت الحدیث۔ جناب ابو درداء کہتے تھے کہ چار باتیں میں نے حضرت رسول خدا سے سنی تھیں۔ کہ اہل قبلہ سے کسی شخص کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرو۔ اگرچہ وہ گناہان کبیرہ بھی کرتا ہو۔ اور ہر پیشنماز کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو اور جہاد کرو یا یہ کہ فرمایا قتال کرو۔ اور ابوبکر وعمر وعثمان وعلی کے بارے میں خیر کے سوائے کچھ نہ کہو۔ کہو کہ یہ وہ امت ہے جو گزر گئی تا آخر حدیث۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں قال الدارقطنی من بعد عباد ضعفاء۔ امام دارقطنی نے کہا کہ عباد راوی کے بعد اس کے کل راوی ضعیف ہیں (میزان جلد ۲ صفحہ ۵۶۵)۔ اس کی یہ روایت بھی ہے ان عمر حسنۃ من حسنات ابی بکر۔

تجاوز فی قدر

ان ابا بکر و عمر تجاوز فی قدر - ابو و عمر قدر میں تجاوز کرگئے

عن جابر قال بینما رسول اللہ جالس فی ملاء من اصحابہ اذ دخل ابو بکر و عمر من ابواب المسجد معھما فئام من الناس یتمارون وقد ارتفعت اصواتھما حتے انتھوا الی النبی فقال ما ھذا - قال بعضھم یا رسول اللہ شئ تکلم فیہ ابو بکر و عمر فاختلفا لاختلافھما - فقال وما ذلک قالوا فی القدر قال ابو بکر یقدر اللہ الخیر ولا یقدر الشر - وقال عمر یقدر ھما جمیعا وکنا نتمارے فی ذلک فقال الا اقضی بینکما بقضاء اسرافیل بین جبرئیل و میکائیل فقیل وقد تکلم فیہ جبرئیل و میکائیل فقال والذی بعثنی بالحق انھما لاول الخلائق تکلما فیہ و ذکر الحدیث وفیہ یا ابا بکر ان اللہ لو لم یشاء ان یعصے ما خلق ابلیس۔

جناب جابر سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلعم اصحاب کے مجمع میں بیٹھے تھے اتنے میں مسجد کے دروازوں سے وہاں حضرت ابوبکر و عمر بھی آتے ہوئے دکھائی دیئے اور ان کے ساتھ کئی گروہ لوگ تھے جو ایک دوسرے سے جھگڑتے اور ایک دوسرے پر اپنی آوازیں بلند کئے ہوئے تھے۔ اسی طرح بحث کرتے اور لڑتے ہوئے وہ سب حضرت رسول خدا صلعم کے پاس پہونچ گئے تو حضرتؐ نے پوچھا یہ کیا قصہ ہے؟ اُن میں سے بعض نے کہا اے رسولخدا صلعم ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں حضرت ابو بکر نے بھی کلام کیا اور حضرت عمر نے بھی مگر دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف کہا۔ اسی وجہ سے دونوں اختلاف کر رہے ہیں آنحضرتؐ نے پوچھا کس مسئلہ میں یہ نزاع پیدا ہوگئی؟ لوگوں نے کہا مسئلہ قضاؔ قدر

لہ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں" القضاء المقرون بالقدر قضا اور قدر دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن ایک پایہ کی طرح ہے اور دوسری عمارت کی طرح ۔ قدر پہلے ہوتی ہے پھر قضا۔ تو قضا سے پیدا کرنا مراد ہے ۔بعضوں نے کہا قضا اُس حکم کلی کا نام ہے جو ازل میں اللہ تعالےٰ نے دیا اور قدر اس کی جزئیات تفصیلی۔ اس صورت میں قضا پہلے ہوگی ۔ پھر قدر واللہ اعلم" (انوار اللغۃ)

کے بارے میں حضرت ابو بکر کہتے ہیں کہ خدا خیر کی تقدیر کرتا ہے اور شر کو مقدر نہیں کرتا اور حضرت عمر کہتے ہیں کہ خدا دونوں کی تقدیر کرتا ہے۔ ہم لوگ اسی بات میں اختلاف کر رہے ہیں۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا اچھا کیا ہم تم لوگوں میں وہ فیصلہ نہ کردیں جو اسرافیل نے جبریل و میکائیل کی نزاع کے بارے میں کردیا تھا؟ لوگوں نے پوچھا کیا اس مسئلہ میں حضرت جبریل و میکائیل بھی مناظرہ کر چکے ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا اس قادر مطلق کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے یقیناً وہی دونوں تمام مخلوقات میں پہلے وہ ہیں جنھوں نے اس مسئلہ میں بحث کی۔ اس کے بعد پوری حدیث ذکر کی۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اے ابوبکر اگر خدا اس کو نہ چاہتا کہ لوگ اس کا گناہ کریں تو وہ شیطان کو پیدا ہی نہیں کرتا۔ اس کا راوی یحییٰ بن زکریا ہے جس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ خبر باطل۔ اسکی یہ روایت بالکل غلط ہے (میزان جلد ۲ ص ۵۷)

آپ کا بہشتی ہونا عن عبد اللہ مرفوعا ان عمر من اهل الجنة۔ جناب عبداللہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ یقیناً عمر بہشت والوں سے ہیں۔ اس کے راوی یحییٰ بن یمان کے بارے میں ہے قال احمد لیس بحجة۔ امام احمد کہتے تھے کہ یہ حجت نہیں ہے۔ وقال ابن معین والنسائی لیس بالقوی۔ ابن معین اور امام نسائی نے کہا کہ یہ شخص ٹھیک نہیں ہے (میزان جلد ۲ ص ۵۹)

رسولؐ کا پیشاب کرنا عن عائشة ان رسول اللہ بال فاتبعه عمر بکوز فقال ما هذا یا عمر۔ قال ماء توضاء یا رسول اللہ۔ قال ما امرت کلما بلت ان اتوضأ ولو فعلت کانت سنة۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے پیشاب کیا تو حضرت عمر دوڑ کر ایک کوزہ پانی لے گئے۔ حضرتؐ نے پوچھا عمر! یہ کیا ہے؟

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۱) پ ۲۱ ص ۱۰ "القدر سر من الاسرار تقدیر اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے جس کا سمجھنا دشوار ہے اور اس میں سوالات اور بحث کرنا منع ہے بس اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمیوں میں سے ایک گروہ کو بہشت کے لیئے پیدا کیا اور ایک گروہ کو دوزخ کے لیئے اور یہ عدل کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہر مالک کو اپنے ملک میں جس طرح مناسب سمجھے تصرف کا اختیار ہے۔" (انوار اللغۃ پ ۲۱ ص ۳) ۱۲ منہ

کہا پانی ہے۔ اس سے استنجا کر لیجئے [1] حضرتؐ نے فرمایا مجھے خدا نے اس کا حکم نہیں دیا ہے کہ جب پیشاب کروں تو استنجا بھی کروں۔ اگر میں ایسا کروں تو یہ بھی سنت سمجھ لیا جائیگا۔ اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں ضعفہ ابن معین۔ ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۵۹۷)

حضرت عمر کے فضائل آپکے فرزند حضرت عبداللہ کی زبانی اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے فضائل بھی ذکر کئے جائیں جن کو صرف آپ کے فرزند نے بیان کئے ہیں یا آپ کے فرزند کی روایتیں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔

(۱) قال کنا نعد و رسول اللہؐ حی و اصحابہ متوافرون ابو بکر و عمر و عثمان ثم نسکت۔ حضرت عمر کے صاحب زادے فرماتے تھے کہ رسولخدا صلعم کی زندگی میں جب صحابہ کثرت سے موجود تھے ہم لوگ صرف حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کو شمار کرتے تھے پھر خاموش ہو جاتے تھے (یعنی اور صحابہ اس قابل بھی نہیں تھے کہ ان کا شمار تک ہو سکے۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص۲۶) (۲) قال کنا نقول فی زمن النبیؐ رسول اللہؐ خیر الناس ثم ابوبکر ثم عمر۔ ولقد اوتی ابن ابی طالب ثلاث خصال لان تکون لی واحدۃ منھن احب الی من حمر النعم زوجہ رسول اللہ ابنتہ وولدت لہ وسد الابواب الا بابہ فی المسجد واعطاہ الرایۃ یوم خیبر۔ ممدوح فرماتے تھے کہ ہم لوگ حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ ہی میں کہتے تھے کہ رسول خدا صلعم سب آدمیوں سے بہتر ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر۔ اگرچہ فرزند ابو طالب کو تین فضیلتیں ایسی حاصل ہیں جن سے اگر ایک بھی مجھے مل جاتی تو وہ مجھے سرخ رنگ کے اونٹوں سے زیادہ پیاری ہوتی۔ کہ حضرت رسولخدا صلعم نے

---

[1] یہاں توضاء سے استنجا کرنا ہی مقصود ہو سکتا ہے نہ وضو کرنا کیونکہ اگر حضرتؐ کے پاس پانی موجود ہوتا اور حضرت اس سے استنجا کرتے تو حضرت عمر کو پانی لے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی پانی سے استنجا کرنے کے بعد آنحضرتؐ وضو بھی کر لیتے۔ مگر حضرت عمر کا فوراً پانی لے جانا بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بغیر پانی کے پیشاب کر لیا اور استنجا کرنا ضروری نہیں خیال کیا ۱۲ منہ

اپنی بیٹی کی شادی اون سے کی اور اون بیٹی سے اولاد بھی ہوئی۔ اور حضرت رسولخدا صلعم نے مسجد میں سب لوگوں کے دروازے بند کرا دیئے سوا اسے حضرت علیؑ کے دروازے کے کہ اس کو کھلا ہی رہنے دیا۔ تیسری فضیلت یہ کہ حضرت علیؑ ہی کو جنگ خیبر میں آخری دفعہ لشکر کا علم عنایت فرمایا (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۶)۔ قابل غور یہ امر ہے کہ باوجود حضرت علیؑ کی ان فضیلتوں کے حضرت ابن عمر وغیرہ یہی کہتے رہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد بہترین ناس حضرت ابوبکر و عمر ہیں۔ (۳) عن ابن عمر عن رؤیا رسول اللّٰہ فی ابی بکر و عمر قال رأیت الناس قد اجتمعوا فقام ابوبکر فنزع ذنوبا اوذنوبین وفی نزعه ضعف والله یغفر له ثم نزع عمر فاستحالت غربا فما رأیت عبقریا من الناس یفری فریه حتی ضرب الناس بعطن۔ حضرت عمر کے صاحبزادے بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت ابوبکر و عمر کے بارے میں یہ خواب دیکھا کہ لوگ جمع ہیں تو حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے اور ایک یا دو ڈول نکالے اور ان کے نکالنے میں کمزوری[1] معلوم ہوئی اور اللہ ان کو بخش دیگا۔ پھر حضرت عمر نے نکالے تو وہ ڈول پلٹ کر چرسا[2] ہوگیا تو میں نے ایسا سردار نہیں دیکھا جو ان کی طرح عمدہ کام کرتا ہو یہاں تک کہ لوگوں نے اپنی اونٹنی کو بٹھا دیا[3] (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۸)۔ قابل غور یہ

---

[1] جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں "فنزع ذنوبا اوذنوبین اونھوں نے یعنی ابوبکر صدیق نے ایک دو ڈول نکالے۔ وہ بھی ناتوانی کے ساتھ۔ اس میں اشارہ ہے کہ خلافت کا زور شور اور رعب و داب اُن کے وقت میں نہ ہوگا۔ انکی خلافت دو برس تین مہینے رہی تو ہر سال کے پیچھے ایک ڈول ہوا اور تین مہینے کو حساب میں نہیں رکھا۔ یہ راوی کی شک ہے کہ ایک ڈول فرمایا یا دو ڈول چونکہ انکی خلافت دو برس زیادہ رہی تو دو ڈول صحیح ہوئے" (انوار اللغۃ پ ۹ صفحہ ۲۹) [2] مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں " فاخذ عمر الدلو فاستحالت غربا۔ حضرت عمر نے اوس ڈول کو لیا جس سے ابوبکر پانی نکال رہے تھے تو اون کے ہاتھ میں وہ چرسا ہوگیا بڑا ڈول جو بھینس یا بیل کی کھال سے بنایا جاتا ہے جس سے کھیت سینچتے ہیں" (انوار اللغۃ پ ۱۹ صفحہ ۱۹) [3] مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں "فلم ار عبقریا یفری فریہ میں نے ایسا سردار نہیں دیکھا جو اُن کا سا کام کرسکتا ہو۔ مراد حضرت عمر ہیں۔ اصل میں

امر ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ایسا خواب دیکھا جس میں صرف حضرت ابوبکر و عمر کے کارنامے تھے۔ اس خواب میں نہ حضرت عثمان اور آپ کے کارنامے دکھائی دیئے۔ حالانکہ وہ بھی خلفاء ثلثہ میں ہیں۔ اور ان کی خلافت کا زمانہ حضرت ابوبکر کی خلافت سے بہت زیادہ تھا۔ آپ کے زمانہ میں بھی فتوحات ہوئیں۔ اور نہ حضرت علیؑ اور آپ کے کارنامے دکھائے گئے۔ حالانکہ حضرت علیؑ نے اسلام کی اندرونی بغاوتوں کو جس طرح فرو کیا یہ آپ ہی کا کام تھا۔ باوجود ایسے خواب کے حضرت رسولخدا صلعم نے یہ اعلان نہیں کیا کہ اے مسلمانو! میں نے ۳ھ بعثت میں اپنا خلیفہ تم لوگوں کے لئے علیؑ کو مقرر کر چکا تھا اور کہہ چکا تھا کہ یہی علیؑ میرے وزیر میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں۔ تم سب لوگ ان کی بات مانتے اور ان کی اطاعت کرتے رہنا (تاریخ طبری جلد ۲ صـ ۲۱۷ و کامل جلد ۲ صـ ۲۲ وغیرہ) اب اس حکم کو منسوخ کرتا ہوں میں نے خواب میں ابوبکر و عمر کے متعلق ایسی باتیں دیکھی ہیں۔ اس وجہ سے تم سب کو مطلع کرتا ہوں کہ اب میرے بعد تم لوگ ابوبکر کو خلیفہ اول اور عمر کو خلیفہ ثانی سمجھنا بلکہ آنحضرتؐ نے اس کے عوض پھر آخری حج کے بعد مجمع عام میں من کنت مولاہ فھذا علیؑ مولاہ کہہ کر حضرت علیؑ ہی کی خلافت کی تاکید کردی۔ بلکہ اپنی طرح حضرتؑ کو بھی سب مسلمانوں کا مولیٰ بنادیا۔ کس درجہ حیرت خیز امر ہے !!!

(۴) عن ابن عمر قال خرج علینا رسول اللہؐ ذات غداۃ بعد طلوع الشمس فقال رأیت قبیل الفجر کانی اعطیت المقالید والموازین فاما المقالید فھذہ المفاتیح۔ واما الموازین فھی التی تزنون بھا۔ فوضعت فی کفۃ ووضعت

(بقیہ حاشیہ صـ ۱۶۴) عبقری ہر نادر چیز کو کہا کرتے تھے۔ پھر سردار اور قوم کے بڑے شخص کو بھی کہنے لگے" (انوار اللغۃ پ۲ صـ ۱) فلم ار عبقریا یفری فریۃ۔ میں نے اُن کا سا سردار نہیں دیکھا جو اُن کی طرح کام کرتا ہو۔ یہ آنحضرتؐ نے حضرت عمر کی شان میں فرمایا" (پ۲ صـ ۶۱) "حتے ضرب الناس بعطن۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اپنی اونٹنیوں کو پانی پلا کر پانی کے گرد بٹھا دیا۔ یعنی حضرت عمر کے وقت میں اسلام پھیلے گا اور فتوحات اتنی بے شمار ہونگی کہ لوگ مال اور دولت سے سیراب ہو جائینگے" (انوار اللغۃ پ۲ صـ ۱۲)

امتی فی کفۃ فوزنت بھم فرجحت ثم جئی بابی بکر فوزن بھم فوزن۔ ثم جئی بعمر فوزن ثم جئی بعثمان فوزن بھم ثم رفعت۔ حضرت عمر کے صاحب زادے کہتے تھے کہ ایک روز صبح کو طلوع آفتاب کے بعد حضرت رسولخدا صلعم ہم لوگوں کی طرف تشریف لائے اور فرمایا صبح سے کچھ پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے کچھ کنجیاں اور ترازو دی گئی ہیں۔ تو میں ترازو کے ایک پلڑے میں اور میری امت اس کے دوسرے میں رکھی گئی اور دونوں تولے گئے تو میں بھاری نکلا۔ پھر ابوبکر لائے گئے اور امت کے ساتھ تولے گئے تو وہ وزنی نکلے۔ پھر عمر لائے گئے اور تولے گئے تو وہ بھی وزنی نکلے۔ پھر عثمان لائے گئے اور تولے گئے تو وہ ترازو ہی اٹھالی گئی (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۷۶)۔ حضرت علیؑ کو اتنا درجہ بھی نہیں دیا گیا کہ کم از کم آپ بھی تول لئے جاتے اگرچہ آپ کا وزن بہت کم دکھایا جاتا۔

(۵) عن ابن عمر کان رسول اللہؐ و ابوبکر و عمر و عثمان ینزلون بالابطح۔ حضرت رسولخداؐ اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان ابطح میں اترتے تھے (مسند جلد ۲ صفحہ ۸۹)۔ مقصود یہ ہے کہ تینوں حضرات بالکل وہی کرتے جو حضرت رسولخدا صلعم کو کرتے دیکھتے تھے۔ اس میں بھی حضرت علیؑ کی طرف سے بالکل خاموشی اختیار کرلی گئی

(۶) یقول قال رسول اللہؐ بینا انا نائم اتیت بقدح لبن فشربت منہ حتی انی لاری الری یخرج من اطرافی فاعطیت فضلی عمر بن الخطاب فقال من حولہ فما اولت ذلک یا رسول اللہ قال العلم۔ صاحب زادے فرماتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اس حال میں کہ میں سوتا تھا خواب میں دیکھا کہ میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا۔ اس سے میں نے پیا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ اسکی تری اور تازگی میرے اطراف سے نکلنے لگی۔ تب میں نے اس پیالہ کا باقی حصہ عمر بن خطاب کو دے دیا۔ حضرتؐ کے پاس جو صحابہ موجود تھے انھوں نے پوچھا یا حضرت آپ نے اس کی تعبیر کیا دی؟ فرمایا وہ پیالہ علم کا تھا (مسند جلد ۲ صفحہ ۱۳۰)

(۷) اطلع رسول اللہؐ علی اھل القلیب بدر ثم ناداھم فقال یا اھل القلیب ھل وجدتم ما وعد کم ربکم حقا۔ قال اناس من اصحابہ یا رسول اللہؐ وتنادی ناسا امواتا فقال رسول اللہؐ ما انتم باسمع لما قلت لھم

حضرت رسولخدا صلعم غزوہ بدر کے کنوئیں پر تشریف لائے اور مقتولین سے جو لوگ اس میں ڈال دیئے گئے تھے ان کو پکار کر فرمایا اے کنوئیں والو! خدا نے تم سے جس بات کا وعدہ کیا تھا اس کو تم لوگوں نے سچ دیکھ لیا نہ؟ اس پر صحابہ سے کچھ لوگوں نے عرض کی اے رسولخدا آپ مردہ لوگوں کو پکارتے ہیں؟ تو حضرتؐ نے فرمایا میں تم سے جو بات ان لوگوں سے کہی اس کو تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سُنتے ہو (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۳۱)۔ اس تعیین حضرت کے صاحب زادے نے آنحضرتؐ پر اعتراض کرنے والے کا نام غائب کر دیا۔ حالانکہ مورخین نے تصریح کی ہے کہ یہ حضرت عمر ہی تھے۔ مثلاً علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان لوگوں سے فرمایا فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا قال عمر یا رسول اللہ ما تکلم من اجساد لا ارواح فیھا فقال رسول اللہ والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم۔ مجھ سے میرے پروردگار نے وعدہ کیا تھا میں نے اس کو حق پایا۔ کیا تم نے بھی اس بات کو حق پایا جس کا وعدہ تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ اس پر حضرت عمر نے کہا آپ ایسے جسموں سے کیا کلام کر رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے؟ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا خدا کی قسم تم ان سے زیادہ سُننے والے نہیں ہو (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۴۴۲)۔ اسکی تفصیل آئندہ آئیگی انشاء اللہ۔

(۸) عن ابن عمر قال اول صدقة کانت فی الاسلام صدقة عمر۔ حضرت کے صاحب زادے فرماتے تھے کہ اسلام میں سب سے پہلا صدقہ حضرت عمر کا صدقہ تھا۔ (مسند جلد ۲ صفحہ ۱۵۷)

حضرت عائشہ کی روایات فضائل

حضرت عائشہ کو حضرت عمر کا جس درجہ خیال تھا اور جو ہونا بھی چاہیئے وہ محتاج بیان نہیں اس وجہ سے بعض ان روایتوں کا بیان کر دینا بھی مناسب ہے جو جناب معظمہ سے حضرت ممدوح کے فضائل میں منقول ہیں (۱) عن عائشة عن النبیؐ قال قد کان فی الامم محدثون فان یکن من امتی فعمر۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا دوسری امتوں میں محدث لوگ ہوئے ہیں اگر میری امت سے بھی کوئی ہوگا تو وہ عمر ہیں (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۵۵)۔ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں" اگلی امتوں میں محدث لوگ گزرے ہیں۔ اگر میری

امت میں بھی کوئی محدث ہو تو وہ عمر ہونگے۔ مُحَدَّث اس کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالےٰ کیطرف سے الہام ہوتا ہے یعنی روشن ضمیر۔ اس کا گمان صحیح نکلتا ہے۔ اسکی رائے اکثر درست پڑتی ہے" (انوار اللغتہ پ ۶ صـ۳۰)۔ (۲) عن عائشۃ قالت قبض رسول اللہ ولم یستخلف احدا ولو کان مستخلفا احدا الاستخلف ابا بکر وعمر۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم دنیا سے تشریف لے گئے مگر کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ اور اگر کسی کو بھی خلیفہ کرتے تو وہ یا ابوبکر ہوتے یا عمر (مسند جلد ۶ صـ۶۳)۔ اس پر پڑھنے والے دریافت کر سکتے ہیں کہ جب حضرت رسولخدا صلعم نے کسی کو خلیفہ کیا ہی نہیں تو آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ اگر حضرتؐ کسی کو خلیفہ کرتے تو وہ حضرت ابوبکر و عمر کے سوائے کوئی نہیں ہوتا؟ (۳) عن عائشۃ قالت کنت عند النبیؐ فقال یا عائشۃ لو کان عندنا من یحدثنا۔ قالت قلت یا رسول اللہ الا ابعث الی ابی بکر فسکت۔ ثم قال لو کان عندنا من یحدثنا۔ فقلت الا ابعث الی عمر فسکت۔ قالت ثم دعا وصیفا بین یدیہ فسارہ فذھب قالت فاذا عثمان یستأذن فاذن لہ فدخل فناجاہ النبیؐ طویلا۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ میں حضرت رسولخدا صلعم کے پاس تھی تو حضرتؐ نے فرمایا اے عائشہ کاش اس وقت کوئی میرے پاس ہوتا جو مجھ سے باتیں کرتا۔ میں نے عرض کی اے رسولخداؐ کیا میں حضرت ابوبکر کو بلا لاؤں؟ اس پر حضرتؐ خاموش ہو گئے۔ پھر وہی بات فرمائی کہ کاش کوئی ہوتا جس سے میں باتیں کرتا۔ اب میں نے کہا حضرت عمر کو بلا دوں؟ اب بھی حضرتؐ خاموش رہے۔ پھر حضرتؐ نے خود ہی ایک غلام کو اپنے سامنے بلا کر اس کے کان میں کچھ کہا تو وہ چلا گیا۔ کچھ دیر میں حضرت عثمان پہونچ گئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرتؐ نے اجازت دے دی تو وہ داخل ہو گئے۔ اُن سے دیر تک رازکی باتیں کرتے رہے (مسند احمد جلد ۲ صـ۵۲)۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ کو حضرت ابوبکر و عمر کا خیال ہر وقت اور ہر امر کے لئے رہتا تھا۔ اور چاہتی تھیں کہ جو کچھ عزت و شرف و خصوصیت حاصل ہو انھیں دونوں بزرگوں کو۔ (۴) قالت عائشۃ لحضرۃ رسول اللہؐ و ابوبکر و عمر قالت والذی نفس محمد بیدہ انی لاعرف بکاء عمر من بکاء ابی بکر وانا فی حجرتی وکانوا کما قال اللہ عز وجل رحماء بینھم۔ حضرت عائشہ سے ایک لمبی روایت ہے

اسکے نقل میں طول ہوگا۔ اوس کا ایک ٹکڑا یہ ہے ممدوحہ فرماتی ہیں کہ وہاں حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابو بکر و عمر بھی آئے۔ خدا کی قسم میں حضرت عمر کے رونے کو حضرت ابو بکر کے رونے سے پہچانتی تھی اور میں اس وقت اپنے حجرے میں تھی اور وہ لوگ بالکل خدا کی اس آیت کے مصداق تھے رحماء بینھم یعنی وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر رحیم ہیں (مسند جلد ۶ صفحہ ۱۴۲)۔ (۵) عن عائشۃ قالت قال النبی فی مرضہ الذی مات فیہ مروا ابابکر یصلی بالناس قلت ان ابابکر اذا قام مقامک لم یسمع الناس من البکاء۔ قال مروا ابابکر۔ فقلت لحفصۃ قولی ان ابابکر لا یسمع الناس من البکاء فلو امرت عمر۔ فقال صواحب یوسف مروا ابابکر یصلی بالناس۔ فالتفتت الی حفصۃ فقالت لم اکن لاصیب منک خیرا۔ جناب معظمہ ہی کا بیان ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے مرض موت میں فرمایا تم لوگ ابو بکر سے کہدو وہی لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ میں نے عرض کی ابو بکر آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو اتنا روئیں گے کہ لوگوں کو ان کی نماز سنائی بھی نہیں دیگی۔ مگر پھر حضرت نے یہی کہا کہ ابو بکر سے کہدو۔ اس پر میں نے بی بی حفصہ سے کہا بہن تم کہدو کہ حضرت ابو بکر اپنی شدت گریہ سے لوگوں کو نماز سنا نہیں سکیں گے۔ آپ حضرت عمر کو کیوں نہیں حکم دیتے کہ نماز پڑھا دیں [۱] اس پر آنحضرت نے فرمایا تم سب

[۱] فاضل معاصر شمس العلماء مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی نے اس مقام کے متعلق جو لکھا ہے اس کا نقل کردینا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ تحریر کرتے ہیں "رہ گئیں عائشہ تو اُن کا ایک چرتر تو یہ تھا کہ پیغمبر صاحب ... نے عائشہ سے فرمایا کہ نمازی مسجد میں میرے منتظر ہیں۔ میں تو جا نہیں سکتا۔ اپنے باپ سے کہو کہ میری جگہ امامت کریں۔ عائشہ بولیں کہ ابو بکر بڑے رقیق القلب ہیں۔ ان سے آپ کی جگہ نماز پڑھاتے نہیں بن پڑیگی۔ عمر کو ارشاد ہو تو وہ امامت کریں۔ اس پر پیغمبر صاحب نے ناخوش ہوکر فرمایا انکن لصواحب یوسف نہیں جیسا میں کہتا ہوں ابو بکر امامت کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا... اب سوچنے کی بات ہے کہ پیغمبر صاحب نے یہ کیا فرمایا انکن لصواحب یوسف ... سوچ کر ہم ہی نے مطلب نکالا کہ پیغمبر صاحب نے عائشہ کے مطلق چرتر کیطرف

یوسف والیاں ہو۔ابوبکر ہی سے کہدو کہ نماز پڑھادیں۔اس پر حفصہ میری طرف مخاطب ہو کر بولیں میں کبھی تم سے بھلائی نہیں پاتی (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۰۲)۔ قابل غور امر یہ ہے کہ حضرت عائشہ آنحضرتؐ کی جگہ امامت کے لئے صرف حضرت عمر ہی کو کیوں تجویز کرتی ہیں! درصورتیکہ حضرت رسولخدا صلعم نے اس کے قبل کوئی مذہبی خدمت آپ کے متعلق نہیں کی۔ اس سے کچھ ہی قبل آنحضرت صلعم نے دو باتیں ایسی کی تھیں جن سے حضرت عائشہ بھی آسانی سے سمجھ گئی ہونگی کہ حضرت رسولخدا صلعم کی جگہ نماز پڑھانے یا اور کسی دینی خدمت کے سزاوار صرف حضرت علیؑ ہوسکتے ہیں۔ایک یہ کہ ۹ھ ہجری کے آخر ماہ ذیقعدہ میں آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کو حاجیوں کا سردار مقرر کرکے بھیجا اور سورہ براءۃ کی آیتیں حاضرین حج کو سُنانے کا حکم دیا مگر فوراً جناب جبرئیل آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور کہا اے محمدؐ یہ آپ نے کیا کیا؟ اس سورہ کو آپ کی جانب سے سوائے آپ کے یا اُس شخص کے جو آپ ہی سے ہو کوئی اور نہیں پہونچا سکتا!! تب حضرتؐ نے ان کے پیچھے ہی حضرت علیؑ کو روانہ کیا اور فرمایا کہ جلد جاکر ابوبکر سے لو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹) اشارہ کیا۔قرآن میں زلیخا کے چرتر کو لفظ کید سے تعبیر کیا ہے ... ان کیدکن عظیم ... یہ بھی تم عورتوں کے چرتر ہیں ... زلیخا کا چرتر تو قرآن سے معلوم کرسکتے ہو۔عائشہ کا چرتر یہ تھا کہ وہ دل سے تو باپ کی امامۃ اور خلافۃ بھی کچھ چاہتی تھیں اور پیغمبر صاحب کو معلوم تھا۔اور اس وقت ظاہر میں تو باپ کو ناقابل امامۃ بتایا مگر بات ایسی کہی جس سے ظاہر ہو کہ ابوبکرؓ سے بڑھکر پیغمبر صاحب کا کوئی ہواخواہ نہیں۔اس کے یہ معنے کہ ابوبکر سے بڑھکر کسی کو امامت اور خلافت کا استحقاق نہیں۔اور یہی تمام صحابہؓ افضل اور اولےٰ بالامامۃ والخلافۃ ہیں ... ذم کے پیرایہ میں مدح۔من چاہے منڈیا ہلائے۔اسی کو ہم چرتر کہتے ہیں اور اسی پر پیغمبر صاحب نے عائشہ کو زلیخا سے تشبیہ دی ... بھلا ان سے توقع کی جاسکتی ہے کہ یہ فاطمہ اور علیؓ کے ساتھ خاطر مدارات سے پیش آتی ہونگی۔مگر ہاں یوں کہو کہ پیغمبر صاحب کی زندگی میں اُن کی عنایت خاص کے ہوتے علیؓ اور فاطمہؓ کو عائشہ کی یا کسی اور کی پروا ہی کیا تھی" (کتاب امہات الامۃ از صفحہ ۹۰ تا ۱۱۲)

سورہ برارۃ اون سے لے کر ادنھیں میرے پاس بھیج دو اور تم خود اس سورہ کو پہونچاؤ۔ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا۔ جس پر حضرت ابوبکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں آکر رونے لگے۔ پھر پوچھا یا حضرتؐ کیا میرے متعلق کوئی امر حادث ہوا؟ میں نے کیا جرم کیا جس سے یہ خدمت مجھ سے چھین لی گئی؟ آنحضرتؐ نے فرمایا یہی بہتر تھا کیونکہ دینی احکام کو میری طرف سے سوائے میرے یا ایسے شخص کے جو مجھ ہی سے ہو کوئی اور شخص نہیں پہونچا سکتا (صحیح بخاری پ۱۹ ص۱۹۴ مع شرح فتح الباری)۔ اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر دونوں ہی اس کام پر مقرر ہوئے تھے پھر دونوں ہی معزول ہوئے اور حضرت علی کے سپرد یہ کام ہوا (قرۃ العینین ص۲۳۴)۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم کی جگہ مذہبی کام کرنے کی قابلیت خدا اور رسولؐ نے نہ حضرت ابوبکر میں دیکھی نہ حضرت عمر میں۔ پھر بھی حضرت عائشہ نے بار بار حضرت عمر ہی کا نام لیا اور حضرت علیؑ کا ذکر کیسا اشارہ تک نہیں کیا۔

دوسری بات حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلعم نے سب مسلمانوں سے فرمادیا تھا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ جس سے واضح تر کوئی اور امر اس کے ظاہر کرنے کا ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرت رسولخداؐ کے دینی کاموں کو بہترین طور پر انجام دینے کی صلاحیت حضرت علیؑ سے بہتر کسی میں نہیں تھی۔

جناب عبداللہ ابن عمر کے مختصر حالات اس مقام پر حضرت عمر کے فضائل کی وہ روایتیں لکھی گئیں جو حضرت کے صاحب زادے اور حضرت عائشہ سے مروی ہیں۔ اب ذرہ ان دونوں بزرگوں کے مختصر حالات بھی سن لو تاکہ تم اس کا اندازہ کرسکو کہ ان لوگوں سے مذہبی امور میں اسکے سوائے کیا توقع کی جاسکتی تھی۔

آپ ۳ بعثت میں پیدا ہوئے اور ۷۳ ہجری میں انتقال کیا۔ آپ ان لوگوں سے ہیں جنھوں نے حضرت رسولخدا صلعم سے بکثرت حدیثیں روایت کی ہیں۔

آپ نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و معاذ و عائشہ سے روایتیں کی ہیں اور آپ سے سالم و عبداللہ و حمزہ و بلال وغیرہ نے روایتیں لی ہیں (اصابہ جلد ۴ ص۱۰۷)

جس سے واضح ہے کہ آپ نے اہلبیت کے کسی بزرگ کو اس قابل نہیں سمجھا کہ ان سے کوئی روایت لیتے اور نہ اہلبیت سے کسی شخص نے کوئی روایت آپ سے لی۔ جس سے

آپ کے تعلقات حضرات اہلبیتؑ کے ساتھ نمایاں ہیں۔ اور جب اہلبیتؑ کے ساتھ یہ برتاؤ تھا تو پھر حضرت عمر کے فضائل میں آپ کی روایتیں جس کثرت سے اور جس عنوان کی ہوسکتی ہیں وہ محتاج توضیح نہیں۔ اس لئے کہ اول تو آپ حضرت ممدوح کے فرزند ارجمند اور پھر اہلبیتؑ کی طرف آپ کا وہ رُخ۔

آپ نے آنحضرت صلعم کے بعد بارہ اچھے لوگوں کی یا بارہ خلفاء کی جو فہرست بنائی اس سے بھی حضرت علیؑ وامام حسنؑ وحسینؑ کا نام نکال دیا۔ حالانکہ حضرت علیؑ کو سب اہلسنت خلیفہ رابع اور حضرت امام حسنؑ کو بھی صلح معویہ تک خلیفہ رسولؐ مانتے ہیں اور امام حسینؑ کی شہادت کا سب کو اقرار ہے۔ مگر جناب عبداللہ کی تحقیق دیکھو۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔ واخرج ابن عساکر عن عبداللہ بن عمر قال ابوبکر الصدیق اصبتم اسمہ۔ عمر الفاروق قرن من حدید اصبتم اسمہ۔ ابن عفان ذوالنورین قتل مظلوما یوتے کفلین من الرحمۃ۔ معویۃ وابنہ ملکا الارض المقدسۃ۔ والسفاح۔ وسلام والمنصور وجابر والمہدی والامین وامیر الغضب کلھم من بنی کعب بن لوئی کلھم صالح لایوجد مثلہ قال الذھبی لہ طرق عن ابن عمر ولم یرفعہ احد۔ ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ جناب عبداللہ بن عمر کہتے تھے ابوبکر صدیق ان کا اچھا نام تم لوگوں نے تجویز کیا۔ عمر الفاروق لوہے کی ایک سینگ یا سلاخ تھے۔ ان کا نام بھی تم لوگوں نے ٹھیک رکھا ہے۔ (حضرت عثمان) ابن عفان ذوالنورین تھے جو مظلوم قتل کئے گئے اُن کو رحمت کے دو حصے دیئے جائیں گے۔ پھر معویہ اور ان کے فرزند (یزید) دونوں ارض مقدس کے بادشاہ ہوئے۔ پھر سفاح وسلام ومنصور وجابر ومہدی وامین وامیر الغضب۔ یہ سب کے سب کعب بن لوئی کی اولاد سے تھے۔ اور سب ایسے نیک تھے جن کا مثل پایا ہی نہیں جاسکتا۔ علامہ ذہبی نے کہا ہے کہ اس قول کے بہت سے طریقے ابن عمر سے ہیں اور کسی نے اس کو مرفوع نہیں قرار دیا ہے (تاریخ الخلفاء صـ۱۲۳)۔ دیکھتے ہو! جناب عبداللہ بن عمر خلفاء رسولؐ کا ذکر کرتے ہیں مگر اُن کی نظر میں حضرت علیؑ۔ امام حسنؑ وامام حسینؑ ایسے تھے جن کو آپ نے کسی وجہ سے بھی قابل ذکر نہیں سمجھا نہ دنیوی اعتبار سے نہ دینی حیثیت سے۔ پھر حضرت عمر کے فضائل بیان کرنے میں آپ کے جذبات جیسے رہتے ہوں گے وہ کالشمس فی وسط النہار ہیں اسی سے

زیادہ سنو۔ مورخین نے تصریح کی ہے وقعد عن بیعتہ جماعۃ عثمانیۃ لم یروا الا الخروج عن الامر منہم سعد ابن وقاص وعبد اللہ بن عمر و بایع یزید بعد ذلک وا لحجاج لعبد الملک بن مروان۔ حضرت علیؓ کی بیعت سے ایک جماعت جو حضرت عثمان کی ماننے والی تھی علیحدہ رہی وہ کہتی تھی اس امر سے باہر ہی رہنا چاہیئے۔ ان لوگوں میں سعد بن ابی وقاص اور عبد اللہ بن عمر تھے۔ حالانکہ ان عبد اللہ بن عمر نے اس کے بعد یزید کی بیعت بھی کی (مروج الذہب بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۵ ص۱۷۸) علامہ سیوطی نے لکھا ہے قال ابن عمر حین بویع یزید ان کان خیرا رضینا وان کان بلاء صبرنا جب یزید کی بیعت ہورہی تھی تو عبد اللہ بن عمر کہتے تھے کہ اگر یزید اچھا ہے تو ہم لوگ راضی رہیں گے اور اگر بلا رہے تو ہم لوگ صبر کریں گے (تاریخ الخلفاء ص۱۳۴) ۔ اس سے زیادہ سنو۔ اخرج البخاری فی صحیحہ عن نافع قال لما خلع اہل المدینۃ یزید بن معویۃ جمع ابن عمر حشمہ وولدہ فقال انی سمعت النبیؐ یقول ینصب لکل غادر لواء یوم القیامۃ وانا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ وانی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع اللہ ورسولہ ثم ینصب لہ القتال وانی لا اعلم احدا منکم خلعہ ولا تابع فی ھذا الامر الا کانت الفیصل بینی وبینہ۔ صحیح بخاری میں نافع سے مروی ہے کہ جب مدینہ والوں نے یزید کی بیعت سے علیحدگی اختیار کی تو جناب عبد اللہ بن عمر نے اپنی اولاد اور حشم کو جمع کر کے ان سے کہا کہ میں نے رسول خدا صلعم سے سنا ہے کہ ہر غدر کرنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک علم نصب کیا جائیگا اور یقیناً ہم لوگ اس شخص (یزید) کی بیعت خدا اور رسولؐ کی بیعت کے مطابق کر چکے ہیں اور مجھے نہیں معلوم کوئی غداری اس سے بھی بڑھکر ہو سکتی ہے کہ کسی شخص کی بیعت خدا اور رسولؐ کی بیعت کے مطابق کر لی جائے پھر اس سے لڑائی چھیڑ دی جائے۔ اور میں تم میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے یزید کی بیعت چھوڑ دی ہو اور اس امر میں میری موافقت نہیں کی ہو مگر یہ کہ میرے اور اس کے درمیان بھی اسی طرح جدائی ہو جائیگی (صحیح بخاری پ۲۹۔ ص۵۵۶) اللہ اکبر! آپ یزید کی حمایت پر اس طرح کمر بستہ ہیں کہ جو شخص یزید کی بیعت سے علیحدہ ہو جائیگا اس سے آپ بھی علیحدگی اختیار کریں گے۔ ناظرین کتاب

صبر سے ان کل بیانات کو دیکھتے رہیں۔ یہ حضرت عمر ہی کی سوانح عمری ہے عبداللہ بن عمر کی نہیں مگر ان مضامین سے آپ کو یہ اندازہ ہوتا جائیگا کہ حضرت عمر کے لئے اسلام کی فضا کس درجہ موافق تھی کہ خاندان بنی امیہ کے بڑے رکن یزید بن ابو سفیان کو آپ نے پہلی خلافت کے زمانہ میں شام کا گورنر بنا کر اپنے موافق کرلیا اور آپ کے بیٹے عبداللہ نے یزید بن معویہ کی بیعت اور حمایت کرکے تمام بنی امیہ کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ پھر فضائل حضرت عمر کتابوں میں کیوں نہ اس کثرت سے بھرے ہوئے ملیں جس حکومت (بنی امیہ) کو جناب عبداللہ بن عمر کی خوشی اس درجہ مطلوب تھی کہ اوس نے بیعۃ یزید کے لئے آپ کو ایک لاکھ روپیئے دیدیئے جسکے بعد آپ نے یزید کی بیعت کرلی (شرح صحیح بخاری پ۲۱ ص۵۵۵) اوس نے جناب عبداللہ کے خوش رکھنے کے لئے بھی حضرت عمر کے فضائل کے شائع کرنے میں کس درجہ اہتمام کیا ہوگا۔ صرف یزید ہی کی بیعت آپ نے نہیں کی بلکہ عبدالملک بن مروان کی بیعت اس سلطنت کے گورنر حجاج ثقفی کے پاؤں پر جاکر کی (شرح ابن ابی الحدید جلد ص)۔ اس اطاعت و انقیاد سے بھی حجاج اور دوسرے ارکان و عمال بنی امیہ کے دلوں میں آپ کی جس درجہ جگہ ہوئی اوس کا سمجھنا آسان ہے۔ غرض حضرت عمر کے فضائل کی کثرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خلفاء راشدین کے بعد خلفاء بنی امیہ کے زمانہ میں مدت دراز تک آپ کے صاحبزادے موجود رہے اور آپ نے سب کو حد سے زیادہ خوش رکھا۔ جس نے جو کہا وہ کیا۔ اور جن باتوں کو دوسرے غیرت مند افراد پسند نہیں کرتے تھے ان پر آپ بہت آسانی سے آمادہ ہوگئے۔ پھر حضرت عمر کے بعد وہ خلفاء جو انھیں کے جانشین ہوتے رہے اور انھیں اصول کے مطابق ان کی خلافت بھی تسلیم کی گئی جن اصول پر حضرت عمر خلیفہ ہوئے تھے۔ کیوں حضرت عمر کے فضائل کی ترویج و اشاعت میں مدد نہ کرتے کہ اس سے درحقیقت ان خلفاء بنی امیہ کی خلافت کی حقیت بھی واضح ہوتی تھی۔ کیونکہ ان کی خلافت کی بنیاد حضرت عمر ہی کی خلافت پر قائم ہوئی تھی۔

حضرت عائشہ دوسری ذات جس کے وجود اور اثر سے حضرت عمر کے فضائل کی ہر قسم کی روایت کو شایع و رائج ہونے کا آسان ذریعہ مل گیا حضرت عائشہ تھیں۔ جو دیکھ چکی تھیں کہ حضرت ابوبکر و عمر کے درمیان کیسے گہرے تعلقات تھے کہ شاید حقیقی

دو بھائیوں میں بھی نہ ہوں بلکہ حضرت رسولخدا صلعم شوہر اور جناب عائشہ زوجہ میں بھی اتحاد قلب و روح ونفس و اتفاق رائے وخیالات واشتراک سعی وعمل کا وہ نمونہ نہیں ملتا جو حضرت ابوبکر و عمر میں تھا۔ بس جو ایک نے کہا وہی الفاظ دوسرے کے منہ سے بھی نکلے۔ جو رائے ایک کی ظاہر ہوئی بالکل وہی دوسرے کی بھی معلوم ہوئی۔ دو قالب ایک روح مشہور ہے مگر اس کے مصداق جیسے یہ دونوں بزرگ تھے کم کوئی ہوگا۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ بھی حضرت عمر کو جس درجہ مانتی ہوں وہ واضح ہے بلکہ حضرت ابوبکر کے انتقال کے بعد حضرت عمر نے اپنے برتاؤ اور شفقت سے حضرت عائشہ کو اور زیادہ ممنون احسان بنا دیا تھا۔ زمانہ حال میں ان کی جو سوانح عمری دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہے اس میں اس احسان کا مختصر ذکر اس طرح کیا گیا ہے "عہد فاروقی حضرت فاروق اعظم کا عہد مبارک نظم ونسق کے لحاظ سے ممتاز تھا انھوں نے تمام مسلمانوں کے نقد وظائف مقرر کر دیئے تھے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں دو روایتیں لکھی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ تمام ازواج مطہرات کو برابر بارہ بارہ ہزار سالانہ دیا جاتا تھا (صحیح بخاری ابواب الجنائز ص۲۵)۔ دوسری روایت جسکو حاکم نے صحت میں بخاری ومسلم کے ہم رتبہ قرار دیا ہے یہ ہے کہ دیگر ازواج کے لئے دس دس ہزار اور حضرت عائشہ کا بارہ ہزار سالانہ وظیفہ تھا۔ اس ترجیح کا سبب خود حضرت عمر نے بیان فرما دیا تھا (مستدرک حاکم جزو صحابیات ذکر عائشہ رضؓ) کہ ان کو میں دو ہزار اس لئے زیادہ دیتا ہوں کہ وہ آنحضرت صلعم کو محبوب تھیں۔

ازواج مطہرات رضؓ کی تعداد کے مطابق حضرت عمر رضؓ نے نو پیالے تیار کرائے تھے جب کوئی چیز آتی ایک ایک پیالہ میں کرکے ایک ایک کی خدمت میں بھیجتے (امام مالک باب جزیۃ اہل الکتاب)۔ تقسیم ہدایا میں یہاں تک خیال رکھتے کہ اگر کوئی جانور ذبح ہوتا تو بقول حضرت عائشہ کے سری اور پایہ تک اُن کے پاس بھیجدیتے تھے (موطا امام محمد باب الزہد)۔ عراق کی فتوحات میں موتیوں کی ایک ڈبیہ ہاتھ آئی تھی۔ مال غنیمت کے ساتھ وہ بھی بارگاہ خلافت میں بھیجی گئی۔ سب کو موتیوں کی تقسیم مشکل تھی۔ حضرت عمر نے کہا آپ لوگ اجازت دیں تو میں ام المومنین عائشہ کو بھیج دوں کہ آنحضرت صلعم کو وہ محبوب تھیں۔ سب نے بخوشی اجازت دی۔ چنانچہ وہ ڈبیہ حضرت عائشہ کی خدمت میں بھیجدی

گئی۔ کھول کر دیکھا فرمایا ابن خطاب نے آنحضرت صلعم کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کیئے۔ خدایا مجھے آئندہ اُن کے عطیوں کے لیئے زندہ نہ رکھنا (مستدرک حاکم)
حضرت عمر کی تمنا تھی کہ وہ بھی حضرت عائشہ کے حجرہ میں آنحضرت صلعم کے قدموں کے نیچے دفن ہوں لیکن کہہ اس لیئے نہیں سکتے تھے کہ گو شرعاً مردوں سے زیر خاک پردہ نہیں تاہم اوباً دفن کے بعد بھی وہ اپنے کو غیر محرم ہی سمجھتے تھے۔ دم نزع تک اس خلش سے بے تاب تھے۔ آخر اپنے صاحبزادے کو بھیجا کہ ام المومنین کو میری طرف سے سلام کہو اور عرض کرو کہ عمر کی تمنا ہے کہ وہ اپنے رفیقوں کے پہلو میں دفن ہو۔ فرمایا اگرچہ وہ جگہ میں نے اپنے لیئے رکھی تھی لیکن عمرؓ کے لیئے خوشی سے یہ ایثار گوارا کرتی ہوں۔
اس اجازت کے بعد بھی حضرت عمر نے وصیت کی کہ میرا جنازہ آستانہ تک لے جا کر پھر اذن طلبی کرنا۔ اگر ام المومنین اجازت دیں تو اندر دفن کر دینا ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت عائشہ نے دوبارہ اجازت دی اور جنازہ اندر لیجا کر دفن کیا گیا (یہ تمام تفصیل صحیح بخاری کتاب الجنائز میں ہے) اور آخر اسی حجرۂ اقدس میں برج خلافت کا دوسرا اختر تاباں بھی نگاہوں سے پنہاں ہوا" (سیرۃ عائشہ صـ۱۳۰)۔
اس پوری عبارت سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمر نے آپ کی صاحبزادی کا کس درجہ خیال رکھا کہ آپ کو حضرت رسولخدا صلعم کا غم بھی بھول گیا اور حضرت ابو بکر کا صدمہ بھی زائل ہو گیا ہو گا۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں حضرت عائشہ کو بارہ ہزار سالانہ وظیفہ کہاں سے ملتا۔ اور زمانہ نبوت میں آپ موتیوں کی ڈبیہ کس طرح پاتیں۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ کی حالت تو یہ لکھی ہوئی ہے "جس دن وہ بیوہ ہوئیں اوسی کی شام کو گھر میں برکت تھی (ترمذی کتاب الادب)" (سیرۃ عائشہ صـ۱۲۷) پس جن معظمہ نے اپنے شوہر کے زمانہ میں اس درجہ فقیری اور عسرت کا مزہ چکھا ہو کہ شوہر کے انتقال کے دن گھر میں کچھ نہ تھا بلکہ چراغ جلانے کو تیل بھی نہ تھا اُن کو حضرت عمر کے زمانہ میں بارہ ہزار سالانہ پنشن مقرر ہو جانے سے (جب کہ آپ کا خرچ بھی صرف آپ کی ذات تک ہی محدود تھا کیونکہ اولاد کی زحمتوں سے خدا نے آپ کو محفوظ ہی رکھا تھا) وہ ممدوح کی جیسی قدردان ہو گئی ہوں وہ ظاہر ہے۔ اب خود سمجھ لو کہ جناب عبداللہ ایسے ہردلعزیز فرزند اور حضرت عائشہ ایسی ذی اثر مخنت جگر کے زمانہ میں حضرت عمر کے فضائل کس درجہ پھیل سکتے تھے پھر کتابوں میں آپکے لئے کیا کچھ نہیں ملیگا

جناب ابوہریرہ کی روایتیں حضرت عمر کے فضائل میں مشہور صحابی جناب ابوہریرہ نے بھی بہت سی روایتیں بیان کی ہیں مثلاً (۱) عن ابی ھریرۃ صلے بنا رسول اللہؐ صلاۃ ثم اقبل علینا بوجھہ فقال بینا رجل یسوق بقرۃ اذرکبھا فضربھا۔ قالت انا لم نخلق لھذا۔ انما خلقنا للحراثۃ۔ فقال الناس سبحان اللہ بقرۃ تتکلم۔ فقال فانی اؤمن بھذا انا وابوبکر عبداغد اوعمر وماھما ثم وبینا رجل فی غنمہ اذ عدا علیھا الذئب۔ فاخذ شاۃ منھا فطلبہ فادرکہ فاستنقذھا منہ فقال یاھذا استنقذتھا منی فمن لھا یوم السبع یوم لا راعی لھا غیری۔ قال الناس سبحان اللہ ذئب یتکلم۔ فقال انی اؤمن بذلک وابوبکر وعمر وماھما ثم۔ جناب ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلعم نے ہم لوگوں کو نماز جماعت پڑھائی۔ پھر ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ ایک شخص کوئی گائے ہنکائے لئے جاتا تھا دفعتہً اس پر چڑھ گیا اور اوس کو مارنے لگا تو اوس گائے نے کہا میں اس لئے نہیں پیدا کی گئی کہ مجھ پر سواری کی جائے بلکہ میں تو زراعت وغیرہ کے لئے پیدا کی گئی ہوں۔ اس پر صحابہ کو تعجب ہوا اور وہ کہنے لگے سبحان اللہ کیا گائے بھی بات کرتی ہے؟ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا میں اس پر ایمان رکھتا ہوں (کہ گائے بات کرتی ہے) اور ابوبکر کل (شاید یہ مطلب ہو کہ آئندہ زمانہ میں) اور عمر حالانکہ وہ دونوں اس وقت وہاں موجود بھی نہیں تھے (ان دونوں کی غیبت میں حضرتؐ نے ان دونوں کی تعریف کی)۔ اسی طرح ایک شخص اپنے بھیڑ بکریوں کے گلے میں تھا کہ دفعتہً اس گلے پر بھیڑیئے نے حملہ کردیا اور ایک بکری اُٹھا لے گیا۔ وہ شخص اوس کے پکڑنے کو دوڑا اور جاکر اس سے چھین لیا۔ اس پر وہ بھیڑیا بولا اے شخص تو نے اس کو مجھ سے چھین لیا۔ خیر اب یہ تو بتا اسکو درندے کے دن[1] جب میرے سوا اس کا کوئی چرواہا نہیں ہوگا کون بچائیگا؟ اس پر بھی

[1] "من لھا یوم السبع یا یوم السبع۔ ایک بھیڑیا بکری کو گلہ سے اُچک لے گیا۔ جس زمانہ میں آنحضرتؐ پیغمبر ہوئے لیکن چرواہے نے وہ بکری اُس کے منہ سے چھین لی تب بھیڑیا کہنے لگا بھلا جس دن درندہ اوس کا نگہبان ہوگا اوس دن اوسکو کون بچائیگا یعنی جب فتنوں کے وقت لوگ مال اسباب چھوڑ کر بھاگ جائیں گے بکریاں بھی بن وارث پھرینگی اوس وقت درندہ یعنی بھیڑیا

صحابہ رسولؐ تعجب سے کہنے لگے سبحان اللہ کہیں بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے؟ تو حضرت رسولخداصلعم نے فرمایا اس بات پر میں اور ابو بکر و عمر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ یہ دونوں بزرگ اس وقت وہاں تھے بھی نہیں (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۴۶)۔ روایت کا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضرت رسولخداصلعم اور حضرت ابو بکر و عمر ایمان کے معاملہ میں بالکل برابر تھے۔ کوئی فرق ان حضرات میں نہیں تھا یہاں تک کہ جس بات پر اور صحابہ کو تعجب ہوتا تھا اُسکے بارے میں بھی آنحضرت صلعم حضرات شیخین کی وکالت کرکے فرما دیتے تھے کہ تم لوگ مانو یا نہ مانو۔ تمہیں تعجب ہو یا انکار مگر میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابو بکر و عمر بھی میری ہی طرح اس پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ لطف یہ کہ حضرت ابو بکر و عمر وہاں موجود بھی نہیں تھے۔ ان لوگوں نے حضرتؐ کی یہ تعجب خیز بات سنی بھی نہیں اور اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر بھی نہیں کی۔ مگر حضرتؐ نے ان دونوں کو بالکل اپنے نفس ایسا قرار دیکر اعلان فرما دیا کہ جو میں کہتا ہوں وہی وہ بھی کہیں گے اور جس امر میں میں ایمان رکھتا ہوں اس میں وہ لوگ کبھی تردد یا شک نہیں کر سکتے۔ (۲) قال صلے رسول اللہؐ احدے صلاتی العشی فصلے رکعتین ثم سلم۔ قال اقصرت الصلاۃ۔ قال و فی القوم ابو بکر و عمر فھابا ان یکلماہ و فی القوم رجل فی یدیہ طول یسمے ذا الیدین فقال یا رسول اللہؐ انسیت ام قصرت الصلاۃ فقال لم انس و لم تقص الصلاۃ۔ قال کما یقول ذوالیدین۔ قالوا نعم فجاء فصلے الذی ترک ثم سلم۔ جناب ابو ہریرہ بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخداصلعم نے مغرب یا عشاء کی نماز پڑھی تو صرف دو رکعتیں پڑھکر حضرتؐ نے سلام پھیر دیا۔ اس پر صحابہ نے کہا معلوم ہوتا ہے نماز قصر ہو گئی۔ جناب ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اُس وقت اُن لوگوں میں حضرت ابو بکر و عمر بھی تھے مگر وہ دونوں آنحضرت صلعم سے پوچھنے میں ڈرے۔ اور صحابہ میں ایک اور شخص ذوالیدین تھا اوس نے عرض کی اے رسولخداؐ آپ نماز میں (ایک یا دو رکعت) بھول گئے یا نماز میں قصر کر دیا ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا نہ بھولا ہوں اور نہ قصر ہوئی ہے۔ پھر حضرتؐ نے دوسرے لوگوں سے پوچھا کیا ایسا ہی ہے جیسا ذوالیدین کہتے ہیں؟ لوگوں نے عرض کی ہاں۔ تو حضرتؐ پھر آئے اور جو نماز چھوڑ دی تھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۷) ہی انکا نگہبان ہوگا مزے سے اونکو چٹ کر گیا" (انوار اللغۃ پارہ ۱۲ صفحہ ۱۰۲)

اس کو تمام کیا (مسند احمد جلد ۲ ص۲۳۵) ۔ اس واقعہ میں قابل ذکر صرف دو شخص تھے ایک حضرت رسولخدا صلعم کہ آپ نماز میں بھول گئے۔ دوسرے ذوالیدین جنہوں نے حضرت کو ٹوکا کہ آپنے اس طرح نماز کیوں پڑھی کیا بھول گئے۔ یا نماز ہی قصر ہوگئی۔ اور حضرت ابوبکر و عمر نے کوئی کام نہیں کیا نہ اون کے ذکر کی ضرورت تھی مگر دونوں بزرگوں کی عظمت و جلالت ظاہر کرنے کے لئے یا حضرت رسولخدا صلعم کے ذکر کے ساتھ ان کے ذکر کے اعلان کی ضرورت بھی واضح کرنے کے لئے دونوں حضرات کا نام بھی جناب ابوہریرہ نے لیا۔ حالانکہ اس جماعۃ میں اور حضرات بھی موجود تھے کسی کا نام لینے کی ضرورت آپ کو نہیں ہوئی (۳) قال رسول اللہ بینما انا نائم رأیت انی انزع علی حوض اسقی الناس فاتانی ابوبکر فاخذ الدلو من یدی لیروحنی فنزع ذنوبا او ذنوبین وفی نزعہ ضعف قال فاتانی ابن الخطاب واللہ یغفر لہ فاخذہا منی فلم یزل ینزع حتی تولی الناس والحوض یتفجر۔ حضرت رسولخدا نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ اپنے حوض پر لوگوں کو پانی پلانے کے لئے ڈول کھینچ رہا ہوں۔ استنے میں ابوبکر آگئے اور ڈول کو میرے ہاتھ سے لے لیا تاکہ اس کو اچھی طرح بھردیں یہاں تک کہ ایک یا دو ڈول کھینچے اور ان کے کھینچنے میں ضعف محسوس ہوا۔ اس کے بعد میرے پاس عمر آئے اور اللہ اونکی مغفرت کرے گا اونھوں نے اس کو میرے ہاتھ سے لے لیا تو ان کے ایسا کسی شخص نے نہیں کھینچا یہاں تک کہ لوگ سیراب ہوگئے اور حوض اُبلنے لگا (مسند جلد ۲ ص۳۱۹) (۴) ان فاطمۃ جاءت ابابکر و عمر تطلب میراثہا من رسول اللہ فقالا لہا سمعنا رسول اللہ یقول انی لا اورث۔ جناب فاطمہ حضرت ابوبکر و عمر کے پاس آئیں کہ حضرت رسولخدا سے حضرت کو جو میراث پہونچی اس کو اُن سے طلب کریں۔ تو دونوں بزرگوں نے ان سے کہا ہم نے رسولخدا صلعم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے میری میراث کسی کو نہیں مل سکتی (مسند جلد ۲ ص۳۵۳) ۔ اس میں آپ نے بیان کیا کہ جناب سیدہ نے صرف حضرت ابوبکر ہی سے نہیں بلکہ حضرت عمر سے بھی اپنی میراث طلب کی اور دونوں صاحبوں نے ایک ہی جواب دیا۔ اصول ہی یہ تھا کہ دونوں ایک ہی بات کہتے (۵) ان رسول اللہ کان علی حراء ہو وابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحۃ والزبیر فتحرکت الصخرۃ فقال رسول اللہ اہدأ فما علیک الا نبی او صدیق او شہید وان رسول اللہ قال نعم الرجل ابوبکر نعم الرجل عمر نعم الرجل ابوعبیدہ بن الجراح نعم الرجل اسید بن حضیر

نعم الرجل ثابت بن قیس بن شماس۔ نعم الرجل معاذ بن جبل نعم الرجل معاذ بن عمرو بن الجموح۔ حضرت رسولخدا صلعم حرا پہاڑ پر ایک دفعہ تشریف فرما تھے آپکے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر بھی تھے۔ دفعتہً پہاڑ ہلنے لگا تو حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اے پہاڑ تھم جا کیونکہ تجھ پر اور کوئی نہیں ہے سوائے نبی یا صدیق یا شہید کے اور یقینا حضرت رسولخدا صلعم نے یہ بھی فرمایا کہ ابوبکر اچھے آدمی ہیں۔ عمر کا کیا کہنا۔ ابوعبیدہ اسید۔ ثابت۔ معاذ بن جبل اور معاذ بن عمرو بھی خوب ہیں (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۱۹) یہ مطلب یہ ہوا کہ سب اچھے ہیں۔ نہیں اچھے ہیں تو حضرت علیؑ (۶) کان یقول واللہ ان کنت لاعتمد بکبدی علی الارض من الجوع و ان کنت لاشد الحجر علی بطنی من الجوع ولقد قعدت یوما علی طریقھم الذی یخرجون منہ فمر ابوبکرؓ فسالتہ عن آیۃ من کتاب اللہ ماسألتہ الا لیستتبعنی فلم یفعل۔ فمر عمرؓ فسالتہ عن آیۃ من کتاب اللہ ماسألتہ الا لیستتبعنی فلم یفعل فمر ابوالقاسمؐ فعرف مافی وجھی ومافی نفسی فقال اباھریرۃ۔ فقلت لہ لبیک یارسول اللہؐ فقال الحق واستاذنت فاذن لی فوجدت لبنا فی قدح... قال فاقعد فاشرب فقعدت فشربت بڑی طویل روایت ہے اس کا مختصر ہم نے نقل کیا اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ گویا بھوک سے میری جان نکلتی تھی اور شدت گرسنگی سے میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔ ایک روز میں اوس راہ پر بیٹھ گیا جس طرف سے صحابہ نکلا کرتے تھے۔ تو حضرت ابوبکر نکلے۔ میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیۃ پوچھی حالانکہ اس پوچھنے کا مطلب صرف یہ تھا کہ وہ کسی طرح میری حالت جان جائیں اور اپنے گھر لے چل کر مجھے کچھ کھلائیں مگر اونھوں نے کچھ بھی توجہ نہیں کی (نہ وہ آیۃ بتلائی)۔ پھر حضرت عمر گزرے ان سے بھی میں نے قرآن شریف کی ایک آیۃ پوچھی۔ ان سے پوچھنے کی غرض بھی واقعاً آیۃ کا دریافت کرنا نہیں تھی بلکہ یہ چاہتا تھا کہ وہ کسی طرح مجھے اپنے گھر لے چلیں اور کچھ کھلائیں۔ لیکن اونھوں نے بھی میرا کچھ خیال نہیں کیا۔ اس کے بعد حضرت رسولخدا صلعم گزرے تو حضرتؐ نے میرے چہرے سے تاڑ لیا کہ میں کس حالت میں ہوں اور میرا دل کیا چاہتا ہے۔ اس پر حضرتؐ نے فرمایا ابوہریرہ! میں نے عرض کی لبیک یارسول اللہؐ حضرتؐ نے فرمایا میرے ساتھ آؤ۔ میں ساتھ ہو لیا۔ پھر حضرت اپنے مکان کے اندر داخل

ہو گئے تو میں نے اندر جانے کی اجازت چاہی۔ حضرتؐ نے اجازت دی۔ تو میں نے جا کر ایک پیالہ میں دودھ دیکھا۔ حضرتؐ نے فرمایا ابو ہریرہ بیٹھ جاؤ اور دودھ پی لو۔ میں بیٹھ گیا اور دودھ پی لیا (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۵۱۵)۔ آپ کا مقصود غالباً یہ ہو کہ حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابوبکر و عمر راستہ بھی چلتے تو ساتھ ہی یا یکے بعد دیگرے۔ کسی اور کا ساتھ نہیں ہوتا تھا۔ نہ کسی کام میں کسی اور کی شرکت ہوتی تھی۔ ہر وقت تینوں بزرگ ایک ہی جگہ رہتے۔ ایک ہی طرف سے نکلتے۔ ایک ہی سمت جاتے۔ ایک ہی راستہ چلتے۔

(۷) عن ابی ھریرۃ قال انطلقت انا وعبد اللہ بن عمر وسمرۃ بن جندب فاتینا النبیؐ فقالوا لنا انطلقوا الی مسجد التقوے۔ فانطلقنا نحوہ فاستقبلنا یدا علے کاھل ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما فتر نانی وجھہ فقال من ھولاء یا ابا بکر قال عبد اللہ بن عمر و ابو ھریرۃ وسمرۃ۔ جناب ابو ہریرہ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں اور عبد اللہ بن عمر اور سمرہ بن جندب چلے تو حضرت رسولخدا صلعم کی طرف روانہ ہوئے دیگر لوگوں نے ہم سب سے کہا کہ مسجد تقوے کی طرف چلو۔ غرض ہم لوگ اس طرف چلے تو حضرت رسولخدا صلعم کو پایا اس شان سے کہ حضرتؐ کے دونوں ہاتھ حضرت ابوبکر و عمر کے کاندھوں پر تھے پھر ہم لوگ حضرتؐ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے تو حضرتؐ نے فرمایا اے ابوبکر یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے بتایا عبد اللہ بن عمر و ابو ہریرہ و سمرہ ہیں (مسند جلد ۲ صفحہ ۵۲۲)۔ اس روایت سے کس درجہ حضرت رسولخدا اور حضرت ابوبکر و عمر میں یارانا ثابت ہوتا ہے جو جندب لوگوں میں شاید ہی کہیں نظر آئے۔

جناب ابو ہریرہ کی حالت اب اس کو دیکھو کہ جناب ابو ہریرہ کن اوصاف کے تھے اور حضرت ابوبکر و عمر سے ان سے کیا تعلقات تھے تاکہ انکی روایتوں کی حقیقت پر کافی روشنی پڑ سکے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اسم ابی ھریرۃ عبد شمس بن عامر وھو دوسی حلیف لابی بکر الصدیق۔ ابو ہریرہ کا نام عبد شمس تھا باپ عامر تھے اور وہ دوس کے خاندان سے تھے جو حضرت ابوبکر صدیق کے ہم عہد تھے۔ قال القطب الحلبی اجتمع فی اسمہ واسم ابیہ اربعۃ واربعون قولا قطب حلبی بیان کرتے تھے کہ اُن کے اور اُن کے باپ کے نام کی تحقیق میں ۴۴ قول ہیں (کوئی صاحب کوئی نام بتاتے ہیں اور کوئی صاحب کوئی نام)۔ وقد اجمع اھل الحدیث علے

انہ اکثر الصحابۃ حدیثا۔ اہل حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب صحابہ سے زیادہ حدیثوں کے راوی آپ ہی ہیں۔ ان مسند تقی بن مخلد احتوی من حدیث ابی ھریرۃ علی خمسۃ آلاف وثلث مائۃ حدیث۔ تقی ابن مخلد کی مسند (کتاب) میں ابو ہریرہ کی روایتیں پانچ ہزار تین سو حدیثیں ہیں۔ وحدث ابو ھریرۃ عن ابی بکر وعمر والفضل بن العباس وابی بن کعب واسامۃ بن زید وعائشۃ ولبصرۃ الغفاری وکعب الاحبار۔ جناب ابو ہریرہ حضرت ابوبکر وعمر وفضل بن عباس وابی بن کعب واسامہ بن زید وعائشہ وبصرہ غفاری اور کعب الاحبار سے حدیثیں روایت کرتے تھے۔ روی عنہ ولدہ المحرر ومن الصحابۃ ابن عمر وابن عباس وجابر وانس وواثلہ بن الاسقع۔ اور ان سے ان کے بیٹے محرر اور صحابہ سے ابن عمر وابن عباس وجابر وانس وواثلہ بن اسقع حدیثیں روایت کرتے تھے۔ قال البخاری روی عنہ نحو الثمان مائۃ من اھل العلم وکان احفظ من روی الحدیث فی عصرہ امام بخاری کہتے تھے کہ ابو ہریرہ سے تقریباً آٹھ سو علماء نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ لم یکن احد من الصحابۃ اکثر حدیثا من ابی ھریرۃ صحابہ میں ابو ہریرہ سے زیادہ حدیثوں کا بیان کرنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ کان اسلامہ بین الحدیبیۃ وخیبر قدم المدینۃ مھاجرا وسکن الصفۃ۔ یہ صلح حدیبیہ و جنگ خیبر کے درمیان مسلمان ہوئے اور ہجرت کرکے مدینہ آئے اور صفہ میں رہنے لگے۔ عن حمید الحمیری صحبت رجلا صحب النبی اربع سنین کما صحبہ ابو ھریرۃ۔ حمید حمیری کہتے تھے کہ میں ایک شخص کی صحبت میں رہا جو حضرت رسولخدا صلعم کی صحبت میں چار سال تک رہا جس طرح جناب ابو ہریرہ (بھی) آنحضرتؐ کی صحبت میں (چار سال ہی) رہے۔ کان مقدمہ عام خیبر وکانت فی المحرم سنۃ سبع۔ آپ جنگ خیبر کے سال میں محرم ۷ھ ہجری میں آنحضرتؐ کی خدمت میں پہلے پہل آئے تھے۔ عن عمر انہ قال لابی ھریرۃ انت کنت الزمنا لرسول اللہ واحفظنا لحدیثہ۔ حضرت عمر سے روایت ہے کہ انھوں نے جناب ابو ہریرہ سے فرمایا کہ ہم لوگوں سے زیادہ تم حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں رہتے اور ہم لوگوں سے زیادہ حضرتؐ کی حدیثوں کو یاد رکھتے ہو۔ قالت عائشۃ لابی ھریرۃ انک لتحدث بشئی ما سمعتہ قال یا امہ طلقتہا وشغلک عنہا المکحلۃ والمرآۃ وما

کان یشغلہ عنہا شیٔ والاخبار فی ذلک کثیرۃ۔ حضرت عائشہ نے ابو ہریرہ سے کہا کہ تم تو ایسی [illegible] یثیں بیان کرتے ہو جن کو میں نے کبھی سنا تک نہیں۔ جناب ابو ہریرہ نے کہا اے مادر جان! ان کو چھوڑ دیا اور آپ تو ہر وقت سرمہ دانی اور آئینہ میں لگی رہتی تھیں (تو آنحضرتؐ کی حدیثیں کیسے سنتیں) اور ابو ہریرہ کا دوسرا کوئی شغل تھا ہی نہیں۔ اور اس مضمون کی خبریں بہت کثرت سے ہیں۔ ان عمر استعمل ابا ہریرۃ علی البحرین فقدم بعشرۃ آلاف فقال لہ عمر استاثرت بھذہ الاموال فمن این لک۔ قال خیل نتجت واعطیۃ تتابعت وخراج رقیق لی فنظر فوجدھا کما قال ثم دعاہ لیستعملہ فابی۔ حضرت عمر نے آپ کو بحرین کا حاکم مقرر کر دیا تھا تو آپ وہاں سے دس ہزار اٹھا لائے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر نے کہا تم نے تو بڑا مال تھارا اتنا مال حاصل کر لیا؟ بتاؤ تو کیسے اس قدر مل گیا؟ اور انھوں نے کہا گھوڑیوں نے بچے دیئے۔ اور عطیہ کثرت سے آئے اور میرے غلاموں نے دولت پیدا کی۔ حضرت عمر نے نظر کی تو انکے کہنے کے مطابق پایا۔ پھر انکو بلایا تا کہ حاکم مقرر کر دیں مگر اب انھوں نے انکار کر دیا۔ قال اخشی ثلاثا ان اقول بغیر علم۔ او اقضی بغیر حکم۔ ولیضرب ظھری ویشتم عرضی وینزع مالی۔ ابو ہریرہ نے اب انکار کرنے کی وجہ یہ ظاہر کی کہ میں تین مصیبتوں سے ڈرتا ہوں یا ایسی بات کہوں گا جس کو جانتا نہیں ہوں یا ایسی بات کا فیصلہ کر دونگا جس کا حکم نہیں ہے۔ اور میری پیٹھ پر مار پڑیگی۔ مجھے گالیاں دے کر میری عزت زائل کی جائیگی۔ اور میرا سب مال چھین لیا جائیگا۔

وکتب الولید الی معویۃ یخبرہ بموتہ فکتب الیہ انظر من ترک فادفع الی ورثتہ عشرۃ آلاف درھم واحسن جوارھم فانہ کان ممن نصر عثمان یوم الدار۔ ولید بن عقبہ نے ابو ہریرہ کے انتقال کی خبر معویہ کو لکھ بھیجی تو اس نے اس کو جواب دیا کہ دیکھو ابو ہریرہ نے جن وارثوں کو چھوڑا ہو ان کو میری طرف سے دس ہزار درہم دے دو اور ان لوگوں کے ساتھ (بحیثیت پڑوسی کے) اچھا برتاؤ کرنا کیونکہ ابو ہریرہ اُن لوگوں سے تھے جنھوں نے حضرت عثمان کی مدد ان کے مرنے کے وقت کی تھی۔ توفی ابو ھریرۃ سنۃ سبع وخمسین۔ جناب ابو ہریرہ نے ۵۷ھ ہجری میں

انتقال کیا (اصابہ جلد ۷ ص۲۰۱) مذکورہ بالا عبارتوں سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے (۱) جناب ابو ہریرہ اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں اُن کا نام گویا معلوم ہی نہیں کر گیا تھا۔ اُن کا اور اُن کے باپ کا نام اس درجہ مختلف فیہ ہے کہ اس میں ۴۴ قول ہیں [۱] اگر اپنے زمانہ میں باوقار ہوتے تو لوگوں کو ان کے نام کا پتا آسانی سے چل جاتا۔ حضرت رسولخدا صلعم نے ان کے اسلام لانے کے بعد ان کا نام بدل دیا مگر اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرتؐ نے عبد اللہ رکھا یا عبدالرحمن بلکہ امام احمد بن حنبل وغیرہ تو کہتے تھے کہ حضرتؐ نے انکا نام بدلا ہی نہیں (اصابہ جلد ۷ ص۲۰۲) غرض نام ہی کے اختلاف سے پتا چلتا ہے کہ آپ اسلام سے قبل کس عزت کے تھے اور اسلام کے بعد کس وزن کے مانے گئے اور کن نظروں سے دیکھے گئے (۲) آپ کا خاندان حضرت ابو بکر کا ہم عہد تھا اس وجہ سے آپ کو حضرت عمر سے بھی خاص تعلق ہوگا (۳) آپ باوجودے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ صرف چار سال تک رہے مگر آپکی روایتیں سب صحابہ سے زیادہ ہوگئیں۔ کس قدر حیرت خیز ہے کہ جو صحابہ آنحضرتؐ کے ساتھ مکہ معظمہ میں ۱۳ سال اور مدینہ منورہ میں ۱۱ سال تک رہیں اُن کی روایتیں تو ایک ہزار تک بھی نہ پہونچیں۔ اور آپ کی روایات کی تعداد پانچ ہزار تین سو سے بڑھ جائے۔ اس طوفان احادیث کی کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ حضرت عائشہ نے جب اعتراض کیا کہ تم کو اتنی حدیثیں کیسے مل گئیں تو آپ نے جواب دیدیا آپ کو سرمہ دانی اور آئینہ سے فرصت کب ملتی تھی کہ حدیثیں سنتیں۔ حالانکہ اگر معظمہ ہر وقت بناؤ سنگار میں مصروف رہتیں جب بھی کان سے تو ان حدیثوں کو ضرور سن لیا کرتیں۔ کسی دوسرے مقام

[۱] جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں "ابو ہریرہ مشہور صحابی ہیں اونکا نام عبد اللہ تھا۔ کہتے ہیں ایک روز وہ اپنی آستین میں ایک بلی اوٹھا کر لائے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ اونھوں نے کہا بلی۔ آنحضرتؐ نے کہا یا ابا ہریرۃ۔ اوس روز سے اونکی کنیت ابو ہریرہ مشہور ہوگئی۔ سب صحابہ سے زیادہ انھوں نے حدیثیں روایت کی ہیں" (انوار اللغۃ پارہ ۲۷ ص۱۴۴)

مولوی صاحب نے صرف عبد اللہ نام لکھا حالانکہ مورخین آج تک طے ہی نہ کرسکے کہ ان کا نام عبد نہم۔ یا عمیر یا عبد شمس یا عبدالرحمن یا کیا تھا ۱۲ منہ

پر جا کر تو سرمہ دانی اور آئینہ میں اپنا وقت صرف کرتی نہیں ہونگی۔ اور اگر انکی بات مان بھی لی جائے تو حضرت ابو بکر جو ابتدا اسلام سے آنحضرتؐ کے ساتھ رہے کیوں اتنی روایتوں کو نہ حاصل کر سکے ان کو تو سرمہ دانی وغیرہ کا عذر نہیں تھا۔ بعض بطور مزاح کہتے ہیں کہ کیا حضرت ابو ہریرہ کے ہاں حدیث کی کوئی مشین تھی جس میں برابر پڑ ڈھلتی رہتی تھی اور اسی وجہ سے چار سال میں پانچ ہزار تین سو سے بڑھ گئیں۔ اگر ممدوح شروع سے آنحضرتؐ کے ساتھ رہتے تو نہ معلوم کتنی حدیثوں کے راوی ہو جاتے۔

(۴) جناب ابو ہریرہ نے حضرت ابو بکر و عمر و فضل ابن عباس وغیرہ سے حدیثیں لیں مگر حضرت علیؑ۔ جناب ابو ذر۔ جناب سلمان وغیرہ سے ایک حدیث بھی نہیں لی۔ کیا اس سے یہ نمایاں نہیں ہوتا کہ آپ کو خاندان رسول صلعم سے خاص طور پر علیحدگی تھی کہ آپ نے ان لوگوں سے حدیث تک لینا پسند نہیں کیا۔ ایسی حالت میں حضرت عمر کے فضائل کے متعلق آپ سے جو روایتیں ملتی ہیں ان کی حقیقت محتاج توجیہ نہیں رہتی۔

(۵) لطف یہ کہ آپ سے خاندان رسولؐ کے کسی شخص نے بھی کوئی روایت نہیں لی۔ یعنی نہ آپ نے اُن حضرات کو اس قابل سمجھا کہ اُن سے روایتیں لیں۔ اور نہ اُن حضرات نے ان کو اس کا مستحق خیال کیا کہ ان کی کوئی روایت لیں۔

(۶) حضرت عمر نے آپ پر اتنا عظیم الشان احسان کیا جس کا آپ کو وہم وگمان بھی نہ ہوگا کہ بحرین کی حکومت آپ کے حوالہ کردی جہاں رہ کر جو کچھ خرچ کیا اُس کا حساب تو خدا ہی کو معلوم ہوگا لیکن وہاں سے جمع کر کے دس ہزار لائے۔ اس کے بعد بھی حضرت عمر نے ان کو حاکم بنانا چاہا تو اس خوف سے کہ ایسا نہ ہو آبرو بھی جائے اور جو ہاتھ لگ گیا ہے وہ بھی نکل جائے آپ نے عذر کر دیا۔ ان حالات کے بعد فیصلہ کرلو کہ آپ سے حضرت عمر کے فضائل میں اتنی حدیثیں کیوں نہ ملتیں۔

جناب انس کی روایتیں

جناب انس بن مالک صحابی رسول سے بھی حضرت عمر کے فضائل میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ مثلاً (۱) ان النبیؐ و ابابکر و عمر و عثمان کانوا یفتتحون القراءۃ بالحمد للہ رب العالمین حضرت رسولخدا صلعم اور ابو بکر و عمر و عثمان نماز پڑھتے تو قراءۃ الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے۔ یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں کہتے (مسند جلد ۳ صفحہ ۱۰۱)۔ چونکہ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت رسولخدا

صلعم۔ جناب امیرؑ اور دوسرے محترم اصحاب۔ ہر سورہ کے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم ضرور پڑھتے۔ اس وجہ سے جناب انس برابر اس پر زور دیتے کہ حضرت رسولخداؐ اور خلفائے ثلثہ اسی طرح نماز پڑھتے جس طرح ان دنوں حضرات اہلسنت پڑھتے ہیں کہ بسم اللہ غائب کردیا کرتے ہیں اور یہ چاروں حضرات ایک ہی طرح کی عبادت بجالاتے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں تھا (۲) لما سار رسول اللہ الی بدر خرج فاستشار الناس فاشار علیہ ابوبکرؓ ثم استشار ھم فاشار علیہ عمرؓ فسکت۔ جب حضرت رسولخدا صلعم غزوہ بدر کے لئے تشریف لے چلے تو لوگوں سے مشورہ کیا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے رائے دی۔ پھر حضرت عمر نے رائے دی تو آنحضرتؐ خاموش رہے (مسند جلد ۱ صـ۱۰۵)۔ اس لفظ خاموش رہے سے جناب انس نے اپنی ہمدردی کا پورا حق ادا کردیا۔ اور کسی کو جاننے نہیں دیا کہ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کے مشوروں کا کیا اثر لیا۔ حالانکہ دوسرے لوگوں نے تصریح کردی ہے۔ فتکلم ابوبکر فاعرض عنہ ثم تکلم عمر فاعرض عنہ۔ آنحضرتؐ کے سوال پر حضرت ابوبکر بولے تو آپ کو وہ رائے اتنی بُری معلوم ہوئی کہ آپ نے انکی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر حضرت عمر بولے تو وہ رائے بھی ایسی ناپسندیدہ تھی کہ آنحضرت نے انکی طرف سے بھی منہ پھیر لیا (سیرۃ محمدیہ مطبوعہ مصر جلد ۱ صـ۳۷۲) (۳) ان النبیؐ صعد احدا فتبعہ ابوبکر و عمر و عثمان فرجف بھم الجبل فقال اسکن علیک نبی و صدیق و شہیدان۔ ایک مرتبہ حضرت رسولخدا صلعم احد پہاڑ پر چڑھے اور حضرت کے پیچھے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان بھی گئے تو احد پہاڑ پر زلزلہ آگیا۔ آنحضرتؐ نے اوس سے فرمایا اپنا زلزلہ روک دے کیونکہ اس وقت تجھ پر ایک نبی۔ ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں (مسند جلد ۳ صـ۱۱۲) (۴) یقول ان النبیؐ و ابابکر و عمر و عثمان کانوا یتمون التکبیر یکبرون اذا سجدوا و اذا رفعوا۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم اور ابوبکر و عمر و عثمان تکبیر کو تمام کرتے تھے جب سجدہ کرتے اور سر اوٹھاتے تو تکبیر کہتے تھے (مسند جلد ۳ صـ۱۲۵)۔ یہاں بھی یہی مقصود ہے کہ لوگ سمجھیں حضرت رسولخدا صلعم کی طرح کل عبادات بجالانے والے یہی خلفاء ثلثہ تھے۔ حضرت علیؑ کا ذکر یہاں سے بھی غائب ہے کہ وہ حضرتؐ کیا کرتے تھے۔ مگر اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ حضرت علیؑ (معاذ اللہ) حضرت رسولخداؐ کی روش کے خلاف چلتے تھے (۵) انہ قال صلیت مع رسول اللہ یعنی

رکعتین ومع ابی بکر رکعتین ومع عمر رکعتین ومع عثمان رکعتین صدرا من امارته
جناب انس کہتے تھے کہ میں نے حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ اور ابوبکر و عمر و عثمان کے ساتھ بھی انکی خلافت میں بمقام منے دو دو رکعت نماز پڑھی تھی (مسند جلد ۳ ص ۱۴۴)۔ آپ باوجودیکہ سنہ ۹۰ ہجری تک رہے مگر حضرت علیؑ کے ساتھ جو سنہ ۴۰ ہجری میں شہید ہوگئے کبھی نماز نہیں پڑھی۔

(۶) قال کان النبیؐ یخرج الی المسجد فیہ المہاجرون والانصار وما منہم احد یرفع راسہ من حبوتہ الا ابوبکر و عمر فیتبسم الیہما ویتبسمان الیہ۔ آپ بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم مسجد آتے تو وہاں مہاجرین و انصار سب ہی رہتے مگر سوائے حضرت ابوبکر و عمر کے کوئی شخص آنحضرت کی تعظیم نہیں کرتا [1] ان بزرگوں کی تعظیم دیکھکر آنحضرتؐ مسکرانے لگتے (مسند احمد جلد ۳ ص ۱۵۰)۔ کیسی واضح فضیلت ہے کہ کل مہاجرین و انصار بے ادبی سے بیٹھے رہتے۔ صرف یہی دو بزرگ تہذیب و ادب و احترام کا لحاظ رکھتے۔

(۷) سئل انس بن مالک عن خضاب رسول اللہؐ فقال ان رسول اللہؐ لم یکن شاب الا یسیرا ولکن ابابکر و عمر بعدہ خضبا بالحناء والکتم۔ لوگوں نے انس بن مالک سے پوچھا کہ حضرت رسولخدا صلعم خضاب کرتے تھے یا نہیں۔ یا کرتے تھے تو کس چیز کا ہوتا۔ آپ نے کہا حضرت رسولخدا صلعم کے بال میں سفیدی تو تھوڑی ہی تھی۔ البتہ حضرت ابوبکر و عمر مہندی اور وسمہ کا خضاب [2] کرتے (مسند احمد جلد ۳ ص ۱۶۰)۔ جناب انس کا یہ کمال قابل قدر ہے کہ آپ سے سوال تو کیا گیا حضرت رسولخدا صلعم کے متعلق کہ خضاب کرتے تھے یا نہیں۔ لیکن آپ کو حضرت ابوبکر و عمر کا ذکر پسند تھا اس سبب سے آنحضرتؐ کی بات ایک جملہ میں ختم کرکے ان دونوں کی سیرت واضح کردی۔ اور ساتھ ہی سائل کو اشارہ بھی کردیا کہ آنحضرتؐ کی سنت کیوں پوچھتے ہو۔ حضرت ابوبکر و عمر کا طریق عمل کیوں نہیں دریافت کرتے۔

(۸) قال قال رسول اللہؐ ان اللہ وعدنی ان یدخل الجنۃ من امتی اربع مائۃ

---

[1] یرفع راسہ من حبوتہ کا لفظی ترجمہ یہ ہوا کہ جو لوگ گوٹ مار کر بیٹھے رہتے تھے اُن میں سے کوئی شخص اپنا سر اس حالت سے اُٹھاتا نہیں تھا سوائے حضرت ابوبکر و عمر کے۔ مقصود تعظیم کرنا ہے ۱۲ منہ [2] جناب مولوی وحید الزمان خاں صاحب نے لکھا ہے" ابوبکر صدیق مہندی اور وسمہ کا خضاب کرتے ... اور صحیح روایت میں اوسکی

الف - فقال ابو بکر زدنا یا رسول اللہ قال وھکذا وجمع کفہ - قال زدنا یا رسول اللہ قال وھکذا - فقال عمر حسبک یا ابا بکر - فقال ابو بکر دعنی یا عمر وما علیک ان یدخلنا اللہ الجنۃ کلنا - فقال عمر ان اللہ ان شاء ادخل خلقہ الجنۃ بکف واحد فقال النبیؐ صدق عمر - جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخداؐ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت سے چار لاکھ کو بہشت میں داخل کر دے گا - اس پر حضرت ابوبکر نے کہا اے رسول اللہؐ اور زیادہ کیجئے فرمایا اور اس طرح اور اپنی مٹھی بند کر لی - حضرت ابو بکر نے پھر کہا اور زیادہ کیجئے - فرمایا اور اس طرح - اب حضرت عمر بولے "اے ابو بکر بس بھی کرو" تو حضرت ابو بکر نے جواب دیا "عمر چپ رہو اگر خدا ہم سب کو بہشت میں داخل کر دے تو تمہارا کیا بگڑ جائیگا؟ حضرت عمر نے کہا اگر خدا چاہے تو اپنی پوری مخلوق کو ایک مٹھی سے بہشت میں داخل کر دے - حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا عمر نے سچ کہا (مسند جلد ۳ صـ ۱۶۵) - جناب انس کا مقصود یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر یا عمر میں کسی امر کے متعلق اختلاف ہوتا تو حضرت رسولخدا صلعم بھی حضرت عمر ہی کی تائید و تصدیق کرتے تھے - اور حضرت ابو بکر کے جھکنے کی بھی کچھ پروا نہیں کرتے تھے - (۹) قال صلیت مع رسول اللہؐ وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احد امنھم یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم - جناب انس بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت رسولخدا صلعم و ابو بکر و عمر و عثمان کے پیچھے نماز پڑھی مگر کسی کو نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے نہیں دیکھا (مسند جلد ۳ صـ ۱۷۱) پہلے آپکی جو حدیث نقل کیگئی اسکی توضیح اس حدیث میں کی ہے لہ

(بقیہ حاشیہ صـ ۱۸۷) مخالفت مذکور ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ایک روایت میں بالحناء والکتم ہے - نہایہ میں ہے کہ تمام روایتوں میں باوجود اختلاف کے بالحناء والکتم ہے واؤ جمع کے ساتھ" (انوار اللغۃ پ ۲۲ صـ ۱۹) - مطلب یہ ہوا کہ صرف مہندی سے یا صرف وسمہ سے خضاب کرنا جائز ہے لیکن دونوں کے خضاب کرنے کو منع کیا گیا ہے لیکن حضرت ابو بکر و عمر دونوں سے خضاب کرتے تھے - مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے صرف حضرت ابو بکر کا نام لکھا ہے - مگر حدیث کی کتابوں میں یہ فعل دونوں صاحبوں کا مذکور ہے اور عقل بھی کہتی ہے کہ دونوں میں اختلاف نہیں ہو گا ۱۲ منہ

لہ حالانکہ حضرت رسولخدا صلعم کا ہر نماز کی ہر سورۃ میں زور سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہنا متواتر

(۱۰) قال قال رسول اللهؐ ارحم امتی ابوبکر واشدھا فی دین الله عمر و اصدقها حیاءً عثمان و اعلمها بالحلال والحرام معاذ بن جبل و اقرأها لکتاب الله ابی و اعلمها بالفرائض زید بن ثابت ولکل امة امین و امین هذه الامة ابو عبیدة بن الجراح۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا میری امت میں سب سے زیادہ رحم والے ابوبکر اور خدا کے دین میں سب سے زیادہ سخت عمر اور بلحاظ شرم سب سے زیادہ سچے عثمان اور حلال وحرام کے سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل اور سب سے زیادہ کتاب خدا کی قرأۃ کرنے والے ابی

(بقیہ حاشیہ صـ۱۸۸) ہے۔ صحاح ستہ میں جامع ترمذی بھی ہے اس کی روایت دیکھو عن ابن عباس قال کان النبیؐ یفتتح صلوته ببسم الله (سنن ترمذی جلد۱ صـ۳۳) اور علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے عن معویة انه قدم المدینة فصلی بهم ولم یقرء بسم الله ولم یکبر اذا خفض واذا رفع فناداه المهاجرون والانصار حین سلم یا معویة اسرقت صلاتک این بسم الله الرحمن الرحیم واین التکبیر۔ فلما صلی بعد ذلک قرء بسم الله الرحمن الرحیم لام القرآن وللسورة التی بعدها۔ معویہ نے ایک دفعہ مدینہ میں آکر صحابہ کرام اور دوسرے مسلمانوں کو نماز جماعت پڑھائی لیکن نہ بسم اللہ کہی اور نہ تکبیر کہی۔ جب سلام پھیر چکے تو مہاجرین وانصار پکارنے لگے اے معویہ! کیا تم نے اپنی نماز میں ڈاکا ڈال دیا؟ بسم اللہ الرحمن الرحیم کیا ہوا؟ تکبیریں کہاں گئیں؟ اس کے بعد معویہ نے پھر نماز پڑھی تو ہر سورہ کے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی کہا اور تکبیر بھی کہی (در منثور جلد۱ صـ۸) قال اتانی جبرئیل فعلمنی الصلاة فقرء بسم الله الرحمن الرحیم فجهر بها۔ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور مجھے نماز کی تعلیم کی تو پہلے زور سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا۔ کان رسول اللهؐ یجهر ببسم الله الرحمن الرحیم فی السورتین جمیعا۔ نماز میں حضرت رسولخدا صلعم ہر سورۃ کے قبل بسم اللہ الرحمن الرحیم زور سے پڑھا کرتے تھے (کنز العمال جلد۴ صـ۹۶ و ۲۰۹) اور مسلمانوں کو بھی اسی کا حکم دیا اذا قمت فی الصلوة فقل بسم الله الرحمن الرحیم

اور سب سے زیادہ علم فرائض کے ماہر زید بن ثابت ہیں۔ اور ہر امۃ میں ایک امین ہوتا ہے اور اس امۃ کے امین ابو عبیدہ بن جراح ہیں (مسند احمد جلد ۳ ص ۱۸۴)۔
غرض جس قدر فضیلتیں ہیں سب کے حامل ایک ایک بزرگ بنا دیئے گئے۔ مگر حضرت علیؑ جناب عبد اللہ بن عباس۔ جناب ابو ذر۔ جناب سلمان۔ جناب مقداد کسی فضیلت کے مستحق نہیں سمجھے گئے۔ پھر ان حضرات کا نام آتا تو کیونکر؟ حدیث انا مدینۃ العلم وعلی بابہا اپنی جگہ ہوا کرے۔ انا دار الحکمۃ وعلی بابہا کو لوگ کہتے اور سنتے رہیں مگر جناب انس کو ان باتوں کی کوئی پروا نہیں اور وہ اطمینان سے اپنی پہلی حدیث زندگی بھر مختلف لوگوں سے بیان کرتے رہے۔ آپ کو حضرت رسولخدا صلعم سے یہ پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں محسوس ہوئی کہ حضرت علیؑ میں بھی کوئی خصوصیت ہے یا نہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (۱۱) قال کان رسول اللہ فی دارنا فحلب لہ داجن فشابوا لبنہا بماء الدار ثم ناولوہ النبیؐ فشرب وابو بکر عن یسارہ واعرابی عن یمینہ۔ فقال لہ عمر یا رسول اللہ اعط ابا بکر عندک وخشی ان یعطیہ الاعرابی قال فاعطاہ الاعرابی۔ ثم قال الایمن فالایمن۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم ہمارے گھر میں تشریف لائے تو آپکی ضیافت کے لئے بکری دوہی گئی۔ پھر لوگوں نے اس میں گھر کا پانی ملا دیا۔ اس کے بعد حضرت رسولخدا صلعم کو دیا تو حضرتؐ نے اس میں سے پیا۔ اوس وقت حضرتؐ کے بائیں طرف حضرت ابو بکر اور حضرت کے داہنی طرف ایک دیہاتی عرب بیٹھا تھا تو حضرت عمر نے آنحضرتؐ سے کہا اے رسولخداؐ اب یہ دودھ آپ ابو بکر کو دیدیں جو آپکی بغل ہی میں ہیں۔ ان کو یہ ڈر ہوا کہیں حضرتؐ یہ دودھ اس دیہاتی کو نہ دیدیں۔ مگر حضرتؐ نے واقعاً اس دیہاتی کو وہ دودھ دے دیا اور فرمایا جو داہنی طرف ہوتا ہے اوس کا حق زیادہ ہے (مسند احمد جلد ۳ ص ۱۹۷)۔ روایت اس لئے ہوئی کہ ثابت ہو حضرت ابو بکر و عمر ہر وقت ہر حالت میں آنحضرت صلعم کے ساتھ رہتے اور کوئی تیسرا شخص آنحضرتؐ کا ایسا جان نثار نہیں تھا جیسے یہ دونوں صاحبان تھے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۹) جب تم نماز پڑھنے کو کھڑے ہو تو ہر سورہ کے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ لیا کرو (کنز العمال جلد ۴ ص ۹۶) ۱۲ منہ

مگر اس سے حضرت ابوبکر و عمر کی جو توہین ہوتی ہے اس طرف ذہن نہیں گیا کہ حضرتؐ نے خود تو حضرت ابوبکر کو وہ دودھ دیا ہی نہیں حضرت عمر کے کہنے پر بھی نہیں دیا۔ حالانکہ بار بار بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر کی رائے کو حضرت رسولخداصلعم کا کیا ذکر ہے خدا بھی ٹالتا نہیں تھا بلکہ آپ جو کہتے خدا اور رسولؐ وہی کرتے تھے۔ افسوس اس روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ حضرت عمر اس موقع پر کس طرف تھے۔ حضرت ابوبکر کی بغل میں یا اوس اعرابی کے متصل۔ مگر دوسری روایت (مسند جلد ۳ صـ۲۳۱) میں تصریح ہے کہ ومن وراءالرجل عمر بن الخطاب۔ اس دیہاتی کے پیچھے حضرت عمر بن الخطاب تھے۔ ممکن ہے آپکا مطلب یہ رہا ہو کہ اگر آنحضرتؐ وہ دودھ حضرت ابوبکر کو دینگے تو وہ اوس سے پیکر کچھ مجھے دینگے اور میں اس سے پیکر کچھ اس دیہاتی کو دے دوں گا۔ اس طرح سب کو حصہ مل جائیگا۔ برخلاف اس کے اگر آنحضرتؐ اس اعرابی کو دیں گے تو وہ تہذیب و ادب سے کورا ہی آنکھ بند کر کے سب خود ہی پی جائیگا اور حضرت ابوبکر کے ساتھ میں بھی محروم رہ جاؤنگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس اعرابی نے کسی کا لحاظ نہیں کیا۔ نہ حضرت ابوبکر کو پوچھا نہ حضرت عمر کو۔ کل اپنا حصہ سمجھ کر ختم کر دیا۔ (۱۲) قال کانت صلاۃ رسول اللہ ﷺ متقاربۃ

؎ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں "آنحضرتؐ کی نماز میں رکوع اور رکوع کے بعد قومہ اور سجدہ اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ یہ سب برابر سرابر ہوتے۔ افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ میں لوگوں نے خصوصاً حنفیوں اور شافعیوں نے اس سنت پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ کیا کرتے ہیں رکوع کے بعد قومہ اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ بہت خفیف کرتے ہیں۔ بعضے چور نمازی تو رکوع کر کے برابر سیدھے کھڑے بھی نہیں ہوتے اور مقتدیوں کو ربنا لک الحمد کثیرا طیبا مبارکا فیہ کے کہنے کی بھی مہلت نہیں دیتے کہ سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ وہ دونوں سجدوں کے درمیان سیدھے بیٹھتے بھی نہیں کہ دوسرے سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ نماز کیا پڑھتے ہیں مرغ کی طرح ٹھونگیں لگاتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ" (انوار اللغۃ پ۲۱ صـ۵)۔ اس زمانہ کے نمازیوں کو مولوی صاحب موصوف نماز کے چور بنا رہے ہیں مگر صحیح بخاری سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد ہی لوگ نماز کے چور ہو گئے تھے۔ ایسے کہ نماز کی صورت ہی بالکل بدل دی تھی

وصلاۃ ابی بکر حتے بسط عمر فی صلاۃ الغداۃ - حضرت رسولخدا صلعم کی نماز برابر برابر ہوتی - حضرت ابوبکر کی بھی - یہاں تک کہ حضرت عمر نے صبح کی نماز میں پھیلاؤ کر دیا (مسند احمد جلد ۳ ص۲۰۵) - ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ حضرت عمر نے نماز کی شان بڑھا دی اور حضرت رسولخداؐ و حضرت ابوبکر سے زیادہ اسکی طرف توجہ کی - دونوں بزرگوں سے زیادہ اس کو رونق دے دی (۱۳) ان رجلا قال یا رسول اللہ متے الساعۃ - قال وماذا اعددت لھا - قال لا الا انی احب اللہ ورسولہ قال فانک مع من احببت - قال انس فما فرحنا بشئ بعد الاسلام فرحنا بقول النبیؐ انک مع من احببت - قال فانا

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۱) اسکی عبرتناک روایت ملاحظہ ہو عن مطرف قال صلیت انا و عمران بن الحصین صلوۃ خلف علی ابن ابی طالب فکان اذا سجد کبر واذا رفع کبر واذا نھض من الرکعتین کبر - فلما سلم اخذ عمران بیدی فقال لقد صلی بنا ھذا صلاۃ محمدؐ او قال لقد ذکرنی ھذا صلوۃ محمدؐ - مطرف بیان کرتے تھے کہ میں نے اور عمران بن حصین نے حضرت علیؑ کے پیچھے نماز پڑھی تو حضرتؑ جب سجدہ کرتے تکبیر کہتے - جب سجدہ سے سر اوٹھاتے تکبیر کہتے اور جب دونوں رکعتوں سے اوٹھتے تکبیر کہتے - جب حضرت سلام پھیر چکے تو عمران نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا حضرت علیؑ نے تو ہم لوگوں کو حضرت رسولخداؐ کی نماز پڑھا دی - یا کہا حضرت علیؑ نے مجھ کو حضرت رسولخدا صلعم کی نماز یاد دلا دی (صحیح بخاری پ۳ ص۱۰۶ کتاب الصلوۃ باب یکبر) - اور فرقہ اہلحدیث کے بڑے امام مولوی حکیم ابو یحیٰے محمد صاحب شاہجہانپوری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں -

"عمران بن حصین نے جب بصرہ میں حضرت علیؑ کے پیچھے نماز پڑھی جنھوں نے ان تکبیرات کو ادا کیا تو کہنے لگے ہم کو اونھوں نے وہ نماز یاد دلادی جو ہم رسول اللہؐ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے - حضرت ابو موسے نے بھی حضرت علیؑ کے پیچھے نماز پڑھکر ایسا ہی کہا اور یہ بھی کہا ہم لوگ اوس کو بھول گئے یا قصداً چھوڑ دیا" (کتاب الارشاد مطبوعہ دہلی ص۱۵۷) اس سے واضح ہوا کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہی نماز کی صورت بدل دی گئی اور پھر حضرت علیؑ ہی نے آنحضرتؐ کی طرح نماز پڑھی جس پر لوگوں کو وہ نماز یاد آگئی - پھر اس زمانہ کے تغیرات کی شکایت بیجا ہے ۱۲ منہ

احب رسول اللهؐ وابابکر وعمر وانا ارجوان اکون معہم لحبی ایاھم وان کنت لا اعمل اعمالہم

ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے عرض کی اے رسولخدا قیامت کب آئیگی؟ حضرتؐ نے پوچھا تم نے اس کے لیئے کیا سامان کر رکھا ہے؟ اوس نے عرض کی یا حضرتؐ کچھ نہیں۔ سوائے اس کے کہ میں اللہ اور اوسکے رسولؐ کو دوست رکھتا ہوں۔ حضرتؐ نے فرمایا پھر تم (قیامت میں بھی) اوسی کے ساتھ رہوگے جس کو دنیا میں دوست رکھتے ہو۔ جناب انس کہتے تھے کہ مجھے اسلام لانے کے بعد اس سے زیادہ اور کسی چیز سے خوشی نہیں ہوئی کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ تم اوسی کے ساتھ رہوگے جس کو دوست رکھتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ میں تو حضرت رسولخدا صلعم کو بھی دوست رکھتا ہوں اور حضرت ابوبکر وعمر کو بھی۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ان حضرات کے ساتھ ہی رہوں گا اس لیئے کہ میں ان لوگوں کو دوست رکھتا ہوں اگرچہ ان کے ایسے اعمال نہیں بجالاتا (مسند جلد ۳ صفحہ ۲۲۷)۔ جناب انس کی یہ جرأت قابل ملاحظہ ہے کہ اوس شخص نے تو صرف خدا اور رسولؐ کے دوست رکھنے کا ذکر کیا لیکن آپنے خدا اور رسولؐ کی دوستی کافی نہیں سمجھی بلکہ ان کے ساتھ حضرت اول ودوم کی دوستی کا اضافہ بھی کردیا اور اس طرح اپنے ان قلبی تعلقات کو ظاہر کردیا جو ان حضرات سے تھے۔ ایسے شخص کی روایات کا جو وزن ہو سکتا ہے وہ محتاج توضیح نہیں۔ جب انکی نظر میں حضرت رسولخدا صلعم کی محبت بھی کافی نہیں تھی اور صرف حضرتؐ کے ساتھ رہنا پسند نہیں کیا تو دوسرے لوگوں کے بارے میں آپ کیا کچھ جذبات نہ رکھتے ہوں گے۔ اس روایت میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس شخص نے جب کہا کہ میں خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہوں تو آنحضرت صلعم نے فرمادیا کہ تو میرے ساتھ قیامت میں رہیگا لیکن جب جناب انس نے کہا کہ میں آپ کو اور حضرت ابوبکر وعمر کو بھی دوست رکھتا ہوں تو آنحضرتؐ نے ان کو کسی بات کا امیدوار نہیں کیا۔ اگر حضرت ابوبکر وعمر کے دوست رکھنے سے بھی کوئی شخص قیامت میں آنحضرت صلعم کے ساتھ جگہ پاتا تو آنحضرت صلعم اس موقع پر خاموش کیوں ہوجاتے؟ (۱۴) قال استشار رسول اللهؐ الناس فی الاسارے یوم بدر فقال ان الله عزوجل قد امکنکم منہم۔ قال فقام عمر بن الخطاب فقال یارسول الله اضرب اعناقہم قال فاعرض عنہ النبیؐ۔ قال ثم عاد رسول اللهؐ فقال یاایھاالناس ان الله قد امکنکم منہم وانما ھم اخوانکم بالامس قال فقام عمر فقال یارسول الله اضرب اعناقہم۔ فاعرض عنہ النبیؐ۔ قال ثم عاد النبیؐ فقال للناس مثل ذلک فقام ابوبکر فقال یارسول اللهؐ ان ترے ان تعفو عنہم وتقبل منہم الفداء۔ قال نعفا عنہم وقبل منہم الفداء۔ قال وانزل الله عزوجل لولا کتاب من الله سبق لمسکم

فی ما اخذ تم الی آخر الآیۃ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ اللہ نے تم لوگوں کو ان کافروں پر غلبہ دیکر انھیں تمہارے قبضہ میں کر دیا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے۔ ان کے بارے میں کیا کیا جائے اس پر حضرت عمر کھڑے ہو گئے اور کہا اے رسولخدا ان سب کی گردن اڑا دی جائے۔ اس پر حضرت رسولخدا صلعم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ دوبارہ حضرتؐ نے وہی سوال کیا اور فرمایا لوگو خدا نے ان سب کو تمہارے اختیار میں دے دیا ہے اب ان کے متعلق کیا مشورہ دیتے ہو۔ یہ وہی ہیں جو کل تک تمہارے بھائی تھے۔ اس پر پھر حضرت عمر کھڑے ہو گئے اور بولے اے رسولخدا ان سب کو قتل کرا دیجئے۔ یہ سُن کر پھر حضرت رسولخدا صلعم نے ان کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ اور تیسری بار پھر صحابہ کو خطاب کر کے ان کی رائے دریافت کی۔ تو اب حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے اور کہا اے رسولخدا اگر آپکی رائے ہو تو ان سب کو معاف کر دیجئے اور ان سے فدیہ لے کر انھیں رہا کر دیجئے۔ انس بیان کرتے تھے کہ اس پر حضرتؐ کے چہرے سے رنج و ملال کے وہ آثار زائل ہو گئے جو اس کے پہلے نظر آتے تھے اور حضرتؐ نے ان لوگوں کو معاف کر دیا اور ان سے فدیہ قبول کر لیا۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ آنحضرتؐ کے اس فعل پر خدائے عزوجل نے قرآن مجید میں یہ آیۃ نازل کی لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذ تم عذاب عظیم۔ اگر اللہ تعالے آگے سے ایک بات نہ لکھ چکا ہوتا تو تم نے جو مال قیدیوں سے لیا اس قصور میں تم پر بڑا عذاب[1] اترتا۔ (پ ۱۰۔ ع ۵) (مسند احمد جلد ۳ ص ۲۴۳)۔ اس روایت کا مقصود یہ ہے کہ واضح ہو دینی امور

---

[1] اس آیۃ کی تفسیر میں جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے "اس آیۃ میں اللہ جل شانہ نے اپنے پیغمبر پر عتاب فرمایا کہ ان سے ایک ایسی بات سرزد ہوئی جو بہتر نہ تھی۔ ہوا یہ کہ جب جنگ بدر کے کافر قیدی آنحضرت صلعم کے پاس لائے گئے تو آپ نے اپنے صحابہؓ سے ان کے باب میں مشورہ لیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ان کی گردن ماریئے۔ آپ نے منہ پھیر لیا۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کا قصور معاف کر دیجئے اور کچھ فدیہ لیکر ان کو چھوڑ دیجئے۔ آپ کو بھی رائے پسند آئی اور فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا۔ اُس کے بعد یہ آیۃ اُتری۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا بعضے آدمیوں کا دل دودھ سے بھی زیادہ نرم کرتا ہے اور بعضوں کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت کرتا ہے۔ اے ابوبکر تیری مثال ابراہیمؑ

س حضرت ابوبکر سے تو حضرت عمر کا درجہ بڑھا ہوا تھا ہی جس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش
ہیں ہے۔ خود حضرت سید المرسلین جناب رسولخدا صلعم سے بھی آپ کا مرتبہ بڑھا ہوا تھا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۴) کی ہے جنھوں نے یوں دعا کی مالک جو میرا کہا مانے وہ میرا ہے۔
اور جو میرا کہا نہ مانے تو تو بخشنے والا ہے اور تیری مثال عیسٰی کی ہے جنھوں نے یوں عرض
کیا اگر تو ان کو عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو زبردست
ہے۔ حکمت والا۔ اور اے عمر تیری مثال نوحؑ کی ہے جنھوں نے یوں دعا کی مالک میرے!
ساری زمین پر ایک بسنے والا کافر بھی نہ چھوڑ اور موسٰیؑ کی ہے جنھوں نے یوں دعا کی مالک
ہمارے! ان کے مالوں کو تباہ کردے اور ان کے دلوں پر سختی کر۔ وہ جب تک دکھ کا عذاب
نہ دیکھیں ایمان نہ لائیں۔ تیسری روایت میں ہے کہ اس آیت کے اُترنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ بیٹھکر رونے لگے۔ حضرت عمرؓ آئے اُنھوں نے رونے کا
سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ کا عذاب اس درخت سے بھی نزدیک آگیا تھا۔
اور اگر عذاب اُترتا تو کوئی نہ بچتا سوا عمرؓ اور سعد بن معاذ کے جنھوں نے قیدیوں کو مار ڈالنے
کی رائے دی تھی۔ چوتھی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے یہ بھی عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ قیدی
کفر کے سردار ہیں اور اِنھوں نے اللہ اور اوس کے رسولؐ کو ایذا دی۔ آپ حکم دیجئے کہ ان میں
سے ہر ایک کو اس کا مسلمان رشتہ دار مار ڈالے۔ آپ عباس کو مار دیئے اور میں فلاں اپنے
عزیز کو مارتا ہوں تاکہ کافروں کو معلوم ہوجائے کہ ہم کو خدا کی محبت سب سے زیادہ ہے۔
اللہ اللہ۔ حضرت عمر کی پاک نفسی اور عدالت خداوند کریم کو انہی کی رائے پسند آئی۔ اب بعضے
بے وقوف مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قیدیوں کا قتل کرنا آئین عدالت سے بعید ہے۔
ان کا جواب یہ ہے کہ یہ ان قیدیوں کے بارے میں ہے جو دنیاوی جنگوں میں ملک نہ دولت کے
لئے کی جاتی ہیں گرفتار ہوں وہاں پر قیدیوں پر مارنا ستم ہے۔ کس لئے کہ ہر ایک کو یہ حق
ہے کہ اپنا ملک اور مال بچائے اور اپنی آزادی کے لئے لڑے۔ لیکن یہ جنگ دنیاوی جنگ
نہ تھی۔ یہ تو شرک اور کفر توڑنے کے لئے خالص خدا کے حکم سے جنگ کی جاتی تھی۔ اس میں
خدا کی یہی مصلحت ہے کہ جب تک شرک اور کفر کا زور نہ ٹوٹ لے اوس وقت تک قیدیوں کی
بھی رہائی نہ ہو۔ ورنہ احتمال ہے کہ پھر شرک اور کفر کا زور قائم ہوجائے اور اصل مقصود

حضرتؐ تو اُن کو قتل کرنا نہیں چاہتے تھے مگر حضرت عمر نے بار بار قتل ہی کی رائے دی۔ اور جب رسولؐ نے انکی مخالفت کی تو خدا آنحضرتؐ پر غضب ناک ہوگیا کہ کیوں نہ حضرت عمر کی رائے پر عمل کیا۔ اس کے متعلق مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے "اس معرکے (غزوۂ بدر) میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے اون کی تعداد کم و بیش ۷۰ تھی اور ان میں اکثر قریش کے بڑے بڑے سردار تھے مثلاً حضرت عباس۔ عقیل (حضرت علیؑ کے بھائی)۔ ابو العاص بن الربیع۔ ولید بن الولید۔ ان سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سماں تھا جس نے مسلمانوں کے دل پر بھی اثر کیا یہاں تک کہ رسول اللہ کی زوجہ مبارکہ سودہ کی نظر جب اُن پر پڑی تو بے اختیار بول اوٹھیں کہ اعطیتم بایدیکم هلّا متم کراماً تم مطیع ہو کر آئے ہو۔ شریفوں کی طرح لڑ کر مر نہیں گئے؟ اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہؐ نے تمام صحابہ سے رائے لی۔ اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں اس لئے ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمر نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملہ میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں۔ ان سب کو قتل کر دینا چاہئے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو قتل کر دے۔ علیؑ عقیل کی گردن ماریں۔ حمزہ عباس کا سر اڑا دیں اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اوس کا کام میں تمام کردوں۔ آنحضرتؐ نے شان رحمت کے اقتضاء سے حضرت ابو بکر کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ما کان لنبی ان یکون له اسریٰ حتی یثخن فی الارض الخ کسی پیغمبر کے لئے زیبا نہیں کہ اُس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ خوب[۱] خوں ریزی نہ کرے" (الفاروق ص۲۲)

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۵) فوت ہوا اور یہ بعینہ ایسا ہے جیسے یہ دنیا کے بادشاہ باغیوں کو ضرور پھانسی دیتے ہیں ان کو فدیہ لے کر کیوں نہیں چھوڑتے۔ مشرک اور کافر بھی اللہ تعالےٰ کے باغی ہیں" (تفسیر وحیدی ص۲۴۲)

[۱] یہ آیۃ بھی پارہ ۱۰ رکوع ۵ کی ہے۔ دونوں کا مطلب مفسرین اہلسنت کے اعتقاد کے مطابق یہی ہے کہ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت رسولخدا صلعم نے شدید غلطی کی جس پر خدا غضب ناک ہوا اور حضرت عمر نے بہترین رائے دی تھی جس کو خدا نے ہر طرح پسند کیا اور اسکی تائید کی ۱۲ منہ

(۱۵) عن انس بن مالک ان النبیؐ اتی برجل قد شرب الخمر فجلدہ بجریدتین نحو اربعین و فعلہ ابو بکر ۔ فلما کان عمر استشار الناس فقال عبد الرحمن بن عوف اخف الحدود ثمانون فامر بہ عمرؓ ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس ایک شرابی لایا گیا تو حضرتؐ نے اس کو چالیس کوڑے مارنے کی سزا دی ۔ حضرت ابو بکر نے بھی یہی تعداد رکھی مگر جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو لوگوں سے مشورہ کیا ۔ اس پر عبد الرحمن بن عوف نے کہا کہ سب سے ہلکی سزا اسّی کوڑوں کی ہے تو حضرت عمر نے بھی اسی کا حکم جاری کر دیا (مسند جلد ۳ صفحہ ۲۷۳) جناب مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ "شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ درے مارے جاتے تھے انھوں (حضرت عمر) نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیئے" (الفاروق حصہ ۲ صفحہ ۲۱۴) ۔ مقصود یہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کا ہر فعل قابل اصلاح اور ہر حکم لائق ترمیم تھا بلکہ خدا ہی کے اصول و قواعد محتاج تصحیح تھے اس لئے کہ یہ بھی مذہبی امر تھا جس کے بارے میں مولوی شبلی صاحب بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ "نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۲۰۱) ۔ اور خدا کے جس حکم یا قانون کو حضرت عمر چاہتے بدل دیتے مسلمان تو اسے قبول کر لیتے ہی ۔ خدا اور رسولؐ بھی اپنی غلطی مان کر اس اصلاح کو اختیار کر لیتے تھے ۔ غرض اسی طرح آپ کی روایتوں میں حضرت عمر کے فضائل بھرے ہوئے ہیں۔

جناب انس کی حالت

اب جناب انس کی کچھ حالت بھی دیکھو تاکہ معلوم ہو آپ حضرت ابو بکر و عمر سے کیوں اس درجہ خوش تھے ۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے ان ابا بکر لما استخلف بعث الی انس لیوجھہ الی البحرین علی السعایۃ ۔ فدخل علیہ عمر فاستشارہ ۔ فقال ابعثہ فانہ لبیب کاتب ۔ قال فبعثہ ۔ جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو آپ نے جناب انس کو بلا بھیجا تاکہ ان کو سعایۃ کے عہدہ پر مقرر کر کے ملک بحرین کی طرف بھیجیں اسی وقت ان کے پاس حضرت عمر بھی پہونچ گئے تو آپ نے ان سے بھی اس امر میں مشورہ کیا ۔ انھوں نے کہا ہاں ان کو ضرور بھیجئے کیونکہ وہ سمجھدار کاتب ہیں ۔ اسکے بعد حضرت ابو بکر نے ان کو وہاں روانہ کر دیا (اصابہ جلد ۱ صفحہ ۸۳) ۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت ابو بکر و عمر نے آپ کے ساتھ اس قدر مہربانی کا برتاؤ کیا تو حضرت انس ان حضرات کے مداح کیوں نہیں ہوتے اور ان لوگوں کی عنایت کا عوض کیوں نہ ادا کرتے ۔ اتنے بڑے عہدے کی سرفرازی معمولی چیز نہیں تھی ۔ اس کے مقابلہ میں

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ آپ کا جو برتاؤ تھا وہ مشہور حدیث طیر سے واضح ہے چنانچہ محدثین اہلسنت نے لکھا ہے عن انس قال کنت مع رسول اللہؐ فی بستان فاھدی لنا طائر مشوی فقال اللھم ائتنی باحب الخلق الیک فجاء علی ابن ابی طالب۔ فقلت رسول اللہؐ مشغول فرجع۔ ثم جاء بعد ساعۃ ودق الباب فرددتہ مثل ذلک ثم قال رسول اللہؐ یا انس افتح لہ فقال ما رددتہ۔ فقلت یا رسول اللہ کنت اطمع ان یکون رجلا من الانصار فدخل علی ابن ابی طالب فاکل معہ من الطیر فقال رسول اللہؐ المرء یحب قومہ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ میں ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ ایک باغ میں تھا۔ وہاں حضرتؐ کے لئے ایک بھنا ہوا طائر بطور ہدیہ لایا گیا تو حضرتؐ نے خدا سے دعا کی کہ اے اللہ تمام مخلوق میں جو شخص تجھ کو سب سے زیادہ پیارا ہو اوسے اِس وقت میرے پاس بھیجدے کہ وہ میرے ساتھ اس طائر کو کھائے۔ اس دعا پر فوراً حضرت علی ابن ابی طالبؑ وہاں پہونچ گئے۔ تو میں (انس) نے آپ سے کہا کہ حضرت رسولخدا صلعم کو اس وقت آپ سے ملنے کی فرصت نہیں ہے۔ یہ سُن کر حضرت علیؑ واپس چلے گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت ہی آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا اور پہلے کی طرح اب بھی میں نے آپکو واپس کردیا۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اے انس علیؑ آتے ہیں ان کے لئے دروازہ کھولدو تم وہ ہیں انکو واپس کر رہے ہو۔ اب میں نے عرض کی اے رسولخدا میں یہ چاہتا تھا کہ انصار سے کوئی شخص آجاتا (اور حضور کے ساتھ اس کو کھاتا) غرض حضرت علیؑ ابن ابی طالب حضرتؐ کے پاس آئے اور حضرتؐ کے ساتھ اس گوشت کو کھایا۔ اس کے بعد حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا آدمی کا دستور ہے کہ اپنی ہی قوم کو دوست رکھتا ہے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ)

واضح ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم صرف ایک چڑیئے کا گوشت تناول فرمانا چاہتے تھے اور اسکے لئے محض یہ دعا کی کہ خدا کو جو شخص سب سے زیادہ محبوب ہو اوسے آپ کے پاس بھیجدے۔ اس کے علاوہ نہ کوئی حکومت تقسیم ہوتی تھی نہ کوئی عہدہ بٹتا تھا۔ نہ کوئی سرداری دی جاتی تھی۔ نہ کوئی دولت بخشی جارہی تھی۔ لیکن حضرت علیؑ کا بار بار آنا بھی جناب انس کو ناگوار ہوا اور اونھوں نے دو مرتبہ حیلہ کر کے حضرتؑ کو واپس کردیا۔ صرف اس خیال سے کہ اگر آپ نے اس گوشت کو آنحضرتؐ کے ساتھ کھالیا تو آپ ہی کے بارے میں یقین ہوجائے گا کہ خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ آپ کی ایسی عظیم الشان فضیلت ہوجائیگی جس کا مقابلہ کسی دوسرے شخص کی کوئی فضیلت

نہیں کرسکتی۔ اب آسانی سے اس امر کا فیصلہ ہوجا سکتا ہے کہ آپ سے حضرت ابوبکر و عمر کے فضائل میں ایسی حدیثیں کیوں مروی ہیں جو عموماً دوسرے اصحاب سے نہیں ملتیں۔ اور ممکن ہے اسی وجہ سے بحرین کے لئے حضرت ابوبکر نے بھی آپ کا انتخاب کیا ہو اور حضرت عمر نے بھی اسی سبب سے انکی تائید کر کے ان کو بحرین کی طرف روانہ کرادیا ہو۔ یہ امر کس درجہ عبرت ناک ہے کہ جناب انس حضرت رسولخدا صلعم کے خاص خادم تھے۔ اور آنحضرتؐ کی حدیثیں بھی بکثرت روایت کیں۔ بہت زیادہ عمر بھی پائی کہ غالباً ۱۰۰ سال کے ہوکر دنیا سے تشریف لے گئے بلکہ ۱۰۷ سال کی عمر بھی بیان کی گئی ہے (اصابہ جلد ۱ ص۳۷) مگر حضرت علیؑ کے متعلق آپ کی روایت شاذونادر ہی مل سکے۔ مسند احمد بن حنبل میں جو احادیث کا بڑا ذخیرہ ہے صفحہ ۹۸ سے ۲۹۲ تک آپکی روایتیں بھری ہوئی ہیں اور تقریباً ہر صفحہ میں حضرت ابوبکر و عمر کا ذکر موجود ہے۔ لیکن حضرت علیؑ کی فضیلت میں شاید ہی کچھ حدیثیں ملیں۔ جس کی وجہ اس کے سوائے تو کوئی بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت رسولخدا صلعم کی آنکھ بند ہوتے ہی حضرت ابوبکر و عمر کی توجہ آپ کی طرف ہوگئی۔ بحرین کے ایک عہدہ پر آپ سرفراز کردیئے گئے۔ اس کے بعد خلفائے ثلثہ کا زمانہ رہا۔ پھر خلفائے بنی امیہ کا دور آپ کو ملا۔ اس کے معتدبہ حصہ میں بھی آپ کا وجود رہا چنانچہ ۴۱ھ ہجری میں بنی امیہ کی سلطنت شروع ہوئی جو ۱۳۲ھ ہجری تک رہی اور جناب انس ۹۳ھ ہجری تک زندہ رہے اس مدت میں اسلامی دنیا کا ذرہ ذرہ تو حضرت اول و دوم کا فدائی اور حضرات اہلبیتؑ سے علیحدہ تھا۔ پھر آپ سے کوئی حدیث مروی کیونکر ہوتی۔ ہاں جو حضرات ان اسلامی حکومتوں کے درباروں میں نہیں پہونچے۔ جن کو خلفاء کے عہد میں کوئی عہدہ نہیں ملا۔ جنھوں نے دین پر دنیا کو ترجیح نہیں دی۔ جنھوں نے جنت کو متاع دنیا کے عوض نہیں بیچا۔ جنھوں نے خدا اور رسولؐ کی خوشی کے لئے دنیا کی لذات کی پروا نہیں کی۔ جن لوگوں نے آخرت کے مقابلہ میں یہاں کے عیش کو پسند نہیں کیا۔ جنھوں نے حق کے مقابلہ میں کسی ذاتی مفاد یا عناد کی وجہ سے باطل کو ترجیح نہیں دی۔ جو تلوار کے رعب سے متاثر نہیں ہوئے۔ جو جبر و سطوت کا شکار نہیں ہوئے۔ جنھوں نے گمراہی کے نتائج سے اپنے کو محفوظ رکھا انھیں لوگوں کی روایتوں سے حضرات اہلبیتؑ طاہرین کے فضائل میں حدیثیں ملتی ہیں اور اس حد تک ملتی ہیں کہ اُن کا آج تک کتابوں میں ذکر موجود ہے اور کسی دنیوی طاقت کو ان کی اشاعت کے روکنے میں کامیابی نہیں ہوئی بلکہ جتنا زیادہ ان حضراتؑ کے فضائل کو چھپانے کی کوشش کیگئی

اتنا ہی زیادہ وہ حدیثیں پھیلیں اور ان حضرات کا درجہ روز بروز بڑھتا گیا مگر ابتدائی عہد اسلام میں عوام کا کیا ذکر ہے خواص تک حق بات زبان پر جاری نہیں کر سکتے تھے۔ ایک عبارت قابل دید ہے جس سے اوس زمانہ کے آثار واضح ہو جاتے ہیں۔ فی تھذیب الکمال للمزی وحاشیۃ تذھیب تھذیب الکمال لصفی الدین الخزرجی قال قال یونس بن عبید سالت الحسن وقلت یا ابا سعید انک تقول قال رسول اللہ صلعم وانک لم تدرکہ۔ قال یا ابن اخی لقد سالتنی عن شیٔ ما سألنی عنہ احد قبلک ولولا منزلتک منی ما اخبرتک۔ انی فی زمان کما تری کل شیٔ سمعتنی اقول قال رسول اللہ صلعم فھو عن علی ابن ابی طالب غیرانی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا۔ تہذیب الکمال مزی اور حاشیہ تذہیب صفی الدین خزرجی میں یونس بن عبید سے منقول ہے میں نے امام حسن بصری سے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے کہ تم حضرت رسولخدا صلعم سے حضرت کی حدیثیں بلا واسطہ روایت کرتے ہو حالانکہ تم حضرتؐ کے زمانہ میں نہیں تھے نہ حضرتؐ سے ملے تھے۔ انھوں نے جواب دیا اے فرزند برادر اس وقت تم نے مجھ سے ایسی بات دریافت کی جو اس سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھی تھی اور اگر تمہاری خاطر مجھے منظور نہ ہوتی تو میں تم کو بھی اس راز سے آگاہ نہیں کرتا سنو میں جس قدر حدیثیں بیان کرتا ہوں اور ان کے بارے میں کہتا ہوں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا وہ سب حضرت علی بن ابی طالب کی مرویات سے ہیں مگر میں کیا کروں اور کیونکر حضرتؑ کا نام لوں اس لئے کہ میں ایسے زمانہ میں ہوں جس میں حضرت کا نام زبان سے نہیں نکال سکتا (تہذیب الکمال ص۔)

اسلام کی پہلی اور دوسری صدی میں تو باطل کا اتنا غلبہ ہو گیا تھا کہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین یا علماء و محدثین کا کیا ذکر ہے خود بعض انصاف پسند بادشاہ زمانہ اور خلفاء اہلسنت نے بھی مختصر الفاظ میں حق کو ظاہر کرنا چاہا تو ان کو پوری سزا مل گئی۔ مثلاً یزید کے بیٹے معویہ نے اپنے خاندان کی خطاؤں اور برائیوں کو نفرت سے دیکھا اور حضرت علیؑ و اولاد علیؑ کو مستحق خلافت جانا تو بنی امیہ نے اس کو زہر سے قتل کر دیا۔ اس وقت اسکی عمر ۲۱ سال ۸ ایوم کی تھی اور صرف ۴۰ دن بادشاہت کرنے پایا تھا۔ اسی طرح خاندان بنی امیہ کے ایک اور مشہور اور قابل قدر خلیفہ عمر بن عبد العزیز کا انجام ہوا جس کو بعض اہلسنت نے خلفاء اربعہ کے بعد پانچواں خلیفہ راشد کہا ہے جو عدل و انصاف و حق پسندی میں مشہور ہے۔ مورخین نے اس کے زہد۔ اتقاء، صدق اعتدال۔ سادہ مزاجی۔ ہمدردی وغیرہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ اس نے بھی حضرت علیؑ و اہلبیتؑ

کو پہچانا۔ ان حضرات کے فضائل سے واقفیت حاصل کی۔ اور ان کی دوستی کا شرف حاصل کیا۔ تو باوجود بادشاہ وقت اور دنیائے اسلام کے یکہ وتنہا مالک ہوتے کے اپنے اس جرم کی پوری سزا پالی۔ بنی امیہ اوس کے جانی دشمن ہو گئے۔ یزید بن عبدالملک نے خلیفہ کے ایک غلام کو رشوت دے کر کھانے میں زہر دلوادیا۔ یہ نیک نہاد بادشاہ ۳۹ سال کی عمر میں حمص کے علاقہ میں بمقام دیرسمعان رحلت کر گیا اور وہیں دفن ہوا۔ صرف ۲ سال [illegible] ماہ سلطنت کرنے پایا۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے قیل لعمر فی مرضه الا تتداوی فقال لقد علمت الساعة التی سقیت فیها۔ لوگوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا کہ آپ اپنا علاج کیوں نہیں کرتے؟ تو کہا مجھے معلوم ہے کس وقت مجھے زہر دیا گیا وکانت وفاته بالسم کانت بنوامیة قد تبرموا به۔ اس خلیفہ کی وفات زہر سے ہوئی کیونکہ بنی امیہ اس سے عاجز آگئے تھے دعا غلاما له فقال ویحک ما حملک علی ان تسقینی السم قال الف دینار اعطیتها وعلی ان اعتق قال هاتها قال فجاء بها فالقها فی بیت المال وقال اذهب حیث لا یراک احد خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے غلام کو بلا کر پوچھا کس سبب سے تو نے مجھے زہر پلا دیا؟ اوس نے کہا مجھے اس کے انعام میں ایک ہزار اشرفیاں دی گئیں۔ اور یہ بھی وعدہ کیا گیا کہ آزاد کر دیا جاؤں گا۔ اس لالچ میں یہ حرکت کی۔ خلیفہ نے وہ اشرفیاں منگا کر بیت المال میں داخل کر دیں اور غلام سے کہا ایسی جگہ چلا جا جہاں تجھے کوئی بھی نہ دیکھے (تاریخ الخلفاء ص۱۶۷)

غرض جب حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ کی اونٹے محبت کرنے کی سزا بھی اتنے بڑے بڑے شہنشاہوں کو اس طرح دی جاتی کہ وہ زندگی کی لذتوں ہی سے محروم ہو جاتے تو عوام کو کیونکر اسکی جرات ہوتی کہ حضرت علیؑ و اہلبیتؑ کے فضائل اور حضرت ابوبکر وعمر کے قبائح ومطاعن میں کوئی روایۃ بیان کر سکتے؟

مذکورہ بالا وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ کتب حدیث وسیرۃ وتفسیر وتاریخ میں خلفاء ثلثہ کے فضائل ومناقب وکمالات وکرامات میں تو ڈھیر کی ڈھیر روایتیں موجود ہیں۔ جن کی حد وحساب بتانا دشوار ہے۔ لیکن ان کی مذمت وطعن میں کوئی روایت نہیں مل سکتی۔ اگر پھر بھی کوئی امر مل جائے تو اس کے متعلق عقل حکم کرے گی کہ یہ اس درجہ یقینی اور مشہور امر تھا جو متعصب اور سلاطین زمانہ کے زیر اثر محدثین ومفسرین ومورخین بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکے اور وہ برائیاں مثل آفتاب

روشن ہو کر رہیں۔ اب ہم اس مقدمہ سوانح کو تمام کر کے اصل کتاب شروع کرتے ہیں اور خدائے منان سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کے لکھنے میں اپنی توفیق ہمارے شامل حال رکھے۔ اس اسلامی خدمت میں ہماری پوری مدد کرے۔ ہمیں ہر قدم پر سیدھی راہ دکھاتا رہے۔ ہمارے حقیر قلم سے ہر حرف مطابق حق ہی نکالے اور تعصب وجنبہ داری کا شائبہ بھی نہ پیدا ہونے دے!

حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ نعم المولےٰ ونعم النصیر لہ

اس کتاب کے ابواب واضح ہو کہ یہ سوانح عمری انشاء اللہ ان ابواب پر مشتمل ہو گی۔

(۱) پہلا باب۔ شجرہ نسب۔ خاندانی حالات۔ پیدائش سے ہجرت تک کے واقعات زمانہ جاہلیت کے کارنامے۔ اعزہ واقربہ۔ قبول اسلام وغیرہ (۲) دوسرا باب۔ ہجرت مدینہ سے وفات رسولؐ تک کا زمانہ۔ غزوات کی شاندار خدمات۔ مدینہ کی زندگی۔ عہد رسولؐ میں آپکی اسلامی خدمتیں (۳) تیسرا باب۔ وفاۃ رسولؐ سے خلیفہ اول کی وفات تک کے مفصل حالات اور اس عہد کے

لہ **بشارت** اس سوانح عمری کے شروع میں قرآن مجید کی کوئی آیت لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی مگر کوئی مناسب آیۃ نہیں نظر آتی تھی۔ بہت دنوں تک غور وخوض کرنے کے بعد ذہن میں آیا کہ خود قرآن مجید سے دریافت کیا جائے کہ کون آیۃ لکھی جائے۔ اس نیت سے قرآن مجید کو کھولا تو پہلے ہی بار حسب ذیل آیۃ نکلی:۔ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ کیا یہ لوگ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے گزر گئے اُن کا انجام کیسا برا ہوا حالانکہ جو لوگ ان سے قوت میں بھی زیادہ تھے اور جس قدر زمین ان لوگوں نے آباد کی ہے اوس سے کہیں زیادہ ان لوگوں نے بھی کاشت کی تھی اور اوسکو آباد بھی کیا تھا اور ان کے پاس بھی اون کے پیغمبر واضح اور روشن معجزے لے کر آچکے تھے مگر ان لوگوں نے نہ مانا تو خدا نے اون پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ مگر وہ لوگ آپ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے (پ ۲۱۔ ع ۴)۔ اسی وجہ سے ہم نے یہی آیت کتاب کی پیشانی پر لکھ دی ۱۲ منہ

زرین کارنامے - خاندان رسولؐ سے آپ کا برتاؤ (۴) چوتھا باب - خلیفہ اول کی وفات سے آپکی اپنی وفات تک کی مدت اور اوسکے کارنامے (۵) پانچواں باب - آپکی ملکی فتوحات کی تفصیل اور ان پر دینی و دنیوی اعتبار سے مفصل تبصرہ (۶) چھٹواں باب - آپ کے نظام حکومت سیاست و تدبیر - عدل و انصاف کی تصویر کشی (۷) ساتواں باب - آپ کے دوسرے دنیوی کارنامے (۸) آٹھواں باب - آپ کی خلافت - اجتہاد - مذہبی اصلاحیں اور دوسرے دینی کارنامے (۹) نواں باب - آپ کے ذاتی حالات - ایمان - ورع - تقوے - تقدس - علم وفہم - عبادات وغیرہ (۱۰) دسواں باب - آپ کے باقی وہ حالات جو گزشتہ ابواب سے بچ گئے ہوں - کتاب کی تقسیم کا یہ مختصر ذکر ہے - تفصیلی امور انشاء اللہ ہر باب کی متعدد فصلوں میں دکھائے جائینگے اور کوشش کی جائیگی کہ آپ کی کسی خوبی - کسی فضیلت - کسی شاندار خدمت کو چھوڑا نہ جائے بلکہ اسکو اسی عنوان سے دکھایا جائے جسکی وہ مستحق ہے -

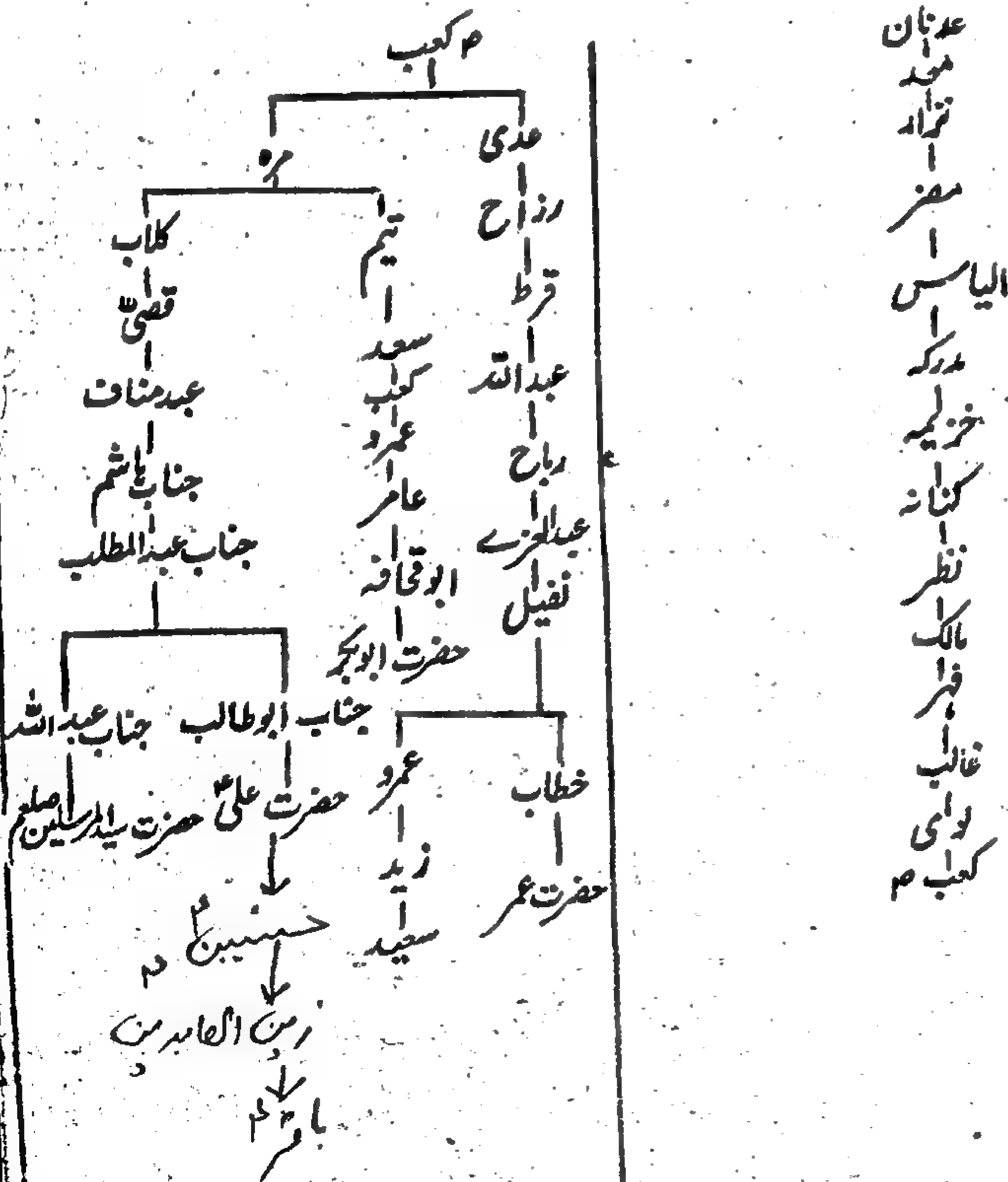
تنبیہ اصل کتاب کے مضامین شروع کرنے سے قبل ناظرین کتاب سے یہ التماس کر لینا ضروری ہے کہ انھیں اس نہایت اہم امر کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کتاب کے مقدمہ میں جو اصول واضح کئے اور ضروری مباحث لکھے گئے ہیں - اُن کو برابر پیش نظر رکھکر پوری کتاب کا مطالعہ کریں ہمیں قوی امید ہے کہ جس مقام پر اونھیں کوئی شبہ یا تردد پیدا ہوگا اس وقت اگر وہ مقدمہ کے مطالب کو پھر دیکھ لینگے تو اونکے کل شکوک زائل ہو جائینگے اور پورا اطمینان حاصل ہو جائیگا - کیونکہ جن علماء اعلام کی مستند کتب حدیث وتفسیر ورجال وتاریخ وطبقات وسیرۃ وادب ولغت سے اسکے مضامین کا اقتباس کیا گیا ہے وہ اسلام کے اس فرقہ سے تعلق رکھتے بلکہ اسکے مقتدا تسلیم کئے گئے ہیں جو ہمارے ہیرو کا کمال درجہ معتقد اور آپ کے فضائل و مناقب کا پورا معترف ہے اور جا پنے مذہبی اثرات کی وجہ سے اس کا سخت پابند رہا ہے کہ حضرت ممدوح کے موافق کل امور کو تسلیم کرے لیکن آپ کی شان کے خلاف کسی چیز کو نہ مانے - باوجود اس کے ان چیزوں کا ان کتابوں میں موجود ہونا اس امر کی بین دلیل ہے کہ وہ امر حد تواتر یا درجہ یقین تک پہونچا ہوا تھا - اس وجہ سے ان علماء کو بھی درج کتاب کرنا پڑا - اسکے ساتھ اسکی بھی امید قوی ہے کہ ہمارے اقتباس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہوگا - نہ ہماری نیت پر حملہ ہوگا کیونکہ ہماری غرض اصلی حالات کا ظاہر کر دینا ہے - اور تذکرہ نویس کا فرض بھی یہی ہے کہ ماله وماعلیہ سب کو پیش کر دے - وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت

پہلا باب

شجرہ۔نسب۔خاندانی حالات۔پیدائش سے ہجرت تک کے واقعات۔زمانہ جاہلیہ کے کارنامے۔اعزہ واقربہ۔قبول اسلام وغیرہ

پہلی فصل شجرہ نسب

حضرت عمر کا شجرہ نسب حسب ذیل بیان کیا گیا ہے



لطیفہ جن حضرات کو عربی زبان کی کتب تاریخ دیکھنے کا موقع نہیں ملتا ہمارے لکھے ہوئے شجرۂ نسب کو اس بنا پر غلط کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں اسلامی تاریخ کے سب سے مشہور مصنف شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی گزرے ہیں اور یہ شجرۂ نسب اُن کے لکھے ہوئے شجرۂ نسب سے مختلف ہے۔ چنانچہ ممدوح نے اپنے ہیرو کا شجرہ اس طرح لکھا ہے "سلسلۂ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک" (الفاروق مطبوعہ کانپور ۱۸۹۹ء جلد ۱ صفحہ ۲۳)۔ جس سے معلوم ہوا کہ لوی بن غالب بن فہر نہیں بلکہ لوی بن فہر تھا۔ یعنی فہر لوی کا دادا نہیں بلکہ باپ تھا۔ اس وجہ سے ضرورت ہوئی کہ اسلام کی مستند کتب تاریخ سے دریافت کیا جائے کہ اصلیت کیا ہے۔ علامہ ابو الفدا نے لکھا ہے وولد لفہر غالب ثم ولد لغالب لوی۔ فہر کا لڑکا غالب ہوا اور غالب کا لڑکا لوی (تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۰۱)۔ علامہ دیار بکری نے لکھا ہے فولد غالب بن فہر لویا۔ فہر کے بیٹے غالب کا فرزند لوی ہوا۔ فولد لوی بن غالب کعبا۔ غالب کے بیٹے لوی کا فرزند کعب تھا (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۱۷۲) اس سے بھی معلوم ہوا کہ لوی فہر کا نہیں بلکہ غالب کا بیٹا تھا۔ اسلامی تاریخ کے امام اعظم علامہ طبری نے حضرت رسول خدا صلعم کے نسبنامہ میں لکھا ہے محمدؐ بن عبد اللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ ابن کعب ابن لوی ابن غالب۔ ابن فہر بن مالک (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۸۶) اس سے بھی واضح ہے کہ لوی فرزند تھا غالب کا اور غالب پوتا تھا فہر کا۔ اس طرح لوی اور فہر کے بیان ایک شخص غالب بھی گزرا ہے جسکو مولوی شبلی صاحب نے ترک کر دیا۔ اہل عرب کے نسب کی مفصل حالت بہت تفصیل سے ایک مخصوص کتاب سبائک الذہب میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب خاص اسی فن میں ہے۔ اس میں حضرت عمر کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزے بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک (سبائک الذہب صفحہ ۶۳ و ۶۴)۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ لوی کے باپ کا نام فہر نہیں تھا جیسا مولوی شبلی صاحب کا دعوے ہے۔ بلکہ اس کا باپ غالب اور فہر اسکا دادا تھا۔ یہ تماشہ بھی ملاحظہ ہو کہ مولوی شبلی صاحب حضرت رسول خدا صلعم کی سوانح عمری لکھنے لگے تو اس میں اسی لوی کو جسے الفاروق میں فہر کا بیٹا بنایا ہے فہر کا پوتا لکھدیا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں

"سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیؒ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک" (سیرۃ النبیؐ جلد ا ص۱۱۶)

لوی کو جو واقعاً فہر کا پوتا تھا مولوی صاحب نے اوس کا بیٹا قرار دیا تو اس سے کسی کا کوئی نقصان نہیں ہے اس وجہ سے اس سے تعرض کرنا بیکار تھا۔ مگر ہماری غرض یہ ہے کہ اس کتاب کے ناظرین سمجھیں مولوی شبلی صاحب جن کو اسلامی تاریخ کا بڑا محقق کہا جاتا ہے واقعاً تحقیق کے کس درجہ پر فائز تھے اور ان کی کتاب الفاروق جسکی اس قدر دھوم مچا رکھی گئی ہے کس درجہ صحت واحتیاط سے لکھی گئی۔ جب مولوی صاحب نے ابتداء ہی میں ایسی سخت ٹھوکر کھائی تو کیونکر امید کیجائے کہ آگے سنبھل کر چلے ہوں گے۔ ایسی حالت میں کیوں نہ کہا جائے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج ٭ تا ثریا می رود دیوار کج

تحقیق قریش[1] حضرت عمر کی سوانح عمری میں اس امر کی تحقیق کہ قریش سے عرب کی کون جماعت مراد ہے بہت ضروری۔ اہم اور نتیجہ خیز ہے۔ محققین علم انساب اور مورخین ملک عرب نے اس میں شدید اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ صرف جناب قصی کی اولاد اور نسل قریش ہے۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ ان کے بزرگ فہر کی پوری نسل قریش ہے۔

اس اختلاف کا اثر یہ ہوگا کہ اگر صرف جناب قصی کی اولاد قریش قرار پائیگی تو ان کے بھائیوں یا بزرگوں کی اولاد قریش سے خارج سمجھی جائیگی۔ اور اگر فہر کی اولاد قریش سمجھی جائیگی تو اسکی نسل کے سب لوگ قریش تسلیم کئے جائیں گے۔

ان کا قول جو کہتے ہیں کہ قریش صرف قصی کی اولاد ہیں پہلی جماعت میں بہت بڑے مورخین و محققین علم انساب ہیں سب کی عبارتیں نقل کرنے میں طول ہوگا۔ محض چند اقوال ذکر کئے جاتے ہیں۔ علامہ ابن عبد ربہ نے جو بہت قدیم نسب داں۔ ادیب اور مورخ گزرا ہے لکھا ہے

---

[1] یہ پورا مضمون حضرت ابوبکر کی سوانح عمری سے نقل کیا گیا ہے۔ چونکہ ان مباحث اور ان کے نتائج کا تعلق حضرت عمر سے بھی ہے اس وجہ سے اس کا نقل ضروری ہوا کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ اس سوانح عمری کے دیکھنے والے حضرت ابوبکر کی سوانح عمری مولفہ حقیر دیکھ چکے ہوں یا آئیندہ دیکھیں ۱۲ منہ

فجمعهم قصیؓ بن کلاب فسموا قریشا والتقریش التجمیع وسمی قصیؓ بن کلاب مجمعا۔ فقال فیه الشاعر
؎ قصیؓ ابوکم من یسمی مجمعا
بہ جمع اللہ القبائل من فہر
(عقد فرید جلد ۲ صـ ۳۸)

عرب کے لوگوں کو قصیؓ بن کلاب نے جمع کیا۔ انہوں سے وہ سب قریش کہے گئے۔ تقریش کا معنے اچھی طرح جمع کرنا ہے۔ اور قصیؓ کو خوب جمع کرنے والا کہتے تھے۔ انھیں کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ تمہارے باپ قصیؓ کو لوگ جمع کرنے والا کہتے تھے کیونکہ انہیں کے ذریعہ سے اللہ نے فہر کے قبیلوں کو جمع کیا۔

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں "قصیؓ نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول اُن ہی کو ملا۔ چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں بھی لکھا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کرکے کعبہ کے آس پاس بسایا اس لئے ان کو قریش کہتے ہیں کیونکہ تقریش کے معنے جمع کرنے کے ہیں۔ اسی بنا پر ان کو مجمع بھی کہتے تھے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎ قصیؓ ابوکم من یسمی مجمعا ؛ بہ جمع اللہ القبائل من فہر

قصی بن کلاب کا مفصل تذکرہ طبقات ابن سعد جزو اول مطبوعہ لیڈن ۱۳۲۲ھ صـ ۳۶ سے لیکر ۴۲ تک ہے۔ قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنے جمع کرنے کے ہیں۔ قصی نے لوگوں کو ایک رشتہ میں منسلک کیا اس لئے قریش کہلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے۔ چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے اس لئے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی۔ عام خیال یہ ہے کہ قریش قصی یا کسی اور خاص شخص کا نام ہے۔ لیکن امام سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قبیلہ کا نام ہے جس طرح قبائل عرب جانوروں کے نام پر نام رکھتے تھے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صـ ۱۱۹)

کل مورخین کی تحقیقات ذکر کی جائیں تو کئی صفحے بھر جائیں۔ اس وجہ ہم سب کو چھوڑتے ہیں۔ البتہ اسلامی مورخین میں دو مورخ سب سے زیادہ معتبر مانے جاتے ہیں۔ ایک علامہ ابن اثیر جزری۔ دوسرے علامہ طبری پس انہیں دونوں کا قول دیکھو۔

علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے :-

قیل لما جمعھم قصی قیل لھم قریش - والتقرش التجمع - وقیل لما ملک قصی الحرم وفعل افعالا جمیلة قیل لہ القرشی وھو اول من سمی بہ وھو من الاجتماع ایضا ای لاجتماع خصال الخیر فیہ -

(تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ)

لوگوں کا بیان ہے کہ جب عرب کو قصی نے جمع کیا تب ان لوگوں کو قریش کہنے لگے - تقرش کا معنے جمع ہوتا ہے - اور دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ جب قصی حرم کے سردار ہوئے اور بہت اچھے اچھے کام کئے تو لوگ ان کو قرشی کہنے لگے - اور پہلی مرتبہ یہ نام انھیں قصی کا رکھا گیا اور یہ لفظ اجتماع سے نکلا ہے یعنی قصی میں اچھی صفتیں جمع تھیں اس سے اُن کو قریش کہنے لگے -

اور مورخ جلیل الشان علامہ طبری نے لکھا ہے -

ان عبد الملک بن مروان سأل محمد بن جبیر متی سمیت قریش قریشا - قال حین اجتمعت الی الحرم من تفرقھا فذلک التجمع التقرش فقال عبد الملک ما سمعت ھذا ولکن سمعت ان قصیا کان یقال لہ القرشی ولم تسم قریش قبلہ -

خاندان بنی امیہ کے مشہور خلیفہ عبد الملک بن مروان نے محمد بن جبیر سے پوچھا کہ قریش کا یہ نام کب سے پڑا - اوس نے کہا جب سے یہ لوگ الگ الگ رہنے کے بعد حرم میں اکٹھے ہوگئے - کیونکہ تقرش کا معنے تجمع ہے - اس جواب پر خلیفہ عبد الملک نے کہا میں نے تو آج تک یہ نہیں سنا بلکہ یہ سنتا آتا ہوں کہ قصی کو قرشی کہتے تھے اور ان کے پہلے کسی کا نام قریش ہوا ہی نہیں تھا

اسکے بعد ہی یہ روایت بھی لکھی ہے -

لما نزل قصی الحرم وغلب علیہ فعل افعالا جمیلة فقیل لہ القرشی فھو اول من سمی بہ (تاریخ طبری طبع مصر جلد ۲ ص ۱۸۸)

جب قصی حرم (مکہ معظمہ) میں آکر مقیم ہوئے اور اُس پر غالب آئے اور وہاں بڑے اچھے اچھے کام کئے تو سب لوگ ان کو قرشی کہنے لگے لہٰذا وہی پہلے شخص ہیں جو اس نام سے پکارے گئے -

قرآن مجید کے مفسرین نے بھی ان روایتوں کو لکھا ہے - چنانچہ علامہ سیوطی کی تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۹۸ میں مذکورہ بالا روایتیں موجود ہیں - اور خود صحیح بخاری کی سب سے زیادہ مقبول اور

معتبر شرح فتح الباری میں بھی عبد الملک کے انکار والی روایۃ موجود ہے (دیکھو فتح الباری مطبوعہ دہلی پارہ ۱۴ صفحہ ۳۰۲) جس سے یقین ہوجاتا ہے کہ خلیفہ عبد الملک کا یہ قول صحیح ہے اور اس میں کسی طرح کچھ شک نہیں ہوسکتا اس لئے کہ علامہ ابن حجر اسلام میں بہت بڑے محدث گزرے ہیں۔ وہ علم حدیث کے بہت بڑے امام۔ محقق اور مصنف تھے۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے ان کے بارے میں لکھا ہے "حافظ ابن حجر کہ جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۷) پس ان روایتوں میں عبد الملک کا سوال اور محمد بن جبیر کا جواب۔ پھر عبد الملک کا قول کہ قصیؔ کے پہلے کسی شخص کا نام قریش ہوا ہی نہیں بہت کچھ فیصلہ کن ہے۔ اس لئے کہ یہ خلفاء بنی امیہ کا بہت معزز۔ زبردست اور حالات عرب سے پوری واقفیت کا دماغ رکھنے والا خلیفہ گزرا ہے۔ یزید ۶۴ھ میں مرا تو مروان چند دنوں کے لئے خلیفہ ہوا۔ اوس کے مرنے پر اوس کا بیٹا یہی عبد الملک دنیائے اسلام کا بادشاہ ہوا۔ اس نے ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک شاندار سلطنت کی اور دنیا کے بہت کامیاب بادشاہوں میں گزرا۔ جب وہ خود کہتا ہے کہ قصیؔ کے پہلے کوئی شخص قریش نہیں کہا جاتا تھا۔ تو اب کسی مورخ یا محدث کے قول کا کیا وزن ہوسکتا ہے [1] درصورتیکہ وہ مورخین و محدثین خلیفہ عبد الملک کے بہت بعد پیدا ہوئے۔

[1] اس اختلاف کا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر صرف جناب قصیؔ کی اولاد قریش قرار پاتی ہے تو حضرت ابوبکر و حضرت عمر دونوں ہی قریش سے خارج ہوجاتے اور بہت بڑے شرف بلکہ نہایت عظیم الشان عزت سے محروم ہوتے ہیں۔ کیونکہ تمام عرب میں قریش سب سے زیادہ صاحب عزت و ریاست مانے جاتے تھے۔ وہی عرب کے سردار سمجھے جاتے اور باقی قبائل بمنزلہ ان کی رعایا کے تھے۔ حضرت رسولخدا صلعم کی زبان مبارک سے بھی خدا نے قریش کی عزت و اقتدار و فضیلت و شرف پر مہر لگادی تھی۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا۔

قریش صلاح الناس ولا یصلح الناس الا بھم (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۹۹)	لوگوں کی خوبی اور بھلائی قریش ہیں۔ بغیر قریش کے لوگ درست رہ ہی نہیں سکتے۔
الناس تبع لقریش فی الخیر والشر	اچھائی اور بُرائی میں سب لوگ قریش ہی کے پیرو ہیں

اُن کا قول جو کہتے ہیں کہ قریش فہر کی اولاد ہیں بعض مورخین و محدثین ایسے بھی ہیں جو قریش کو جناب قصیؔ کی اولاد میں منحصر نہیں سمجھتے بلکہ فہر کی اولاد کو بھی قریش کہتے ہیں ۔ اس صورت میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا شمار بھی قریش میں ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ آپ کے بزرگ تیم و عدی

(بقیہ حاشیہ صـ۲۰۹)

اعطیت قریش مالم یعط الناس	قریش کو وہ فضیلتیں دی گئیں جو کسی اور کو نہیں ملیں۔
وفضل اللہ قریشا بسبع خصال لم یعطھا احد قبلھم ولا یعطاھا احد بعدھم (کنزالعمال جلد۶ صـ۱۹۵)	خدا نے قریش کو سات باتوں کی وجہ سے سب پر فضیلت دی ہے ۔ وہ باتیں ایسی ہیں کہ کسی اور کو نہ اب تک ملیں اور نہ آئندہ مل سکتی ہیں ۔
من یرد ھوان قریش اھانہ اللہ ۔	جو شخص قریش کی ذلت چاہے گا اوسی کو اللہ ذلیل کریگا
قریش علی مقدمۃ الناس یوم القیامۃ ۔	بروز قیامت قریش سب لوگوں سے آگے آگے رہیں گے ۔
قریش خالصۃ اللہ تعالےٰ ۔	قریش اللہ کے خالص اور پسند کئے ہوئے ہیں ۔
قریش اھل اللہ ۔ قریش اھل اللہ قریش اھل اللہ ۔ فاذا خالفتھا قبیلۃ من العرب صار و احزب ابلیس (کنزالعمال جلد۶ صـ۲۰۰)	قریش اللہ کے اہل ہیں ۔ قریش اللہ کے اہل ہیں قریش اللہ کے اہل ہیں ۔ جب عرب کا کوئی قبیلہ انکی مخالفت کرے گا تو شیطان کا گروہ ہو جائیگا۔

دوسرا بہت زبردست اثر دونوں بزرگوں کی خلافت پر ہوتا ہے ۔ کیونکہ مسلمانوں کے سواد اعظم کے دعوے و اعتقاد کے مطابق حضرت رسولخدا صلعم نے بار بار فرمایا تھا کہ میری خلافت یا مسلمانوں کی حکومت صرف قریش میں محدود رہے گی ۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ جو شخص قریش سے نہ ہو وہ حضرت رسولخدا صلعم کا خلیفہ نہیں ہو سکتا ۔

اور اگر کسی طرح کوئی شخص آنحضرت صلعم کی جگہ ہو جائے تو مسلمانوں کو اوسے واقعاً آنحضرت صلعم کا خلیفہ نہیں ماننا چاہیئے ۔ اس کے متعلق چند حدیثیں ملاحظہ ہوں :-

قریش ولاۃ ھذا الامر	میری خلافت یا اس حکومت کے اہل صرف قریش ہیں ۔
اما بعد یا معشر قریش فانکم اھل ھذا الامر مالم تعصوا اللہ (کنزالعمال جلد۶ صـ۱۶۸)	اے قریش والو ! اس خلافت کے مستحق تم لوگ ہی ہو جب تک تم اللہ کی نافرمانی نہ کرو ۔

فہر کی اولاد میں ہیں۔ علم انساب و تاریخ کی ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش سے ہونے پر بھی حضرت عمر حضرت رسولخدا صلعم کے خاندان سے دور پڑتے ہیں۔ یعنی کعب میں دونوں بزرگ ملتے ہیں۔ اس طرح کہ کعب کے ایک بیٹے مرہ کی اولاد میں حضرت رسولخدا صلعم

(بقیہ حاشیہ صـــ ۲۱۰)

معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم کے خلفاء میں دو شرطیں ضروری تھیں۔ ایک قریشی ہونا۔ دوسرے معصوم ہونا۔ پس جو لوگ قریشی نہیں ہیں وہ آنحضرت صلعم کے خلیفہ نہیں ہوسکتے۔ اور جو قریشی ہوں مگر معصوم نہ ہوں وہ بھی آنحضرت صلعم کے خلیفہ نہیں ہوسکتے۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ نے اپنے خلیفہ کے بارے میں شرط کر دی ہے مالم تعصوا اللہ (جب تک تم اللہ کی نافرمانی نہ کرو) اور معصوم ہی وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

آن ھذا الامر فی قریش لایعادیھم احد الا اکبہ اللہ تعالے علے وجھہ ما اقاموا الدین	اس امت (اسلام) کی حکومت و امامت قریش ہی میں رہے گی۔ جو شخص ان کو دشمن رکھے گا اللہ اوس کو منہ کے بل (جہنم میں) جھونکے گا۔ یہ صفت اُن میں اوس وقت تک رہیگی جب تک یہ دین کو قائم رکھینگے
یکون بعدی اثناعشر امیرا کلھم من قریش	میرے بعد مسلمانوں کے دینی و دنیوی حاکم بارہ بزرگ ہوں گے جو سب قریش ہی سے ہوں گے۔
الامراء من قریش الامراء من قریش۔ الامراء من قریش	مسلمانو! یاد رکھنا کہ تمہارے دینی و دنیوی حاکم قریش ہی سے ہوں گے۔ تمہارے امام قریش ہی سے ہونگے تمہارے پیشوا قریش ہی سے ہوں گے۔
الائمۃ من قریش	امام سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے۔
لایزال علے الناس وال من قریش	لوگوں پر قریش سے کوئی نہ کوئی امام ہمیشہ موجود رہیں گے۔
لاتزال ھذہ الامۃ مستقیما امرھا ظاھرۃ علے عدوھا حتی یمضے منھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش ثم یکون الھرج والمرج	اس امت (اسلام) کا دین اوس وقت تک درست رہیگا اور یہ اوس وقت تک اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے جب تک اس میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو سب قریش ہی سے ہوں گے۔ اس کے بعد فتنہ و فساد پھیل جائیگا۔

تھے۔ اور دوسرے بیٹے عدی کی اولاد میں حضرت عمر تھے۔ اور کعب حضرت رسولخدا صلعم کا آٹھواں اور حضرت عمر کا نواں بزرگ تھا۔ اس طرح محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب۔ اور عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط ابن رزاح ابن عدی ابن کعب۔

حضرت ابوبکر و عمر میں خاندانی تعلق اس سے واضح ہے کہ اسی کعب کے ایک بیٹے عدی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۱)

لا یزال امر امتی صالحا حتے یمضی منہم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش	میری امت کا دین اوس وقت تک درست ہی رہے گا جب تک اس میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے۔
لا یزال ھذا الدین عزیزا منیعا الی اثنے عشر خلیفۃ کلھم من قریش	یہ دین اوس وقت تک غالب اور مستحکم رہے گا جب تک اس میں میرے بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے۔
لا یزال امر ھذہ الامۃ ظاھرا حتے یقوم اثنا عشر کلھم من قریش	اس امت (اسلام) کا دین اوس وقت تک کامیاب رہے گا جب تک اس میں بارہ (امام) قائم رہیں گے جو سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے۔
لا یزال الدین قائما حتے یقوم الساعۃ او یکون اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش	یہ دین اسلام ہمیشہ قائم رہے گا جب تک اس میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو سب قریش ہی سے ہونگے یا قیامۃ آجائے (کہ اوس وقت ختم ہو جائیگا)
یکون من بعدی اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش	میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے جو سب قریش ہی سے ہوں گے۔
لن یزال ھذا الدین قائما الی اثنا عشر من قریش۔ فاذا ھلکوا ماجت الارض باھلھا	یہ دین اوس وقت تک قائم رہے گا جب تک اس میں بارہ (امام) ہوتے رہیں گے۔ جو سب قریش ہی سے ہونگے۔ جب وہ بارہ حضرات ختم ہو جائیں گے تو زمین اور اس کے سب باشندے تہ و بالا ہو جائیں گے۔

کی اولاد میں حضرت عمر تھے اور دوسرے بیٹے مرہ کی اولاد میں حضرت ابوبکر ہوئے۔
جناب مولوی شبلی صاحب کے کمال کا اعتراف نہ کرنا ظلم ہے۔ ممدوح نے دیکھا کہ اگر یہ قول تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ قریش قصی ہی تھے تو حضرت عمر قریش سے خارج اور اس وجہ سے خلافت رسولؐ کے استحقاق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ غالباً اسی سبب سے آپ نے حضرت ممدوح کی سوانح عمری میں اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا بلکہ صرف اس قول کو اختیار کیا جس سے فہر کی اولاد قریش قرار دی جاتی ہے۔ چنانچہ لکھا "فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے۔ انہی کی اولاد ہے جو قریش کے لقب سے مشہور ہے"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۲)

هذا الامر الی قریش
قال رسول الله لقریش ان هذا الامر لا یزال فیکم وانتم ولاته مالم تحدثوا امورا فاذا فعلتم ذلک بعث الله علیکم

یہ خلافت و امامت قریش ہی میں رہیگی۔
حضرت رسولخداؐ نے قریش سے فرمایا کہ یہ امر خلافت ہمیشہ تم لوگوں ہی میں قائم رہے گا اور تم ہی اس کے مستحق رہو گے جب تک تم ایسی باتیں نہ کرو جن کی وجہ سے یہ شرف تم سے جاتا رہے۔

(مذکورہ بالا اور اسی قسم کی اور حدیثیں کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۹۸ تا ۲۰۲ و جلد ۷ صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۰ و صحیح بخاری پارہ ۱۴ باب مناقب قریش وغیرہ میں بکثرت موجود ہیں)

جابر بن سمرة قال سمعت النبیؐ یقول یکون اثنا عشر امیرا فقال کلمة لم اسمعها فقال ابی انه قال کلهم من قریش (صحیح بخاری کتاب الفتن پارہ ۲۹ صفحہ ۶۲۳)

جابر بن سمرہ بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت رسولخدا صلعم سے سنا کہ فرماتے تھے (میرے بعد اسلام کے) بارہ سردار اور حاکم ہوں گے اور وہ سب قریش ہی سے ہوں گے (کسی اور قبیلہ سے نہیں)

عن جابر بن سمرة قال دخلت مع ابی علی النبیؐ فسمعته یقول ان هذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیهم اثنا عشر خلیفه کلهم من

جابر بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سنا کہ حضرت فرماتے تھے اس دین اسلام میں جب تک بارہ

قریش کی نسل میں دس شخصوں نے اپنے زور لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا اور انکے انتساب سے دس جدا نامور قبیلے بن گئے یعنی ہاشم - امیہ - نوفل - عبدالدار - اسد تیم مخزوم - عدی - جمح - سہم - حضرت عمر عدی کی اولاد سے ہیں - عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو رسول اللہ صلعم کے اجداد سے ہیں - اس لحاظ سے حضرت عمر کا سلسلۂ نسب

(بقیہ حاشیہ ص۲۱۳)

قریش (صحیح مسلم طبع دہلی جلد ۲ ص۱۱۹) | خلیفہ رہیں گے - یہ مٹ نہیں سکیگا - وہ سب قریش ہی سے ہونگے - جامع ترمذی ص۲۶۹ سنن ابی داؤد ص۵۸۸ - مشکوۃ جلد ۸ ص۹۳ - تفسیر در منثور - تفسیر معالم التنزیل - جامع الاصول وغیرہ بکثرت کتابوں میں یہ حدیثیں بھری ہوئی ہیں جن سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم کی خلافت قریش ہی میں محدود و منحصر رہیگی کسی دوسرے خاندان میں نہیں جا سکتی اور حضرت صلعم کے خلفاء بارہ ہی ہوں گے - نہ کم نہ زیادہ - پس اگر قریش صرف قصی کی اولاد ہیں تو حضرت عمر کی خلافت کا جو انجام قرار پائیگا محتاج بیان نہیں -

اس مضمون کی صرف روایتیں ہی نہیں ہیں بلکہ عقائد کی کتابوں میں بھی اس حدیث کو درج کرکے اس کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے - اسی سبب سے علماء سواد اعظم کو ان بارہ خلفاء کی تعیین میں بڑی دقتیں ہوتی ہیں مگر کسی طرح بات بنتی نہیں - اس لئے خلفاء راشدین ۴ - خلفاء بنی امیہ ۱۴ - خلفاء بنی عباس ۳۶ کل ۵۴ خلفاء صرف پہلے دور میں ہو جاتے ہیں - پھر مصر میں بکثرت خلفاء ہوئے - پھر ٹرکی میں ہوتے رہے جن کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے - دوسری پریشانی یہ ہوئی کہ ٹرکی میں جو خلفاء ہوئے وہ قریش سے نہیں تھے - حالانکہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمادیا تھا کہ خلفاء سب قریش ہی ہوں گے - اب اگر اس حدیث کو مانتے ہیں تو خلفاء ٹرکی کی خلافت باطل ہوتی ہے - اور اگر انکو خلیفہ مانتے ہیں تو حدیث رسول مقبول صلعم غلط ہوئی جاتی ہے - اس مصیبت کا علاج یہ سوچا گیا کہ جہاں تک اپنا اختیار کام دے کتابوں سے الائمۃ من قریش کی حدیث اور اسکی بحث ہی نکال دی جائے - چنانچہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "قسطنطنیہ میں کتابوں کے چھپنے سے پہلے یہاں کے جایخ کے محکمہ میں جس کا نام معارف ہے اصل کتاب پیش کیجاتی ہے اور جو عبارت اس محکمہ کے افراد قلم زد کر دیتے ہیں وہ نہیں چھاپی جا سکتی

رسول اللہ صلعم سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے" (الفاروق صفحہ ۲۴) لیکن جب حضرت رسول خدا صلعم کی سوانح عمری لکھنے لگے اور اس میں اطمینان ہوا کہ اس کتاب کے دیکھنے والوں کا ذہن حضرت عمر کے متعلق اس نتیجہ کی طرف منتقل نہیں ہو گا تو اس قول کے نظر انداز کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اس وجہ سے لکھدیا "قصیؒ نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب انہی کو ملا۔ چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں بھی لکھا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا اس لئے ان کو قریش کہتے ہیں۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

قصی ابوکم من یسمی مجمعا ... بہ جمع اللہ القبائل من فہر"

اب یہ امر محتاج بیان نہیں کہ مولوی شبلی صاحب چودہویں صدی ہجری میں گزرے ہیں۔ انکو حضرت عمر کے زمانہ سے بہت زیادہ بُعد ہو گیا تھا اس وجہ سے انکا قول اُن لوگوں کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھ سکتا جو حضرت عمر کے زمانہ سے قریب تر تھے۔ مثلاً یہی علامہ ابن عبد ربہ تیسری صدی میں تھا۔ جب اوس کا بیان ہے کہ قریش کا لقب قصیؒ ہی کو ملا تو اس کا اعتبار بہت زیادہ کیا جائیگا۔ اور اس سے بھی بہت قبل خلیفہ عبدالملک گزرا ہے وہ دعوے کرتا ہے کہ میں تو کبھی بھی یہ نہیں سُنا کہ قریش قصیؒ سے پہلے کے لوگ کہے گئے ہوں بلکہ میں نے تو یہی سنا کہ قصیؒ ہی کو قریش کہتے تھے اور اوسکے پہلے کسی کا نام قریش ہوا ہی نہیں (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۱)۔ یہ باتیں اس امر کا قطعی فیصلہ کرتی ہیں کہ بعد والوں نے کسی وجہ سے یہ ایجاد کی کہ قصیؒ سے پہلے کے لوگ قریش قرار دیئے جائیں۔ سابق زمانہ میں کوئی بھی اس کا قائل نہ تھا ورنہ عبدالملک ایسے جلیل القدر خلیفہ کو اس اہتمام سے انکار کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۴) میرے سامنے ایک مطبع میں شرح عقائد نسفی چھپ رہی تھی۔ معارف نے اس کتاب کی وہ تمام عبارت قلم زد کر دی تھی جس میں خلافت کی بحث ہے اور الائمۃ من قریش کی حدیث مذکور ہے۔ میں نے اصل نسخہ جس میں معارف نے یہ تصرف کیا تھا دیکھا اور مجھے یاد ہے کہ میں اوس وقت رنج و غصہ کی وجہ سے بے اختیار ہو گیا تھا" (سفرنامہ روم و شام و مصر از مولوی شبلی صاحب صفحہ ۷۹)

دوسری فصل

حضرت عمر کے خاندان کی عزت و شرف

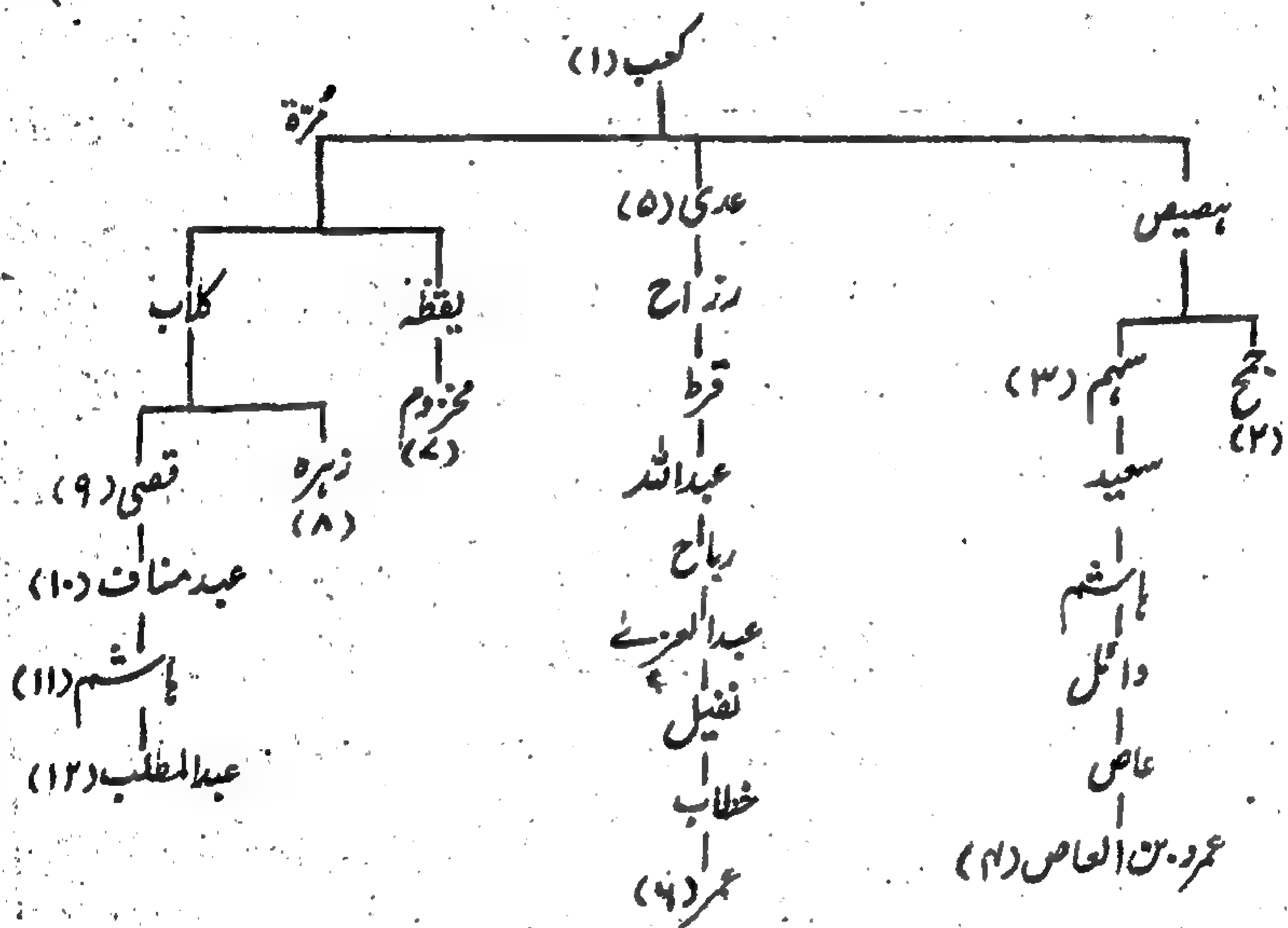
جناب مولوی شبلی صاحب نے اس کے متعلق تفصیل سے کام لیا ہے۔ لکھتے ہیں "قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے اس لئے دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا چتر بھی اُن پر سایہ افگن تھا۔ تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ سے ان لوگوں کے کاروبار کے مختلف صیغے پیدا ہو گئے تھے۔ اور ہر صیغہ کا اہتمام جدا جدا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی حجاج کی خبر گیری۔ سفارت۔ شیوخ قبائل کا انتخاب۔ فصلِ مقدمات۔ مجلس شورے وغیرہ وغیرہ عدی جو حضرت عمر کے جداعلےٰ تھے ان صیغوں میں سفارت کے صیغہ کے افسر تھے یعنی قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے (یہ تمام تفصیل عقد الفرید باب فضائل العرب میں ہے) اس کے ساتھ منافرۃ کے معرکوں میں ثالث بھی یہی ہوا کرتے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو رئیسوں میں سے کسی کو افضلیت کا دعوے ہوتا تو ایک لائق اور پایہ شناس شخص ثالث مقرر کیا جاتا اور دونوں اوس کے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے۔ کبھی کبھی ان جھگڑوں کو اس قدر طول ہوتا کہ مہینوں معرکے قائم رہتے۔ جو لوگ ان معرکوں میں حَکم مقرر کئے جاتے اون میں معاملہ فہمی کے علاوہ فصاحت اور زور تقریر کا جوہر بھی درکار ہوتا تھا۔ یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ چلے آتے تھے۔

حضرت عمر کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اسی وجہ سے بڑے بڑے عالی رتبہ لوگوں کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے آتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کے جدامجد عبدالمطلب اور حرب بن امیہ میں جب ریاست کے دعوے پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حَکم مانا۔ نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اوس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملے کہے اتنافر رجلا هو اطول منک قامة واوسم وسامة واعظم منک هامة واکثر منک ولدا واجزل منک صفدا ۔ وانی لاقول هذا وانک لبعید الغضب ۔ رفیع الصوت فی العرب جلد المریرۃ

لمحبل العشیرۃ (الفاروق ص۲۵)

یہ صحیح ہے کہ مولوی صاحب ممدوح ایک مشہور اور کامیاب مصنف گزرے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ان کو اسلامی کتب تاریخ پر ایک حد تک اطلاع حاصل تھی مگر ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ممدوح نے حضرت عمر کے خاندان کی جو عظمت و جلالت دکھانے کی کوشش کی ہے اوس کا پتا مشہور اور متداول کتب تاریخ میں نہیں ملتا۔ عرب کی تاریخ میں تاریخ طبری۔ تاریخ کامل۔ ابو الفدا خمیس۔ مروج الذہب۔ ابن خلدون۔ روضۃ المناظر وغیرہ زیادہ مستند و مشہور ہیں۔ ان میں کہیں بھی اس امر کا ذکر نہیں ہے۔ پھر حضرت عمر کے مفصل حالات استیعاب۔ اسد الغابہ۔ اصابہ وغیرہ میں ہیں۔ لیکن ان میں بھی ان امور کا نشان نہیں ملتا۔ بس ایک کتاب عقد فرید کا ذکر آپ نے کیا ہے۔ البتہ وہ بہت معتبر اور قابل قدر کتاب ہے آؤ دیکھیں اس میں لکھا بھی کیا ہے مگر پہلے مصنف الفاروق کی مذکورہ بالا عبارت کو پھر پڑھ لو جس کا آخری فقرہ یہ ہے "عدی جو حضرت عمر کے جد اعلے تھے ان صیغوں میں سفارت کے صیغہ کے افسر تھے۔ یہ تمام تفصیل عقد الفرید باب فضائل العرب میں ہے" (الفاروق ص۲۵)۔ کتاب عقد فرید کا یہ باب اوسکی دوسری جلد مطبوعہ مصر کے صفحہ ۳۷ سے شروع ہوا ہے۔ اس کا ہر حرف پڑھ جاؤ دیکھو تو کہیں بھی حضرت عمر کے خاندان کے یہ حالات نہیں ملتے۔ اس کی عبارت یہ ہے۔ ومن بن عدی عمر بن الخطاب وکانت الیہ السفارۃ فی الجاہلیۃ وذلک انھم کانوا اذا وقعت بینھم وبین غیرھم حرب بعثوہ سفیرا وان نافرھم حی لمفاخرۃ جعلوہ منافرا ورضوا بہ اس کا ترجمہ تو یہ ہوا۔ خاندان بنی عدی سے عمر بن خطاب وہ شخص تھے جن کے ذمہ زمانہ جاہلیت میں سفارۃ کا کام رہتا تھا اور وہ یہ کہ جب ان لوگوں اور اون کے غیر میں کوئی جنگ ہوتی تھی تو لوگ انھیں سفیر بنا کر بھیجتے۔ اور اگر کوئی شخص ان لوگوں سے منافرۃ کرتا تو عرب کے لوگ حضرت عمر ہی کو اس کے مقابلہ پر بھیجتے اور ان ہی پر راضی ہوتے (عقد فرید جلد ۲ ص۳۸ باب فضائل العرب)۔ اب عربی پڑھنے والے بچوں سے بھی دریافت کرلو۔ اس عبارت کا ترجمہ یہی کرے گا یا اور کچھ۔ یہ کس قیامت کا حادثہ ہے کہ عقد فرید میں وصف بیان کیا جائے صرف ایک حضرت عمر کا اور مولوی شبلی صاحب اس کو ان کے پورے خاندان کا شرف قرار دے دیں۔ اگر مولوی صاحب اس عبارت کا مطلب نہیں سمجھے تو اسلام کو ان پر رونا چاہئے۔ اور اگر سمجھے

کے بعد کسی دوسرے مقصد سے اونھوں نے یہ صنعت کی تو اور زیادہ نوحہ و ماتم کا سامان مہیا کر دیا۔
علامہ سیوطی کی عبارت بھی دیکھو ولما عمر بعد الفیل بثلاث عشرة سنة والیه کانت السفارة
فی الجاهلیة وکانت قریش اذا وقعت الحرب بینهم و بین غیرهم بعثوه سفیرا
رسولا و اذا نافرهم منافر او فاخرهم مفاخر بعثوه منافرا او مفاخرا (تاریخ الخلفاء)
اس کا ترجمہ بھی وہی ہے۔ قریش کے نسب نامہ کی بہت قابل قدر کتاب علامہ سویدی کی
سبائک الذہب فی معرفة قبائل العرب ہے۔ اس میں کعب کی اولاد کی تفصیل اس طرح دی ہے



(سبائک الذہب طبع بمبئی ص ۶۴ تا ۷۱)

اس شجرہ میں نمبر اس غرض سے دیا گیا ہے کہ ناظرین خیال کریں جن لوگوں کے نام پر نمبر نہیں ہے اون کا کوئی ذکر مصنف مذکور نے نہیں کیا بس صرف نام لکھکر آگے بڑھ گیا ہے۔ اور جن لوگوں کے نام پر نمبر ہے اون کے کچھ حالات بھی دے دیئے ہیں۔ حضرت عمر کے خاندان میں صرف دو شخصوں کا حال لکھا ہے۔ اول عدی۔ دوسرے خود حضرت عمر۔ عدی کا حال صرف اسقدر دیا ہے ومن بنی عدی خارجة ابن حذافة قاضی عمرو بن العاص بمصر قتله الخارجی لیلا وهو یظنه عمرا ثم قال عند ما علم به اردت عمروا واراد الله خارجه یعنی خاندان

عدی سے خارجہ ابن حذافہ تھا جو عمرو بن العاص کی جانب سے مصر میں قاضی تھا۔ اس کو خارجی نے شب کو عمرو عاص سمجھکر قتل کر دیا۔ جب اس کو اسکی غلطی معلوم ہوئی تو کہا میں نے تو عمرو عاص ہی کو چاہا تھا مگر خدا نے خارجہ کو چاہا (صفحہ ۹۴)۔ اس کے بعد اس خاندان والوں سے کسی کا کوئی حال نہیں دیا ہے۔ البتہ آخر میں حضرت عمر کا ذکر کیا ہے والیہ کانت السفارۃ فی الجاھلیۃ وکانت قریش اذا وقعت الحرب بینھم و بین غیرھم بعثوہ سفیرا اے رسولا و اذا نافرھم بعثوہ منافرا ومفاخرا (صفحہ ۶۵)۔ اس کا ترجمہ بھی بالکل وہی ہے جو عقد فرید کی عبارت کا لکھا گیا غرض کل کتابوں میں الیہ و بعثوہ وغیرہ الفاظ ہیں جن میں مفعول کی ضمیر واحد ہے۔ یہ بھی پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ ذکر صرف ایک شخص (حضرت عمر) کا کیا جا رہا ہے لیکن الفاروق کے نامور مصنف کا یہ شاندار کارنامہ ہے کہ حضرت عمر کے ذاتی فعل کو ان کا خاندانی عہدہ قرار دے دیا۔ اور وہ بھی کن الفاظ میں "عدی جو حضرت عمر کے جد اعلیٰ تھے ان صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے" صیغوں۔ سفارت۔ صیغے۔ افسر وغیرہ پُر شوکت الفاظ سے عبارت میں کس قدر مبالغہ کر دیا گیا حالانکہ نہ صیغے تھے۔ نہ سفارت کوئی عہدہ تھا۔ نہ کوئی محکمہ تھا جس میں ماتحت لوگ بھرے ہوئے تھے جن کے اوپر کسی افسر کی ضرورت تھی۔ عرب کی قوم جاہلیۃ کا زمانہ۔ زیادہ تر وحشیوں کی زندگی بدویوں کی معاشرت۔ اُن کو ان سب سے کیا لگاؤ؟ بس اتنی بات تھی کہ اکثر عرب جنگلی قوموں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ بات بات میں لڑنا بھڑنا ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ کسی کی کوئی حرکت مزاج کے خلاف ہوگئی بس اسکی جان لینے پر آمادہ ہوجانا ان کا اولین فرض ہوجاتا تھا۔ اِسی طرح ایک قبیلہ دوسرے کے خلاف کھڑا ہوجاتا تھا۔ اور جب کسی سے لڑائی ٹھن جاتی تھی تو جوشیلے لوگ دوسرے فریق کی طرف لڑائی کا ارادہ ترک کر کے کچھ بات چیت کرنے کے لئے جانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے اور یہ طے کر لیتے کہ جائیں گے تو سر اُتار کر ہی رہیں گے۔ اس وجہ سے سب لوگ ہتھیاروں سے آراستہ ہوجاتے۔ تلوار۔ نیزہ کھینچ لیتے۔ سواریوں کا انتظام کرتے کہ اونٹ۔ گھوڑے مہیا ہوجائیں۔ کچھ کھجور پانی کا سامان ہو جائے۔ اوس وقت تلاش ہوتی تھی کہ کوئی شخص ایسا ملے جو لڑنے کے سامان میں مشغول نہ ہو اس سے کوئی پیغام فریق ثانی کی طرف بھیج دیا جائے تو نظر حضرت عمر پر پڑتی تھی لوگ انھیں کو وہاں بھیج دیتے۔ وہ فوراً طیار ہوجاتے۔ کیونکہ آپ کو ذاتی طور پر جنگ سے دلچسپی کسی زمانہ میں نہیں ہوئی۔ اس خیال

کی تائید مورخین ہی کے اقوال سے ہوتی ہے۔ بعثوہ سفیرا اے رسولا کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ کو لوگ قاصد بنا کر بھیجتے کہ ان کا پیغام وہاں پہونچادیں اور ادن کا جواب لاکر ان سے کہہ دیں۔ مولوی صاحب نے اس امر کو شاندار عہدہ ظاہر کر کے پہلے حضرت عمر کے خاندان کے حوالہ کیا اور اس کے بعد بار بار حضرت عمر کا فخر بھی قرار دیا صفحہ ۲۹ میں لکھا "یہ امر تمام مورخین نے باتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دے دیا تھا"۔ پھر صفحہ ۳۱ میں لکھا "یہاں تک کہ قریش نے ان کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا"۔ حالانکہ سفارت کانہ کوئی عہدہ تھا نہ منصب۔ مورخین نے بتصریح لکھا ہے "قصی مکہ کا خود مختار اور مستقل حاکم تسلیم کیا گیا اور سقایۃ اور رفادۃ اور حجابۃ اور ندوۃ اور لواء اور قیادۃ کے تمام عہدے اس کے ہاتھ میں آگئے۔ اصل میں خانہ کعبہ کے متعلق یہی چھ بڑی خدمتیں تھیں جن کی وجہ سے متولی کعبہ ہمیشہ عظمت بزرگی کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور سارا عرب اوس کا انتہا سے زیادہ ادب و احترام کرتا تھا" (مہات الامم ص ۳۳)

مولوی شبلی صاحب نے جناب عبد المطلب اور حرب بن امیہ کی نزاع کے متعلق بھی عجیب بات لکھی ہے "عبد المطلب اور حرب بن امیہ میں جب ریاست کے دعوے پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم مانا" (ص ۲۵)۔ اللہ اکبر ایسی دلیری!!! بات کیا تھی۔ اب ذرہ اس ریاست کے دعوے کی تحقیق بھی کرتے چلو۔ مورخین نے لکھا ہے "حضرت عبد المطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام اذینہ تھا۔ وہ تجارت پیشہ آدمی تھا جس کی وجہ سے اوس کے پاس بہت زیادہ دولت ہوگئی تھی۔ یہ بات حرب ابن امیہ کو جو معویہ کا دادا تھا بہت زیادہ ناگوار ہوتی۔ وہ اس بات پر جلتا کہ اس یہودی کو اتنی دولت کیوں ملتی جاتی ہے۔ یہ حرب حضرت عبد المطلب کا مصاحب بھی تھا غرض اس نے اپنے حسد سے مجبور ہو کر قریش کے کچھ جوانوں کو آمادہ کیا کہ کسی طرح اس یہودی کو قتل کردیں اور اوس کا مال لوٹ لیں۔ اس پر دو شخص (۱) عامر بن عبد مناف بن عبد الدار اور (۲) حضرت ابو بکر کے دادا صخر بن عمرو بن کعب تیمی نے مل کر اس یہودی کو قتل کر ڈالا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع جناب عبد المطلب کو ہوئی تو آپ نے اسکی تحقیق شروع کی کہ کس نے قتل کیا مگر ان کو کسی طرح پتا نہیں چلا پھر بھی وہ اس خیال سے باز نہیں آئے اور برابر اس فکر اور جستجو میں لگے رہے یہاں تک کہ ان کو معلوم ہو گیا کہ فلاں فلاں شخصوں نے اس کو قتل کیا ہے مگر وہ دونوں قاتل اصل بانی فساد حرب بن امیہ کی پناہ میں جاچکے تھے۔ تب جناب عبد المطلب

اسی حرب کے پاس گئے اور اسکی ملامت کی کہ تم نے اس یہودی کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے انھیں چھوڑ دو۔ لیکن حرب نے ان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا اور دونوں کو پوشیدہ کردیا۔ اتنی جناب عبد المطلب اور حرب کے درمیان بات بڑھ گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو بُرا کہا اور اپنے کو دوسرے سے افضل بتایا۔ جب کسی طرح بات ختم نہیں ہوئی تو منافرۃ (ایک دوسرے پر فخر یا محاکمہ کرنے یا حاکم کے پاس جاکر فیصلہ کرانے) کی ٹھہری۔ دونوں نے کہا آخر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلیں اور اوس سے فیصلہ کرائیں کہ ہم دونوں میں کس کا فخر زیادہ اور کس کا درجہ بڑھا ہوا اور کون افضل ہے۔ یہ بات طے ہوگئی اور دونوں نجاشی کے پاس پہونچے تو اوس نے انکے درمیان پڑنے اور فیصلہ کرنے سے قطعی انکار کردیا۔ تب اُن لوگوں نے مکہ معظمہ میں واپس آکر حضرت عمر کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ عدوی کو پنچ مقرر کیا۔ اوس نے فیصلہ دیتے وقت حرب بن امیہ سے کہا اتنافر رجلا الخ کیوں حرب! کیا تم اس عظیم الشان بزرگ اور سردار سے مقابلہ و مفاخرہ کرنے چلے ہو جو قد و قامت میں تم سے بلند اور شان و شوکت جلال و جمال نیز عظمت و وجاہت میں تم سے افضل ہیں۔ جو عزت میں تم سے کہیں بڑھے چڑھے اور ذلت و دنارت میں تم سے کہیں گھٹے ہوئے ہیں۔ جن کی اولاد تم سے زیادہ اور جن کی سخاوت و بخشش تم سے بہت بڑھی ہوئی ہے اور جو داد و دہش اور اقتدار و اختیار و دبدبہ و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہیں۔ میں یہ سب کہ رہا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اے حرب تم میں بھی کچھ خوبی ہے کیونکہ تم غیظ و غضب سے دور۔ عرب میں مشہور۔ اور اپنی قوم کی حمایت کے لئے مضبوط رسی ہو لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ تم نے اوس شخص سے مقابلہ و مفاخرہ کرنا چاہا ہے جسکے سامنے تم بالکل ہی حقیر و ذلیل ہو اس وجہ سے میرا فیصلہ بھی ایسا ہی ہوا۔ یہ سُنکر حرب ابن امیہ کو غیظ آگیا اور اوس نے کہا یہ بھی اس منحوس زمانہ کا انقلاب ہے کہ تمہارے ایسا شخص اس معاملہ میں پنچ بنا دیا گیا۔ اُسکے بعد جناب عبد المطلب نے حرب ابن امیہ کو اپنی مصاحبت سے نکال دیا اور عبد اللہ بن جدعان تیمی کو اوسکی جگہ مصاحب بنالیا۔ نیز آپ نے حرب بن امیہ سے سو اونٹنیاں وصول کیں اُن سب کو اوس مقتول یہودی کے چچا زاد بھائی کے حوالہ کردیا اور اوس یہودی کا سب کھویا ہوا مال بھی واپس مل گیا سوائے چند چیزوں کے جو کسی طرح دستیاب نہ ہوسکیں تو حضرت عبد المطلب نے اپنے مال سے ان چیزوں کا تاوان بھی اس یہودی کو ادا کردیا جس سے اونکی کل کمی پوری

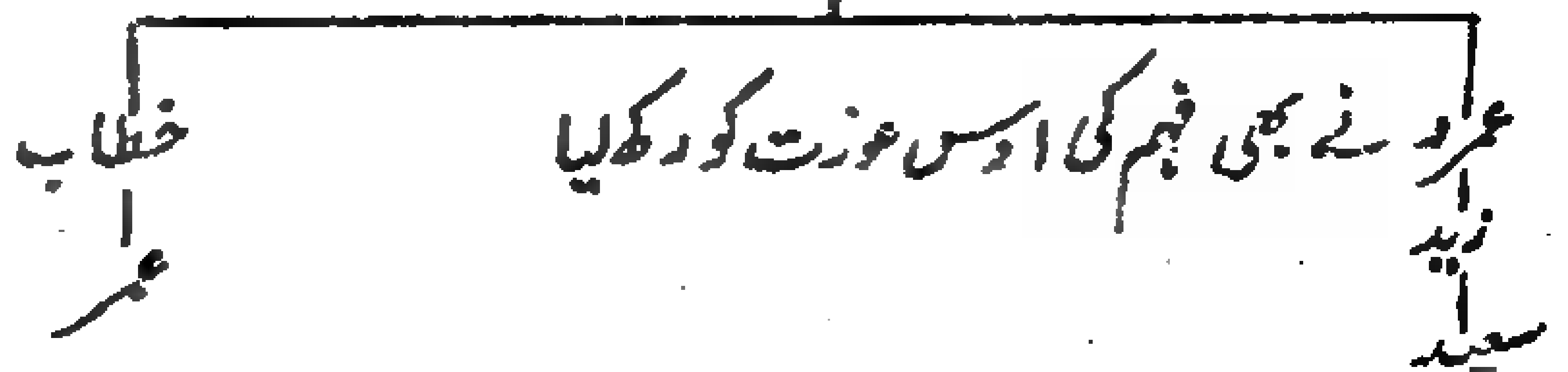
ہو گئی (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ)۔ کیا یہ حیرت خیز فن نہیں ہے کہ حضرت عبد المطلب اور حرب بن امیہ کے درمیان نزاع تو ہو یہودی کے قاتلوں کے متعلق اور مولوی شبلی صاحب اس اختلاف کو ریاست کے دعوے کی نزاع قرار دے دیں۔

یہ ضرور ہے کہ نفیل کو طرفین نے حکم بنایا مگر کب اور کیوں؟ چونکہ مکہ معظمہ میں ہر شخص کے تعلقات وہاں کے باشندوں سے وابستہ تھے۔ کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو درمیان میں پڑسکے۔ اسوجہ سے دونوں شخص نجاشی کے پاس گئے۔ جب اوس نے انکار کیا تو واپس آکر پھر مکہ ہی میں کسی ثالث کو تلاش کرنے لگے۔ اور اب نفیل کو آمادہ کیا۔ جو ان لوگوں کے خاندان سے نہیں تھا (کیونکہ جناب عبد المطلب و حرب ابن امیہ قریش سے تھے اور نفیل غیر قریش سے)۔ نفیل کو اس میں کیا عذر ہوتا فیصلہ کردیا۔ مگر اس فیصلہ پر حرب بن امیہ نے جس عبارت سے حرب بڑا اپنا غیظ و غضب ظاہر کیا وہ کاشف ہے کہ وہ لوگ ان لوگوں کو کس نظر سے دیکھتے تھے ومن انتکاس الزمان ان جعلت حکما یہ بھی زمانہ کی بدبختی اور نحوست ہے کہ تمہارے ایسا شخص پنچ بنادیا گیا۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ) ۔ اسکے علاوہ بھی جناب عبد المطلب اور دوسرے اہل مکہ سے اختلاف ہوا ہے تو ایسے ہی لوگ پنچ بنائے گئے جو درجہ میں ان لوگوں سے بہت گھٹے ہوئے تھے۔ مثلاً جب آپ نے چاہ زمزم کھودا ہے اور قریش نے چاہا کہ ان کو بھی اس میں حصہ ملے۔ اس پر اختلاف ہوا تو رائے ہوئی کہ بنی سعد کی کاہنہ کے پاس چلو جو مشارف شام میں رہتی ہے وہ جو کچھ فیصلہ کردے اس پر سب راضی ہوجائیں۔ سب وہاں چلے۔ راستہ میں جب پیاس سے جناب عبد المطلب وغیرہ ہلاکت کے قریب پہونچے تو خدا نے ان کے اونٹ کے پاؤں کے نیچے سے چشمہ نکال دیا جس پر یہ لوگ سیر ہوگئے۔ اور آپکی یہ کرامت دیکھکر آپ کے مخالفین بول اوٹھے کہ اے عبد المطلب! خدا کی قسم اللہ ہی نے ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کردیا اور تمہیں فتح دے دی۔ اب کاہنہ کے پاس چلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور سب وہیں سے پلٹ آئے[1] ظاہر ہے کہ شام کی وہ کاہنہ اہل مکہ سے زیادہ عزت و عظمت والی نہ تھی۔ لیکن بے تعلق شخص تھی اس وجہ سے سب نے اسی سے فیصلہ کا ارادہ کیا۔ اسی طرح عرب میں بکثرت واقعات موجود

[1] اس عظیم الشان واقعہ کی تفصیل تاریخ ائمہ صفحہ میں قابل دید ہے۔ یہاں بقدر ضرورت ذکر کیا گیا ۱۲ منہ

ہیں جن میں فیصلہ کرنے کے لئے معمولی درجہ کا شخص حکم بنا لیا گیا۔ حضرت علیؑ و معویہ میں ایک ایک حکم مقرر کئے گئے۔ ابو موسیٰ اشعری جو حضرت علیؑ سے بمراتب ادنیٰ درجہ کے تھے اور عمرو عاص جو معویہ سے بہت سے بہت گھٹا ہوا تھا۔ اور کبھی ان لوگوں نے یا ان کے طرفداروں نے اس بات پر فخر نہیں کیا کہ یہ عرب کے ایسے دو معزز شخصوں کے درمیان حکم بنائے گئے۔

اس کے بعد مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "نفیل کے دو بیٹے تھے۔ عمرو۔ خطاب۔ عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن ان کے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمر کے چچازاد بھائی تھے نہایت عالی درجہ شخص تھے۔ وہ اُن ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور موحد بن گئے تھے۔ ان میں زید کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں قیس بن ساعدۃ۔ ورقہ بن نوفل" (الفاروق ص۲) افسوس مولوی صاحب نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا جس میں ان لوگوں کے تفصیلی حالات دیکھے جاتے۔ نہایت تعجب کا امر ہے کہ انساب عرب کی جو بہت مشہور کتاب سبائک الذہب ہے اس میں نفیل کے صرف ایک بیٹے خطاب کا ذکر ہے۔ نہ عمرو کا بیان ہے اور ان کے فرزند زید کا البتہ علامہ ابن قتیبہ دینوری نے لکھا ہے امرأۃ من فہم کانت تحت نفیل بن عبد العزی جد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ فتزوجھا عمرو بن نفیل بعد ابیہ فولدت لہ زیدا فامہ ام الخطاب وزید ھذا ھو ابو سعید بن زید بن عمرو بن نفیل۔ خاندان فہم کی ایک عورت نفیل بن عبد العزے جد حضرت عمر بن الخطاب کے تصرف میں تھی۔ جب نفیل کا انتقال ہو گیا تو ان کے بیٹے عمرو بن نفیل نے اپنے باپ کے بعد ازکی اوس عورت کو (جو انکی حقیقی یا سوتیلی ماں تھی) اپنے تصرف میں رکھ لیا۔ تو اس عورت سے عمرو بن نفیل کے بیٹے زید پیدا ہوئے۔ اس طرح زید ہی کی ماں خطاب کی ماں تھیں اور یہ زید سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کے باپ تھے (معارف مطبوعہ مصر ص۲۷)۔ اب سلسلہ نسب اس طرح قائم ہوتا ہے۔ نفیل کی شادی فہم کی ایک عورت سے ہوئی



اسی طرح زید حضرت عمر کے چچا زاد بھائی ہوئے اور چچا بھی کیونکہ انکی دادی کے فرزند تھے۔ اور خطاب زید کے ماموں بھی ہوئے اور ان کے مادری بھائی بھی۔ اور فہم کی وہ عورت حضرت عمر کی حقیقی دادی بھی ہوئی اور حقیقی چچی بھی۔ اور عمرو اپنے والد نفیل کے بیٹے بھی ہوئے اور ہم زلف بھی۔ اور نفیل اس عورت کے شوہر بھی ہوئے اور خسر بھی۔ اور وہ عورت خطاب کی ماں بھی ہوئی اور بھاوج بھی۔ اور عمرو کی ماں بھی ہوئی اور بی بی بھی اور زید کی دادی بھی ہوئی اور ماں بھی۔ اور معلوم نہیں کون کون رشتہ پیدا ہو گئے۔ ممکن ہے انھیں رشتوں کی پیچیدگیوں کی وجہ سے علامہ سویدی نے نفیل کی اولاد میں عمرو کا ذکر اس مقام پر جہاں عدی کی اولاد کا ذکر کیا ہے یعنی صفحہ ۴۲ میں ترک کر دیا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ممدوح کو ان تعلقات کے نتائج بھی مکروہ معلوم ہوئے ہوں اس وجہ سے اس ذکر سے خاموش رہنا ہی بہتر نظر آیا ہو۔ ورنہ ایسے معزز حضرات کا تذکرہ چھوڑ دینے کی کوئی معقول وجہ نظر آتی ہی نہیں واللہ اعلم بالصواب۔ ممکن ہے اسی وجہ سے حضرت عمر بھی نسبی حالات کے بیان کو ناپسند کرتے ہوں۔ چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے بیان کیا ہے قال ابوعثمان و بلغ عمر بن الخطاب ان اناسا من رواۃ الاشعار و حملۃ الآثار یعیبون الناس و یسبونھم فی اسلافھم فقام علی المنبر و قال ایاکم و ذکر العیوب و البحث عن الاصول فلو قلت لا یخرج الیوم من ھذہ الابواب الا من لا وصمۃ فیہ لم یخرج منکم احد فقام رجل من قریش نکرہ ان نذکرہ فقال اذا کنت انا۔ ابوعثمان کہتے تھے کہ حضرت عمر بن الخطاب کو یہ خبر پہونچی کہ اشعار کے راویوں اور حالات کے واقفوں سے کچھ لوگ واقعات ماضیہ کی وجہ سے لوگوں کے نسبی عیبوں کو بیان کرتے اور گزشتہ لوگوں کے کچے چٹھے کھولتے رہتے ہیں تو آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا لوگو! خبردار نسبوں کے عیوب اور آباؤ اجداد کی پیدائش کی اصلوں اور طریقوں سے بحث نہ کیا کرو کیونکہ اگر آج میں یہاں حکم دوں کہ ان دروازوں سے اوس شخص کے سوائے جو نسبی عیوب اور خاندانی خرابیوں سے بالکل پاک ہو کوئی نہ نکلے تو تم میں سے کوئی شخص بھی نکل کر باہر نہیں جاسکے گا۔ حضرت ممدوح کی اس تقریر پر قریش کا ایک شخص جس کا ذکر میں پسند نہیں کرتا ہوں کھڑا ہوگیا اور حضرت عمر کو جواب دیا کہ اور کوئی نکلے یا نہ نکلے مگر میں ایسا ہوں کہ ضرور نکل جاؤں گا (شرح ابن ابی الحدید مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۲)

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

قلت الرجل الذی قام هو المهاجر
بن خالد بن الولید بن مغیرة
المخزومی کان عمر یبغضه لبغضه
اباه خالد اولان المهاجر
کان علوی الهوی جدا وکان
اخوه عبد الرحمن بخلافه شهد
المهاجر صفین مع علی علیه السلام
وشهدها عبد الرحمن مع معویة
وکان المهاجر مع علی فی یوم الجمل
وفقئت ذلک الیوم عینه
ولان الکلام الذی بلغ عمر بلغه
عن المهاجر ... ذکر ذلک عنه ابن
قتیبه فی کتاب المعارف وروی
ابو الحسن المدائنی هذا الخبر
فی کتاب امهات الخلفاء وقال
انه روی عند جعفر بن محمد علیه السلام
بالمدینة فقال لا تلمه یا ابن
اخی انه اشفق ان یخلج بقضیة
نفیل بن عبد العزی و
صهاک امة الزبیر بن عبد المطلب

میں کہتا ہوں وہ شخص جو حضرت عمر کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا تھا مہاجر بن خالد بن الولید بن مغیرہ مخزومی تھا۔ حضرت عمر اس کو بسبب اس کے باپ کے بغض رکھنے کے دشمن رکھتے تھے۔ اور حضرت عمر مہاجر کو اس وجہ سے بھی دشمن رکھتے تھے کہ یہ (مہاجر) حضرت علیؑ کا بڑا طرفدار تھا۔ اس کے خلاف اس کا بھائی عبد الرحمن تھا جو جنگ صفین میں معویہ کی طرف تھا اور مہاجر جنگ صفین و جنگ جمل میں بھی حضرت علیؑ کی طرف تھا۔ اسی جنگ میں اسکی ایک آنکھ بھی جاتی رہی تھی۔ اور اس سبب سے بھی حضرت عمر مہاجر کے خلاف ہوئے کہ وہ بات جس پر حضرت عمر نے وہ خطبہ دیا تھا مہاجر ہی نے کہی تھی۔ ان امور کو علامہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں لکھا ہے۔ اور علامہ ابو الحسن مدائنی نے بھی یہ خبر اپنی کتاب امہات الخلفاء میں بیان کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو حضرت عمر کے اس غیظ و غضب کا واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا اے بھائی ان کی ملامت نہ کرو۔ وہ اس امر سے ڈرے کہ کہیں ان کے دادا نفیل اور زبیر بن عبد المطلب کی لونڈی صہاک کا قصہ نہ چھڑ جائے۔ اور اس سے ان پر چوٹ نہ پڑے۔

پھر علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

ثم نعود لاتمام حکایة کلام شیخنا
ابی عثمان قال ومتی یقدر الناس

اب ہم اپنے استاد ابو عثمان کے بقیہ کلام کو تمام کردیں انھوں نے پھر فرمایا خدا تمہاری حفاظت کرے بتاؤ تو

حفظك الله على رجل مسلم من
كل أبنة وميرا من كل آفة في
جميع آبائه وامهاته واسلوفه
واصهاره حتى تسلم له اخواله و
اعامه وخالاته وعماته واخواته
وبناته وامهات نسائه وجميع
من يناسبه من قبل جداته
واجداده واصهاره واختانه
ولوكان ذلك موجود الماكان
لنسب رسول اللهؐ فضيلة
في النقاء والتهذيب و
في التصفية والتنقيح۔
قال رسول اللهؐ ما مسني
عرق سفاح قط ومازلت
انتقل من الاصلاب السليمة
من الوصوم والارحام
البرية من العيوب۔
فلسنا نقضي لاحد
بالنقاء من جميع الوجوه
الا لنسب من صدقه
القرآن واختاره الله
على جميع الانام والا
فلا بد من شئ يكون في
نفس الرجل او في طرفيه

لوگوں کو ایسا شخص کب مل سکتا ہے جو ہر نسبی عیب اور
ہر خاندانی دغلہ پن سے بچا ہو۔ اوس کے کل باپ
دادا بھی اس سے محفوظ ہوں۔ اوس کی ماں ماموں
خالہ نانا نانی بھی۔ اس کے بزرگ بھی اور اوداکے
سسرالی رشتہ دار بھی یہاں تک کہ اس کے کل ماموں
چچا۔ خالائیں۔ پھوپھیاں۔ بہنیں۔ بیٹیاں۔ بی بی
کی ماں دادی نانی اور بھی جو لوگ اسکی دادی اور
دادا۔ نانی۔ نانا سسرالی رشتہ داروں اور دامادوں
کے رشتہ کے ہوں۔ سب ہی ایسی خرابیوں سے
بچے ہوں اور کسی میں کوئی دھبہ نہ لگا ہو۔ اگر ایسے
لوگ موجود ہوتے تو نسب کی پاکیزگی۔ صفائی۔ اصلیت
خوبی وغیرہ اوصاف میں حضرت رسولخدا صلعم
کے نسب کی کوئی فضیلت ہی نہیں ہوتی۔ حضرت
رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ زنا یا حرام کاری کا
شائبہ بھی میرے خاندان میں نہیں آیا۔ بلکہ
میں ہمیشہ ایسے صُلبوں سے جو کل عیوب سے
پاک اور محفوظ تھے۔ ایسے رحموں میں منتقل ہوتا
رہا جو ہر خرابی۔ ہر بُرائی۔ ہر قابل نفرت بات
سے بالکل صحیح وسالم تھے۔ ان وجوہ سے ہم
کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ نہیں کرسکتے کہ وہ
ہر طرح نسبی بُرائیوں سے پاک ہے سوا سے
اوس بزرگ کے نسب کے جسکی تصدیق قرآنمجید
نے کی اور جسکو اللہ نے سب مخلوق پر برگزیدہ کیا
ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کی ذات یا اسکی

او فی بعض اسلافه او فی بعض اصهاره ولکنه یکون مغطی بالصلاح ومحجوبا بالفضائل ومغمورا بالمناقب فلو تاملت احوال الناس لوجدت اکثرهم عیوبا اشدهم تعییبا۔ (شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صہ ۲۵۹۲۴)

دادیہال یا ناہیال یا اس کے بعض بزرگوں یا اسکے سسرالی رشتہ داروں میں کوئی نہ کوئی عیب یا دھبا ضرور ملے گا لیکن وہ داغ اسکی نیکی سے ڈھک گیا اور اوسکے فضائل سے چھپ گیا ہوگا اور اوسکی خوبیوں سے اس پر پردہ پڑ گیا ہوگا اب اگر لوگوں کے خاندانی حالات کی تم تفتیش کرو تو دیکھو گے کہ جو لوگ دوسروں کے عیوب زیادہ بیان کرتے ہیں اونھیں میں سب سے زیادہ عیوب موجود ہیں۔

غالباً اِنھیں وجوہ سے حضرت عمر کو اس میں بڑا اہتمام رہتا کہ لوگوں کے نسبی حالات نہ بیان کئے جائیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔ اسس آیۃ کی تفسیر میں یا ایھا الذین آمنوا لا تسألوا عن اشیاء ان تبد لکم تسوءکم۔ مسلمانو! ایسی باتیں مت پوچھو جو اگر بیان کی جائیں تم سے تم کو بری لگیں (پ ۷ ع ۴)

فقال یا رسول اللہ من ابی قال ابوک فلان فقام الیہ عمر فقبل رجله وقال یا رسول اللہ رضینا باللہ ربا وبک نبیا وبالقرآن اماما فاعف عنا عفا اللہ عنک فلم یزل به حتی رضی فیومئذ قال الولد للفراش وللعاهر الحجر وانزل علیه قد سالها قوم من قبلکم (تفسیر در منثور جلد ۲ صہ ۳۳۵)

کہ ایکدفعہ حضرت رسولخدا صلعم سے ایک صحابی نے کہا اے رسولخدا میرا باپ کون تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا فلاں شخص تھا۔ اس پر حضرت عمر کھڑے ہوگئے اور آنحضرتؐ کا پاؤں چوم کر کہا اے رسولخدا ہم لوگ اللہ کو رب آپ کو نبی اور قرآن کو امام ماننے پر راضی ہوگئے۔ اب آپ ہم لوگوں کو معاف کر دیجئے خدا بھی آپ کو معاف کرے گا۔ غرض حضرت عمر اسی طرح اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرتؐ راضی ہوگئے اور اوسی روز حضرتؐ نے فرمایا کہ شوہر کے لئے لڑکا ہے اور زناکار کے لئے پتھر ہے اور حضرت پر یہ آیۃ نازل ہوئی قد سألها الآیۃ

جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے اس کا خلاصہ اردو زبان میں اس طرح کیا ہے "کیونکہ بے ضرورت پوچھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اور مشکل بڑھ جاتی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرتؐ خطبہ سنا رہے تھے ایک شخص نے آپ سے پوچھا میرا باپ کون تھا (عبداللہ بن حذافہ نے۔ لوگ ان کا باپ حذافہ ہونے میں شبہ کرتے تھے) آپ نے فرمایا تیرا باپ فلانہ ہے (حذافہ)۔ جیسے دوسری روایۃ میں ہے" (تفسیر وحیدی صـ۱۶۲)

اور علامہ فخرالدین رازی نے لکھا ہے روی انس انھم سألوا النبیؐ فاکثروا المسئلۃ فقام علی المنبر فقال سلونی فواللہ لا تسألونی عن شئی مادمت فی مقامی ھذا الا حدثتکم بہ فقام عبداللہ بن حذافۃ السھمی وکان یطعن فی نسبہ فقال یا نبی اللہ من ابی فقال ابوک حذافۃ بن قیس ... ولما اشتد غضب الرسول قام عمر وقال رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا فانزل اللہ تعالیٰ ھذہ الآیۃ۔ واعلم ان السوال عن الاشیاء ربما یؤدی الی ظھور احوال مکتومۃ یکرہ ظھورھا وربما ترتبت علیہ تکالیف شاقۃ صعبتہ فالاولی بالعاقل ان یسکت عما لا تکلیف علیہ فیہ۔ الا ترے ان الذی سال عن ابیہ فانہ لم یامن ان یلحقہ الرسول علیہ الصلاۃ والسلام بغیر ابیہ فیفتضح۔ جناب انس سے روایت ہے کہ لوگوں نے حضرت رسولخدا صلعم سے بہت سی باتیں پوچھنا شروع کیں۔ اور سوالوں کی بھرمار کر دی۔ اس پر آنحضرت منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا اب مجھ سے پوچھو! خدا کی قسم جب تک میں اس جگہ کھڑا ہوں تم لوگ جو بات بھی مجھ سے پوچھتے جاؤ گے میں سب تم لوگوں کو بتاتا جاؤنگا حضرتؐ کا یہ قول سن کر عبداللہ بن حذافہ اسھمی کھڑا ہو گیا۔ یہ وہ شخص تھا جکے نسب میں بڑی بڑی خرابیاں بیان کی جاتی تھیں۔ اس نے پوچھا اے رسولخدا میرا باپ کون تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ بن قیس تھا... اور جب حضرتؐ کا غضب بہت زیادہ ہو گیا تو حضرت عمر نے کھڑے ہو کر کہا ہم اللہ کو اپنا پروردگار۔ اسلام کو اپنا دین۔ اور محمدؐ کو اپنا نبی ماننے پر راضی ہو گئے۔ اس پر خدا نے یہ آیۃ نازل کی۔ اب اس بات کو سمجھو کہ بہت سے امور کا سوال بعض اوقات ایسی پوشیدہ باتوں کے ظاہر ہو جانے کا

باعث ہوتا ہے جن کے فاش ہونے سے لوگوں کو بڑی اذیت ہوتی ہے اور اکثر اوقات ایسی باتوں پر شاق اور صعب تکلیفیں مترتب ہونے لگتی ہیں۔ پس عاقل کے لیۓ مناسب یہ ہے کہ جس بات کی اس کو ضرورت نہ ہو اوسکے سوال کرنے سے سکوت ہی اختیار کیۓ رہے۔ کیا تم اوس شخص کو خیال نہیں کرتے جس نے اپنے باپ کے بارے میں سوال کیا۔ اس کو یقینا اس بات سے اطمینان نہیں تھا کہ حضرتؐ اس کا باپ کسی دوسرے شخص کو نہ بتادیں۔ اس صورت میں (کہ حضرت اس شخص کا باپ مشہور شخص کے علاوہ کسی اور کو بتادیتے) وہ کس درجہ فضیحت ہوجاتا (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۶۷۷)

ان تمام عبارتوں سے بھی اس کا پتا نہیں چلا کہ حضرت عمر کے لیۓ کیا وجہ ہوئی جس سے آپ نے آنحضرت صلعم کو اس درجہ راضی کرنے کی کوشش کی کہ حضرتؐ کا پاؤں چوم لیا اور بات ختم کرنے پر اصرار کیا۔ اس سبب سے سابق زمانہ کی کتابیں ڈھونڈھنے کا موقع ملا۔ علامہ طبری کی تفسیر میں ایک روایۃ ملی جس سے ممکن ہے اس مسئلہ پر کچھ روشنی پڑ سکے:۔

عن ابی ھریرۃ قال خرج رسول اللہ وھو غضبان محمار وجھہ حتے جلس علے المنبر فقام الیہ رجل فقال این ابی قال فی النار فقام آخر فقال من ابی۔ قال ابوک حذافۃ۔ فقام عمر بن الخطاب فقال رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمدؐ نبیا وبالقرآن اماما انا یارسول اللہ حدیثو عھد بجاھلیۃ وشرک واللہ یعلم من آبائنا۔ قال فسکن غضبہ ونزلت یاایھا الذین آمنوا لاتسألوا الآیۃ (تفسیر طبری مطبوعہ

جناب ابو ہریرہ سے روایۃ ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلعم بہت غضبناک تشریف لاۓ غیظ و غضب سے آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور منبر پر بیٹھے۔ تو حضرتؐ کے سامنے ایک شخص کھڑا ہوگیا اور پوچھا میرا باپ کہاں ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا جہنم میں۔ دوسرا کھڑا ہوا پوچھا میرا باپ کون تھا؟ فرمایا حذافہ۔ اس پر حضرت عمر کھڑے ہوگۓ اور کہا ہم اللہ کو رب۔ اسلام کو دین۔ محمدؐ کو نبی اور قرآن کو پیشوا ماننے پر راضی ہیں۔ اے رسولخداؐ ہم لوگوں کی جاہلیۃ کا زمانہ ابھی گزرا ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ داتا ہم لوگوں کے باپ دادا کون تھے۔ اس پر آنحضرتؐ کا غضب فرو ہوا۔ اور یہ آیۃ نازل ہوئی اے ایمان والو ان باتوں کو نہ پوچھو

حضرت عمر
Hazrat

مصر جلد ۷ صفحہ ۴۹) | جن کے کھلنے سے تم لوگوں کو رنج و اندوہ ہو۔

اس سے پہلے (صفحہ ۲۲۶ و ۲۲۷ میں) علامہ ابن ابی الحدید کی یہ زوردار عبارت گزر چکی ہے کہ زمانہ جاہلیۃ میں (سوائے خاندان حضرت رسولخدا صلعم کے) کون شخص ایسا مل سکتا ہے جسکی ذات یا اسکے بزرگوں یا دادیہالی نانہالی سسرالی رشتہ داروں یا پورے خاندان میں نسب و نسل کا کوئی داغ کوئی خرابی۔ کوئی عیب۔ کوئی شرمناک دھبہ نہ ملے سلہ اوسکی تصدیق حضرت رسولخدا صلعم کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے

سلہ ممکن ہے یہاں کوئی شخص یہ کہے کہ نسبی خرابیوں کی طرف توجہ کرنا اہل عقل کا کام نہیں ہے باپ دادا نے کوئی کام کیا تو اوس کا اثر صرف انھیں تک محدود رہے گا۔ اگر حرام کاری کی تو اوس زمانہ میں وہی بدنام ہونگے۔ اگر کوئی شرمناک حرکت کی تو اسکی ذلت کا سہرا بھی انھیں کے سر رہے گا۔ اولاد اس کا نتیجہ کیوں برداشت کریگی درصورتیکہ اس کا کوئی اختیار اپنے وجود اور اپنی ولادت میں نہیں تھا۔ اور خدا نے بھی فرمایا ہے کہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا خدا کسی شخص کو ایسے امر کی تکلیف نہیں دے سکتا جو اسکے اختیار سے باہر ہو لا تزر وازرۃ وزر اخرے کبھی کوئی شخص دوسرے کی برائیوں کا بوجھ نہیں اوٹھائیگا۔ انسان کی عزت و بزرگی کے متعلق بھی خدا نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اسکے والدین نیکوکار ہونگے۔ تب اسکی عزت ہوگی یا وہ حلال زادہ ہوگا تب اوسکو کوئی شرف ہوگا یا اس کا خاندان نسبی عیوب سے محفوظ ہوگا تب وہ اچھی نظروں سے دیکھا جائیگا بلکہ اس نے تو صاف صاف فرمادیا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم تم لوگوں میں جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے۔ تقوے پرہیزگاری کرنے والے ہونگے وہی سب سے زیادہ اسکے سامنے شرافت۔ معزز اور قابل قدر ہونگے پس اگر کوئی شخص والدین کی طرف سے کتنا ہی برا ہو۔ یا اسکی ولادت کتنی ہی شرمناک صورت سے ہوئی ہو خود اچھے کام کرے۔ خود عزت و آبرو کا سامان پیدا کرلے جو شرف و بزرگی کے اونچے درجہ پر پہنچ جائے تو عقل و شرع دونوں کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اسکی مدح و قدر کرو اور اسکے نسبی دھبوں کو بھول جاؤ۔ اس صورت میں اسکے

کہ جب لوگوں نے حضرتؓ سے اپنے آبار و اجداد کے پتے دریافت کرنا شروع کئے تو حضرتؓ کو نہایت درجہ غیظ و غضب آگیا۔ غالباً اسی خیال سے کہ اگر میں انکے اصلی آبار و اجداد کو بتاتا ہوں تو ان صحابہ کرام کی فضیحتی ہوتی ہے۔ اور اگر میں بھی انکے مشہور اور غلط بزرگوں کا نام لیتا ہوں جن کے بیٹے یا پوتے یہ لوگ اب سمجھے یا پکارے جاتے ہیں تو دشوار تر امر ہو جاتا ہے کیونکہ اس طرح مجھ سے کذب کا ارتکاب ہوتا ہے۔ غرض حضرتؓ کو شدید پریشانی ہوئی کہ ہر شخص اسی طرح دریافت کرتا جائیگا تو کس کو کس کو کیا جواب دوں گا۔ اوس وقت حضرت عمرؓ نے اپنے حسن تدبیر سے ایسی دانائی اور انجام بینی کو راہ دیا جس سے بات بن گئی۔ ممکن ہے موصوف کو بھی خوف ہوا ہو کہ جب نسبی عیوب اور خاندانی مطاعن کی بحث چھڑ گئی تو نہ معلوم کس کس خاندان کے حالات منکشف ہو جائیں۔ اسی سبب سے آپ نے اس تذکرہ کا دروازہ بند کر دینے ہی میں مصلحت دیکھی اور اس کے لئے ایسا عنوان اختیار کیا جس سے سائلین کو بھی خاموش ہو جانا پڑا اور آنحضرتؐ کا غیظ و غضب بھی رفع ہو گیا۔ بات کرتے کرتے پاؤں چومنے لگنا ایسا دل فریب عمل ہے کہ جس کا پاؤں چوما جاتا ہے اسکو بھی رحم آجاتا ہے اور دیکھنے والوں کے دلوں میں بھی ہمدردی کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں۔ اسکے ساتھ آپ نے اپنی طرف سے صحابہ کرام کی جانب سے اور خود حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۳) آبائی معائب کا نام لینا کیسا تصور بھی نہیں کرنا چاہیئے بلکہ محض اس کے ذاتی محاسن اور شخصی کمالات و فضائل کا لحاظ کرنا ہمارا عقلی و مذہبی فریضہ ہوگا۔ یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے۔ قرآن مجید بھی اس کی تائید کرتا اور بزرگان دین کے اقوال میں بھی اس کے موافق چیزیں موجود ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شرف نسب۔ علوے خاندان۔ طیب ولادت اور نجابت والدین لاشیٔ محض ہیں اس کا کوئی خیال ہی نہیں کرنا چاہیئے یا یہ چیزیں قابل لحاظ نہیں ہیں۔ اونکی طرف توجہ کرنا اہل عقل کا کام نہیں ہے اور یہ کہ ان امور کو خدا اور رسولؐ نے بھی کوئی حسن نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ جس شخص میں محض نسبی شرف اور فضیلت ہو اوسکو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہماری خاندانی عزت۔ ہماری آبائی منزلت۔ ہمارے بزرگوں کی عظمت و جلالت ہماری قدر کے لئے

رسولخدا صلعم کے جواب کی حیثیت سے بھی بہترین بات کہ دی کہ واللہ اعلم من آبائنا یعنی خدا ہی کو معلوم ہے کہ واقعاً ہم لوگوں کے آباد اجداد کون تھے۔ یعنی اب نہ ہم لوگ حضور سے پوچھیں گے کہ ہمارے باپ دادا یہی ہیں یا کوئی اور تھے۔ اور نہ خود اون لوگوں کا نام لینگے جن کو لوگ ہمارے آباد اجداد کہتے یا سمجھتے ہیں بلکہ اس مسئلہ کو خدا ہی کے حوالہ کردیتے ہیں۔ تب حضرت کا غیظ رفع ہوا اور حضرتؐ کو تسکین ہوئی اور خدا نے بھی صحابہ کرام کو سمجھایا کہ ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جنکی وجہ سے تم لوگوں کی عزت و آبرو کے پردے چاک ہوجائیں اور سربستہ راز فاش ہوکر تم سب کی ذلت و شرم کا سامان مہیا کردے۔

(بقیہ حاشیہ صـ۲۳۱) کافی ہے۔ اب ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں کسی خوبی کے پیدا کرنے کی کوشش کرنا بیکار ہے۔ اب ہم خواہ کیسے ہی برے ہوں لوگوں کو ہماری تعظیم ہی کرنا مناسب ہے۔ بلکہ اوس شخص کو اپنے بزرگوں کے فضائل و مناقب کی طرف سے چشم پوشی کرکے اپنے میں بھی خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اسے اپنے کو ذاتی اوصاف حسنہ مثل علم و فضل۔ تقوےٰ۔ زہد۔ ورع۔ خدمت دین۔ خدمت قوم۔ خدمت ملک۔ خدمت بنی نوع انسان سے آراستہ کرنا چاہیئے۔ دنیا کی جائز اور پسندیدہ ترقی کی جد و جہد میں لگنا چاہیئے۔ اپنے اعمال و اخلاق سے لوگوں کا اپنا گرویدہ کرنا چاہیئے۔ اپنی حسن تدبیر۔ اپنی محنت۔ اپنی ریاضت اپنی دماغی قوت سے لوگوں کے نفع رسانی کے اسباب مہیا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔ غرض مفید علم و عمل کے جس قدر شعبے ہیں ان سب کو بدرجہ اتم و بوجہ اعلےٰ اپنے قبضہ میں لانے کی سعی میں ہر شخص کو مصروف رہنا چاہیئے تاکہ اس کی ترقی بھی ہو۔ اس کے خاندان کا نام بھی روشن ہو۔ اس کے ذریعہ سے دوسروں کی بھلائی بھی ہو۔ اور اسکے کمالات سے وہ خود بھی منتفع ہو اور اسکی برادری اور قوم والوں کو بھی اس کی وجہ سے پوری قوت حاصل رہے۔ اس کا نام روشن اور اسکے ہم مذہب و ہم ملت افراد کا وزن بڑھتا جائے اسکی زندگی سے اس کے وطن والوں کی طاقت زیادہ ہوتی جائے۔ اور اوس کے کارنامے آئندہ لوگوں کو بھی نفع پہونچائیں اور اس سے معزز اولاد پیدا ہوتی اور ترقی کرتی رہے ۱۲

علامہ ابن ابی الحدید نے کچھ اور باتیں بھی ایسی لکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا لوگوں کے نسبی حالات کی تحقیق سے روکنا ہی مصلحت وقت کے مناسب تھا۔ مثلاً تحریر کرتے ہیں قدم عمرو بن العاص علی عمر وکان والیا لہ علی مصر فقال لہ فی کم سرت - قال فی عشرین - قال عمر لقد سرت سیر عاشق - فقال عمرو انی واللہ ما تابطتنی الاماء ولا حملتنی فی غبرات المآلی - فقال عمر واللہ ما ھذا بجواب الکلام الذی سألتک عنہ - وان الدجاجۃ لتفحص فی الرماد فتضع لغیر الفحل - وانما تنسب البیضۃ الی طرقہا - فقام عمرو مربد الوجہ قلت المآلی خرق سود یحملہا النوائح ویسرن بہا بایدیہن عند اللطم - واراد خرق الحیض ھھنا وشبہہا بتلک وانکر عمرو فخرہ بالامہات وقال ان الفخر للاب الذی الیہ النسب - وسألت النقیب اباجعفر عن ھذا الحدیث فی عمرو - فقال ان عمرا فخر علی عمر لان ام الخطاب زنجیۃ تعرف بباطحلی تسمی صہاک - فقلت لہ وام عمرو النابغۃ امۃ من سبایا العرب - فقال امۃ عربیۃ من عنزۃ سبیت فی بعض الغارات فلیس یلحقہا من النقص عندھم ما یلحق الاماء الزنجیات فقلت لہ اکان عمرو یقدم علی عمر بمثل ھذا القول - قال قد یکون بلغہ عنہ قول قادح فی نفسہ فلم یحتملہ لہ ونفث بما فی صدرہ منہ وان لم یکن جوابا مطابقا للسوال - وقد کان عمر مع خشونتہ یحتمل نحو ھذا فقد جبہہ الزبیر مرۃ وجبہہ یحیی کلامہ یمططہ وجبہہ سعد بن ابی وقاص ایضا فاغضی عنہ - ومر یوما فی السوق علی ناقۃ لہ فوثب غلام من بنی ضبۃ فاذا ھو خلفہ فالتفت الیہ فقال ممن انت قال ضبی قال جسور واللہ - فقال الغلام علی العدو - قال عمر وعلی الصدیق ایضا - ما حاجتک - فقضی حاجتہ ثم قال دع الآن لنا ظہر راحلتنا - ایک دفعہ عمرو عاص جو حضرت عمر کی طرف سے مصر کے گورنر تھے حضرت عمر کی خدمت میں کسی ضرورت سے آئے تو دونوں صاحبوں میں حسب ذیل باتیں ہوئیں:

حضرت عمر۔ تم مصر سے یہاں تک کتنے دنوں میں پہونچے؟

عمرو عاص۔ بیس دنوں میں۔

حضرت عمر۔ واہ تم اس درجہ تیز چلے جتنا جلد کوئی عاشق اپنے معشوق کی طرف جاتا ہے۔

عمرو عاص۔ خدا کی قسم میں وہ تو ہوں نہیں جس کو لونڈیوں نے اپنی گود میں کھلایا یا پرورش کی ہو اور نہ وہ ہوں جس کو فاحشہ عورتوں نے حیض کے لتوں میں اوٹھایا ہو!!!

حضرت عمر۔ میں نے تم سے جو بات پوچھی ہے خدا کی قسم اوس کا جواب یہ نہیں ہے۔ البتہ مرغی راکھ کو کریدتی اوس میں گڈھا کرتی اوس میں لوٹتی ہے اور بغیر اسکے کہ اس کا کوئی خلط ملط ہو انڈا دیتی ہے اور انڈا اوسی کی طرف نسبت دیا جاتا ہے جس کا وہ نطفہ ہو۔ یہ سنکر عمرو عاص حضرت عمر کے پاس سے سیاہ رو ہو کر اوٹھ گئے[1] میں کہتا ہوں کہ نالی وہ

[1] مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے "انہ قام من عند عمر مبلا وجہ عمرو بن عاص حضرت عمر کے پاس سے منہ تیرہ ہو کر اوٹھے۔ کیا حضرت عمر کو بھی معاویہ سمجھے تھے" (انوار اللغۃ پ۱۰ ص۱۵۱)۔ اس جواب سے حضرت عمر کی حاضر جوابی۔ ذہن کی رسائی۔ عقل کی تیزی۔ فہم کی زیرکی۔ علم ادب کی قوت اور حُسنِ کلام کی طاقت اچھی طرح نمایاں ہے۔ عمرو عاص نے حضرت عمر پر چوٹ کی کہ میں ایسا نہیں ہوں جیسے آپ ہیں کیونکہ نہ میری ماں لونڈی۔ نہ میری دادی لونڈی۔ نہ میری بزرگوں میں کوئی حبشن تھی۔ پھر آپ کس منہ سے مجھ پر حملہ کرتے ہیں۔ اسکے جواب میں حضرت عمر نے وہ کلام کیا جس نے عمرو عاص کی پھڑکتی ہوئی رگ پکڑلی اور ایسا گھرا وار کیا کہ عمرو عاص کو وہاں سے اوٹھ جانے کے سوائے کوئی چارہ کار نظر نہیں آیا۔ اس عبارت میں چند جملے خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ حضرت عمر نے عمرو عاص سے تو صرف یہ کہا کہ تم اس قدر تیز چلے جتنا کوئی عاشق اپنے معشوق کی طرف جاتا اور اوسکے پاس جلد از جلد پہونچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں ممدوح نے کوئی بری بات نہیں کہی لیکن اسکے جواب میں عمرو عاص نے کہا کہ لونڈیوں نے مجھے گود میں نہیں کھلایا۔ یہ بالکل بے تکی بات تھی۔ سوال از آسمان۔ جواب از ریسماں اسی کو کہتے ہیں۔ مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں "ما تابطنی الاماء مجھ کو چھوکریوں (لونڈیوں) نے نہیں کھلایا (انوار اللغۃ پارہ ۔ اص۱)۔ یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عمر نے عمرو عاص پر یہ اعتراض نہیں کیا تھا کہ تم کو لونڈیوں نے کھلایا ہے۔ پھر عمرو عاص کا مقصود یہی تو ہوا کہ آپ میں یہ خوبی موجود ہے کہ آپ کے گھر والی لونڈیاں تھیں۔ انھیں سے آپ پیدا ہوئے۔ انھیں

سیاہ چیتھڑے ہوتے ہیں جن کو نوحہ کرنے والی عورتیں اوٹھائے پھرتی ہیں اور میت پر روتے وقت اپنا منہ پیٹنے کے لئے وہ ان چیتھڑوں سے کام لیتی ہیں۔
اور اس مقام پر عمرو عاص کی مراد اس لفظ سے حیض کے لتے ہیں۔ اور ان لتّوں کو

(بقیہ حاشیہ صـــ۲۴۴) کی گود میں کھیلے اور اونھیں کی گود میں پرورش پائی۔ اسکے بعد عمرو عاص نے کہا ولاحملتنی فی غبرات المالی۔ اسکے بارے میں مولوی صاحب لکھتے ہیں "انی واللہ ما تابطتنی الاماء ولاحملتنی البغایا فی غبرات المالی۔ عمرو عاص کہتے ہیں قسم خدا کی مجھکو لونڈیوں نے بغل میں نہیں لیا (نہیں کھلایا) اور نہ بدکار عورتوں نے مجھکو بقیہ ایام حیض میں پیٹ میں اوٹھایا (مطلب یہ کہ میں ولدالزنا اور ولدالحیض نہیں ہوں جیسے لوگ مجھ کو کہتے ہیں۔ ان کے افعال کو دیکھتے تو ضرور دال میں کالا معلوم ہوتا ہے۔ انکی ماں نابغہ عرب میں بدنام تھی واللہ اعلم" (انوار اللغتہ جلد ۲۴ صـــ۲) ایک اور موقع پر ممدوح لکھتے ہیں "ولاحملتنی البغایا فی غبرات المالی مجھ کو فاحشہ عورتوں نے حیض کے لتوں میں نہیں اوٹھایا یعنی میں لونڈیوں کی گود میں پرورش نہیں ہوا" (انوار اللغتہ پارہ ۱۹ صـــ۲)۔ مولوی صاحب نے عمرو عاص کا مطلب نہیں سمجھا۔ وہ درحقیقت اپنے متعلق یہ باتیں نہیں کہتے تھے کیونکہ ان کا ماں کی طرف سے معیوب ہونا بالکل واضح تھا جس کو عرب کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ وہ واقعاً اپنے عیب کے مقابلہ میں دوسروں کے عیوب کا ذکر کر رہے تھے۔ ممکن ہے حضرت عمر کا اشارہ اس طرف رہا ہو کہ تم نے مجھ پر حملہ کیا کہ میری دادی حبشن لونڈی تھی جس نے میرے باپ کو بھی جنا اور مجھے بھی اپنی گود میں کھلایا مگر اپنے کو خیال نہیں کرتے کہ تمہاری ماں عرب کی کیسی مشہور بدنام عورت تھی جسکی برائیوں سے ہر شخص واقف تھا اور ہے۔ میری دادی یا نانی یا ماں کے حبشن ہونے سے مجھ میں کوئی عیب نہیں ہو سکتا کیونکہ میرے باپ دادا کا پتا تو ہے اور اولاد اپنے باپ دادا ہی کی طرف منسوب ہوتی اور ادسی کی بولی جاتی ہے۔ برخلاف تمہارے کہ تمہاری ماں میری ماں سے گو بہت زیادہ شریف اور معزز تھی مگر خود ایسی خراب چال چلن کی تھی کہ آج تک معلوم نہیں ہو سکا تم کس کے بیٹے ہو۔ صرف عاص سے تمہاری کچھ صورت

اونھوں نے حیض کے لتوں سے تشبیہ دی۔
اور حضرت عمر ماں پر فخر کرنے کو ناپسند کرتے اور کہتے تھے کہ فخر تو بس باپ کے اوپر کرنا چاہیئے کہ اسی کی طرف آدمی منسوب ہوتا ہے۔ ماں کوئی بھی ہو اس کا خیال نہیں کرنا چاہئیے
اور مجھ (ابن ابی الحدید) اور نقیب ابو جعفر میں اس بات کے متعلق ایک دفعہ اس طرح باتیں ہوئیں:۔
میں۔ حضرت عمر کی اس گفتگو کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ کے کس عیب کا ذکر عمرو عاص نے کیا؟
نقیب۔ بات یہ ہے کہ عمرو عاص نے حضرت عمر پر اس وجہ سے فخر کیا کہ حضرت عمر کی دادی (خطاب کی ماں) ایک حبشن لونڈی تھیں جن کا نام صہاک تھا اور جو باطلی کے لقب سے مشہور تھیں۔
میں۔ لیکن عمرو عاص کی ماں نابغہ بھی تو عرب کی لونڈیوں ہی سے ایک لونڈی تھیں (بقیہ

(بقیہ حاشیہ ۲۴۵) ملتی ہے اس وجہ سے سب لوگوں نے اس کالڑکا کہنا شروع کر دیا۔ چنانچہ مورخین و نسابان عرب نے لکھا ہے کہ حضرت عبد المطلب کی پوتی (اور حضرت رسولخدا صلعم کی چچا زاد بہن) اروے جو بہت بوڑھی اور کمزور ہو چکی تھیں ایک دفعہ معویہ کے پاس تشریف لائیں تو معویہ کو بڑی خوشی ہوئی۔ اور اس وقت دونوں میں اس طرح باتیں ہوئیں:۔
معویہ۔ (ہا ہا۔ آپ بھی آخر میرے ہاں تشریف لائیں؟) خالہ جان آپ کا آنا مبارک ہو۔ کیسا مزاج ہے؟
اروے۔ خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھی ہوں۔ مگر اے معویہ تمہارے بارے میں البتہ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ خدا کی مخالفت اور کفران نعمت کرتے ہو اور اپنے بزرگ کی صحبت کا تم نے بُرا استعمال کیا۔ ان کے صحابی ہونے کو بدنام کر دیا اور وہ نام (خلیفہ) اپنے لیئے اختیار کیا جسکے تم کسی طرح اہل اور سزاوار نہیں ہو سکتے۔ اور اس چیز پر قبضہ کر لیا جس پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو تمہارا کوئی دین ہے نہ تمہارے باپ دادا کا کوئی دین تھا۔ نہ اسلام میں تم لوگوں کو کسی قسم کی سبقت یا خصوصیت حاصل تھی بلکہ تم لوگوں نے تو پہلے حضرت رسولخدا صلعم کے ماننے ہی سے کُھلم کُھلا انکار کر دیا تھا۔

کس منہ سے وہ حضرت عمر کے مقابلہ میں فخر کرتے تھے۔
نقیب۔ یہ صحیح ہے کہ عمرو عاص کی ماں بھی لونڈی ہی تھیں مگر لونڈی لونڈی میں فرق ہوتا ہے۔ ان کی ماں عرب ہی کے ایک قبیلہ عنزہ سے تھیں جو بعض لوٹ ماریں قید کر لی گئیں اس وجہ سے ان میں وہ عیب لاحق نہیں ہوا جو عرب کے خیال میں حبشی لونڈیوں میں ہوتا تھا کہ وہ عرب میں نہایت ذلیل اور حقیر سمجھی جاتی تھیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۶) خدا تم لوگوں کے نصیبے خراب کرے۔ تم لوگوں کے رخسار کو خاک آلود کرے۔ تمہارے چہروں کو ذلیل و خوار کردے اور حق کو حق دار کی طرف لوٹا دے۔ اگرچہ مشرکین اس سے کتنا ہی پیچ و تاب کھائیں۔ اے معویہ سُن رکھو کہ ہم لوگوں کا کلمہ بلند ہے اور ہمارے رسول صلعم ہی کی فتح ہوئی۔ اب حضرتؐ کے بعد تم لوگ زبردستی حاکم بن بیٹھے اور لگے حضرت رسولؐ کی قرابت ظاہر کرکے دوسروں کے مقابلہ میں اپنا حق جتانے اور اپنے کو حضرتؐ کا سچا قائم مقام بتانے حالانکہ تم سے کہیں زیادہ قرابت ہم لوگوں کو حضرتؐ سے حاصل ہے اور اس خلافۃ و حکومۃ کے حقدار بھی ہم لوگ ہی ہیں۔ تم لوگ کسی طرح نہیں ہوسکتے۔ مگر اب تم لوگوں نے ہم لوگوں کی وہی حالت کردی جو آل فرعون میں بنی اسرائیل کی ہوگئی تھی اور ہمارے آقا و مولا حضرت علیؑ ہمارے پیغمبرؐ و رسولؐ کے بعد حضرتؐ کے ویسے ہی جانشین اور خلیفہ ہوئے جیسے حضرت موسیٰؑ کے خدا کے ہاں جانے کے بعد حضرت ہارون آپ کے جانشین و خلیفہ ہوئے تھے۔ اچھا اے معو۔ یہ اب یہ بھی سمجھ لو کہ ہم لوگوں کی منزل مقصود بہشت اور تم لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جناب اروے اسی شجاعۃ فصاحۃ اور حق گوئی سے کلام کرتی چلی جاتی تھیں اور معویہ کے دربار کا ذرہ اثر ان پر نہیں ہوتا تھا۔ تو عمرو عاص نے ان کو ٹوکا اور پھر ان میں اور عمرو عاص میں اس طرح باتیں ہونے لگیں:۔
عمرو عاص۔ بس بس۔ او بڈھی گمراہ عورت۔ کہاں تک بکتی جائیگی؟ اب بھی چپ ہوتی ہے یا نہیں؟ اور تیرے کلام کی کوئی حد بھی ہوگی یا کہتی ہی چلی جائیگی؟ معلوم ہوتا ہی تیری عقل جاتی رہی کیونکہ تیری تنہا گواہی کس کام کی؟ وہ تو جائز تک نہیں ہے۔

ہیں۔ تو کیا عمرو عاص کو اتنی جرات ہو جاتی تھی کہ حضرت عمر سے (جو خلیفہ وقت اور سب مسلمانوں کے حاکم اور خاص کر ان کے بھی افسر تھے) ایسی تذلیل و توہین کی باتیں کر جائیں؟

نقیب۔ ہو سکتا ہے کہ ان کو حضرت عمر کی ایسی ہی کوئی ناگوار بات پہونچ گئی ہو جس کو اونھوں نے اپنی شان کے خلاف سمجھا ہو اور اس کو برداشت نہ کر سکے ہوں۔ اس وجہ سے (غیظ و غضب میں حضرت عمر کے متعلق) وہ باتیں زبان سے نکال دی ہوں جو ان کے

(بقیہ حاشیہ ص۲۴۷) **اروے**۔ اے سبحان اللہ۔ ارے نابغہ کے بچے! تیری بھی ایسی مجال ہو گئی کہ شریفوں کے مقابلہ میں بولنے لگے حالانکہ تیری ماں تو مکہ معظمہ کی سب سے زیادہ مشہور فاحشہ اور سب سے سستی پیشہ ور عورت تھی۔ اور تیرے باپ ہونے کا دعوے ایک ہی وقت میں پانچ آدمیوں نے کیا تھا۔ ہر شخص کہتا تھا کہ عمرو میرا بیٹا ہے جب کسی طرح اس بات کا فیصلہ نہیں ہو سکا تو لوگوں نے تیری ماں نابغہ سے پوچھا کہ صاحب تمہارا بیٹا عمرو کس کے نطفہ سے ہے؟ تو اوس نے جواب دیا تھا میرا تعلق ان پانچوں آدمیوں سے تھا۔ اسکی صورت سب سے ملاؤ۔ جس سے مل جائے اوسی کا بیٹا سمجھ لو۔ تب تیری صورت سب سے ملائی گئی اور عاص بن وائل سے زیادہ ملتی ہوئی نکلی۔ اس وجہ سے تجھ کو عاص کا بیٹا بنا دیا گیا۔ اس کا کوئی جواب عمرو عاص سے نہیں ہو سکا (ثمرۃ الاوراق برحاشیہ مستطرف مطبوعہ مصر جلد ا ص۱۱۵ و عقد فرید جلد ا ص۱۲۵)۔ علامہ ابن ابی الحدید کی عبارت میں تیسرا جملہ یہ ہے ان الدجاجۃ لتفحص۔ اسکے متعلق مولوی صاحب لکھتے ہیں ان الدجاجۃ لتفحص فی الرماد۔ مرغی راکھ میں گڈھا کرتی ہے۔ اس میں لوٹتی ہے (انوار اللغۃ پ۲۰ ص۲۲)۔ چوتھا جملہ یہ ہے (انما تنسب البیضۃ الی طرقہا) اسکے بارے میں لکھتے ہیں "والبیضۃ منسوبۃ الی طرقہا۔ انڈا اوسی کی طرف نسبت دیا جاتا ہے جس کا وہ نطفہ ہو یعنی نر کی طرف اوسکی نسبت ہوتی ہے نہ مادہ کی طرف" (انوار اللغۃ پ۱۶ ص۱۸) اس مطلب کے مطابق حضرت عمر کا مقصود معلوم نہیں ہوا کہ عمرو عاص پر چوٹ کرنا تھا یا اپنے عیب پر پردہ ڈالنا۔ مگر اس جملہ پر عمرو عاص کا منہ بنا کر اوٹھ جانا واضح کرتا ہے کہ حضرت نے عمرو عاص کی نسبی حالت کا ذکر چھیڑ دیا اور یہ سب اشارے کنائے انھیں کی طرف

سینے میں کھٹکتی تھیں۔ اگرچہ وہ باتیں حقیقت میں حضرت عمر کے سوال کا واقعی جواب نہیں تھیں
اور حضرت عمر اگرچہ بہت بدمزاج اور اکثر طبیعت کے تھے مگر وہ ایسی باتوں کو اکثر برداشت
کر جایا کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ زبیر نے ان کو ذلیل کرنا چاہا اس طرح کہ ان کے کلام کی نقل کر
ان کو بُرا کہنے لگے۔ اور سعد بن ابی وقاص نے بھی رو برو ان کو بُرا کہنا شروع کیا مگر
حضرت عمر نے ان سے چشم پوشی کر لی۔ اور ایک روز بازار کی طرف سے گزرے تو قبیلہ
بنو ضبہ کا ایک لڑکا اچھل کر آپ کے پیچھے آپ کی سواری پر چڑھ بیٹھا۔ آپ گھبرا کر اس کی
طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کون؟

وہ لڑکا۔ میں قبیلہ بنی ضبہ کا ہوں۔

حضرت عمر۔ خدا کی قسم تم بڑے بے باک ہو۔

وہ لڑکا۔ ہاں مگر دشمن ہی کے لیے۔

حضرت عمر۔ دوست کے لیے بھی تو دلیر اور گستاخ ہی نظر آتے ہو۔ اچھا بتاؤ تمہاری
حاجت کیا ہے۔

لڑکے نے اپنی غرض بیان کی۔ تو آپ نے اوس کا کام انجام کر دیا۔ اسکے بعد کہا لو اب میری

(بقیہ حاشیہ ص۲۴۸) تھے۔ مختصر یہ کہ عمرو عاص نے بہت بد تہذیبی سے کام لیکر
حضرت عمر کے مادری عیوب کا ذکر چھیڑ دیا اور اس طرح جناب ممدوح کو غیظ و غضب میں لانے
کی کوشش کی مگر آپ نے کمال حلم و ضبط سے کام لیکر عمرو عاص کو مناسب طور پر سمجھا دیا کہ
یہ عیوب اس قابل نہیں ہیں کہ ذکر کئے جائیں اور نہ عقل والوں کو اس طرف کوئی توجہ کرنی چاہیے
اسکے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اگر قابل شرم کوئی بات ہو سکتی ہے تو وہ باپ کا لاپتا ہونا ہے۔
جو عمرو عاص کا مسکت جواب تھا اور اسی وجہ سے حضرت عمر کے دل میں عمرو عاص کی کبھی کوئی
عزت نہیں ہوئی۔ اگرچہ عمرو عاص بھی حضرت عمر کو ہمیشہ ذلت و حقارت ہی کی نظر سے
دیکھا کئے۔ اور باوجود آپ کے خلیفۂ وقت ہونے کے کبھی آپ سے دبے نہیں لیکن حضرت عمر
اپنی کمال دانائی اور حکمت عملی سے اس کا بہت کم موقع دیتے کہ وہ آپ کے خاندانی حالات کے راز
کو فاش کر سکیں بلکہ ہمیشہ اپنی عزت کی حفاظت کا خیال رکھتے تھے اور یہی آپ کے حق میں مفید بھی تھا۔ ۱۲ منہ

سواری کی بیٹھ خالی کردو (شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۱۰۰) ۔ ان واقعات سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر کے زمانہ جاہلیتہ کے وقار اور عزت سے بھی لوگ آپ کی خلافت کے زمانہ میں ناجائز نفع اٹھانا چاہتے تھے جو مناسب بات نہیں تھی کیونکہ آپ کی نسبی حالت اور اسلام سے قبل کی کیفیت جو رہی ہو اس پر جب حضرت عمر خود کبھی فخر نہیں کرتے تھے تو آپکی رعایا کو بھی ان باتوں کا ذکر کرنا شرافت کے خلاف تھا۔

تیسری فصل

حضرت عمر کا خاندانی پیشہ

آپ کے خاندان میں دلالی کا پیشہ باقاعدہ جاری تھا۔ جناب مولوی وحید الزمان خاں صاحب نے لکھا ہے "کان عمر فی الجاھلیۃ مبرطشا ۔ حضرت عمر جاہلیتہ کے زمانہ میں دلالی کا پیشہ کرتے تھے یعنی بائع اور مشتری کے درمیان معاملہ کراتے" (انوار اللغتہ پارہ ۲ صفحہ ۳۳)۔ یہی مضمون قاموس اور دوسری کتب لغت میں بھی ہے۔ مگر دوسرے پیشوں کا پتا بھی ملتا ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "سن رشد کو پہونچکر خطاب ان کے باپ نے انکو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانا تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ اُن سے سلوک کرتے تھے۔ تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمر کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی اس کا نام ضجنان تھا جو مکہ معظمہ سے قریب قدید سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلافتہ کے زمانہ میں ایکدفعہ حضرت عمر کا ادھر گزر ہوا تو ان کو نہایت عبرت ہوئی۔ آب دیدہ ہو کر فرمایا اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ میں یہاں نمدے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ اور آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں۔ طبقات ابن سعد" (الفاروق صفحہ ۲۸) افسوس ممدوح نے اسکی تحقیق نہیں کی کہ خطاب آپ کے ساتھ اس بے رحمی کا برتاؤ کیوں کرتے تھے۔ ہر باپ اپنے بیٹے پر عموماً رحیم اور شفیق ہوتا ہے۔ دوسرے اگر اسکے بیٹے کو تیز نظر

سے بھی دیکھتے ہیں تو باپ ان کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں۔ پھر کیوں وہ آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے تھے؟ کیا حضرت عمر کے کسی مخفی وصف کی وجہ سے وہ آپ کو اس سختی میں رکھتے تھے؟ یا اُن کو حضرت عمر سے زیادہ اپنے اونٹوں کی محبت تھی جس سے مجبور ہو کر وہ اون جانوروں کے آرام کی فکر رکھتے اور فرزندِ ارجمند کی اذیت کی پروا نہیں کرتے تھے؟ عمرو عاص اور حضرت عمر میں نسبی مفاخر کے متعلق جو گفتگو ہوئی وہ پہلے نقل کی جا چکی ہے۔ ایک اور عبارت قابل تامل ہے۔ حضرت عمر کو معلوم ہوا کہ عمرو عاص مصر میں بڑی دولت پیدا کر رہے ہیں تو ایک شخص محمد بن مسلمہ کو اون کے ہاں بھیجا کہ جا کر نصف پر قبضہ کر لیں اور نصف عمرو عاص کے لئے چھوڑ دیں۔ محمد بن مسلمہ وہاں پہونچے تو عمرو عاص نے کہا لعن اللہ یوما کنت فیہ والیا لا بن الخطاب واللہ لقد رأیتہ ورأیت اباہ وان علی کل واحد منہما عباءۃ قطوانیۃ مؤتزرا بہا ماتبلغ مأبض رکبتیہ وعلی عنق کل واحد منہما حزمۃ من حطب وان العاص بن وائل لفی مزررات الدیباج۔ خدا اس دن پر لعنت کرے جب میں ابن خطاب کی طرف سے مصر کا گورنر مقرر کیا گیا۔ خدا کی قسم میں نے عمر کو بھی دیکھا ہے اور اون کے باپ کو بھی کہ ہر ایک کے جسم پر بھدے کپڑے کی ایسی مختصر عبا تھی جو اونکے گھٹنوں تک بھی نہیں پہونچتی تھی۔ اور اوس وقت دونوں کے سروں پر جلانے کی لکڑیوں کا ایک گٹھر رہتا تھا۔ اوس وقت میرا باپ ریشم و دیبا کی گھنڈیاں لگی ہوئی عبا استعمال کرتا تھا (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۱۸۳ و شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۱۰۴ وغیرہ)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر کے الگادران کا پیشہ لکڑیاں کہیں سے کاٹ کر لانا اور بیچنا تھا۔ اور چونکہ اسمیں پیسے بہت کم ملتے ہیں اس وجہ سے اُن لوگوں کو اتنی قدرت نہیں ہوتی تھی کہ بقدر ضرورت اپنے معاش کا سامان کر سکیں۔ اور عزت و آبرو سے بسر کر سکیں۔

عمرو عاص کا مقصود غالباً اس سے یہ تھا کہ بتائیں پہلے حضرت عمر کا خاندان بہت حقیر نہایت ذلیل اور بالکل ادنےٰ درجہ کا تھا کہ اس کو کسی قسم کی عزت حاصل نہیں تھی بلکہ وہ لوگ لکڑہارے کا کام کرتے کہ جنگل یا پہاڑ پر سے لکڑیاں کاٹ کر یا جمع کر کے لاتے اور اوسی پر بسر اوقات کرتے۔ اتنی حیثیت بھی نہیں تھی کہ جسم پر پورا لباس ہوتا صرف لنگوٹی باندھے مزدوروں کا کام کرتے پھرتے تھے۔ لیکن عمرو عاص نے یہ نہیں بتایا کہ اس سے واقعاً حضرت عمر یا اُن کے خاندان میں کیا عیب پیدا ہو گیا۔ اخلاقی حیثیت سے اس میں کیا خرابی ہوئی اور عقلی اصول سے یہ کیوں

معیوب سمجھا جائیگا۔ ہندوستان میں بیشک بہت چھوٹی ذات کی قومیں لکڑہارے کا کام کرتی ہیں اور ان میں کوئی تہذیب بلکہ آدمیت نہیں ہوتی۔ لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ عرب میں بھی جو لوگ اپنی عسرت و پریشانی میں ایسا کام کرتے وہ ذلیل ہی سمجھے جاتے تھے۔ یہ امر البتہ حیرت خیز ہے کہ عمرو عاص نے حضرت عمر اور آپ کے خاندان کی ذلت وحقارت کی یہ پوری داستان سُنادی لیکن حضرت عمر کے خاص فرستادہ محمد بن مسلمہ نے عمرو عاص کا کوئی جواب ایسا نہیں دیا جس سے معلوم ہوتا کہ حضرت عمر زمانہ جاہلیۃ میں عزت وآبرو کے تھے اور ان کا خاندان بھی کچھ وجاہت رکھتا تھا۔ بلکہ انھوں نے اپنے جواب سے گویا ثابت کر دیا کہ واقعاً حضرت عمر اور ان کا خاندان اسلام سے قبل کوئی چیز تھا ہی نہیں اور ان کا شمار کسی معمولی طبقہ میں بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ محمد نے کہا ایھا یا عمرو فعمر واللہ خیر منک و اما ابوک و ابوہ ففی النار۔ اے عمرو عاص! بس کرو (زیادہ فخر و مباہات کی ضرورت نہیں اب تو) عمر خدا کی قسم تم سے بہتر ہی ہیں۔ رہے تمہارے باپ اور ان کے باپ تو دونوں واصل جہنم ہی ہوئے (ازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۱۸۳)۔ اس سے واضح ہوا کہ محمد بن مسلمہ کے خیال میں عمرو عاص کا بیان لفظاً بلفظ صحیح تھا۔ اور واقعاً حضرت عمر اور ان کے خاندان کی پہلے وہی حالت تھی جو انھوں نے بیان کی۔ اب البتہ چونکہ حضرت عمر بادشاہ وقت ہوگئے اور عمرو عاص تک کے حاکم تھے اس وجہ سے ان کا درجہ عمرو عاص سے بھی بہتر ہوگیا تھا۔ کتب تاریخ وسیرۃ اس مضمون سے بھری ہوئی ہیں کہ حضرت عمر اور ان کا خاندان اسلام سے قبل اسی قسم کے مشاغل میں رہتا تھا۔ علامہ ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے قرأت فی کتاب من تصانیف ابی احمد العسکری ان عمر خرج عسیفا مع الولید بن المغیرۃ الی الشام فی تجارۃ للولید وعمر یومئذ ابن ثمانی عشرۃ سنۃ فکان یرعی للولید ابلہ ویرفع احمالہ ویحفظ متاعہ۔

میں نے ابو احمد عسکری کی مصنفات سے ایک کتاب میں یہ مضمون پڑھا کہ حضرت عمر ولید بن مغیرہ کے ساتھ اس کے خدمت گار مقرر ہو کر ایک دفعہ اسکی تجارۃ کے قافلہ میں شام کی طرف گئے تھے تو آپ ہی ولید کے اونٹوں کو چراتے اور ولید کے مال و اسباب کو بھی آپ ہی اپنے سر یا کاندھے پر اٹھائے پھرتے (جس طرح پھیری والے مزدور کے چیزوں کو لئے پھرتے ہیں آپ بھی مزدور بنتے) اور اسکے مال و اسباب کی چوکیداری کی خدمت بھی آپ ہی انجام دیتے تھے (شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۱۴۳) عسیف کا ترجمہ یہ لکھا ہے عسیف بمعنے مزدور

اور نوکر" (انوار اللغۃ پ۱۲ ص۱۱۱)۔ اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسلام کے قبل مزدوری اور خدمت گاری ہی وغیرہ ذرائع معاش میں مشغول رہتے۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ نے لکھا ہے زید بن اسلم قال اخبرنا عمر بن الخطاب قال خرجت مع ناس من قریش فی تجارۃ الی الشام فی الجاھلیۃ فلما خرجنا الی مکۃ نسیت قضاء حاجۃ فرجعت فقلت لاصحابی الحقکم فواللہ انی لفی سوق من اسواقھا اذا انا ببطریق قد جاء فاخذ بعنقی فذھبت انازعہ فادخلنی کنیسۃ فاذا تراب متراکب بعضہ علے بعض فدفع الی مخرقۃ وفاساً وزنبیلا وقال انقل ھذا التراب۔ فجلست اتفکر فی امری کیف اصنع فاتانی فی الھاجرۃ فقال لی لم ارک اخرجت شیئا ثم ضم اصابعہ فضرب بھا وسط راسی فقمت فضربت بھا ھامتہ فاذ ادماغہ قد انتشر ثم خرجت علے وجھی ما ادری این اسلک فمشیت بقیۃ یومی ولیلتی حتے اصبحت فانتھیت الی دیر فاستظلت فی ظلہ فخرج الی رجل فقال یا عبد اللہ ما یجیئک ھھنا قلت ضللت من اصحابی فجاءنی بطعام وشراب وصعد فی النظر وخفضہ ثم قال یا ھذا قد علم اھل الکتاب انہ لم یبق علے وجہ الارض احد اعلم منی بالکتاب وانی اجد صفتک الذی تخرجنا من ھذا الدیر وتغلب علے ھذہ البلدۃ فقلت لہ ایھا الرجل قد ذھبت فی غیر مذھب۔ قال ما اسمک۔ قلت عمر بن الخطاب قال انت واللہ صاحبنا غیر شک فاکتب لی علی دیری وما فیہ قلت ایھا الرجل قد صنعت معروفا فلا تکدرہ۔ فقال اکتب لی کتابا فی رق لیس علیک فیہ شئ فان تک صاحبنا فھو ما نرید وان تکن الاخرے فلیس یضرک۔ قلت ھات نکتبت لہ ثم ختمت علیہ فلما قدم عمر الشام فی خلافتہ اتاہ ذلک الراھب وھو صاحب دیر القدس بذلک الکتاب فلما راہ عمر تعجب منہ فانشأ یحدثنا حدیثہ فقال اوف لی بشرطی فقال عمر لیس لعمر ولا لابن عمر منہ شئ۔ یعنی زید بن اسلم کہتے تھے کہ مجھ سے حضرت عمر نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں قریش کے لوگوں کے ہمراہ میں بھی تجارت کے لئے ملک شام گیا تھا۔ وہاں سے جب مکہ واپس آنے لگا تو میں ایک چیز بھول گیا جسکے لئے تنہا شام میں واپس آیا اور

اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ چلو میں ابھی آیا۔ عرض میں جب شام کے ایک بازار سے گزرنے لگا تو ایک عیسائی عالم اور پیشوا کو دیکھا جس نے آکر میری گردن پکڑ لی۔ اس پر میں اوس سے لڑنے لگا (لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ آخر) وہ پکڑ کر مجھے اپنے عبادت خانہ میں لے گیا جہاں میں نے دیکھا کہ مٹی کا ایک بڑا ڈھیر پڑا ہوا ہے۔ وہاں اوس عیسائی پیشوا نے مجھے ایک پھاؤڑا اور کلہاڑی اور ٹوکری دیکر کہا کہ اِس مٹی کو یہاں سے ڈھو ڈھو کر لے جاؤ۔ یہ سُن کر میں زمین پر بیٹھ گیا اور اپنی مصیبت دیکھکر سوچنے لگا کہ اب کیا کروں جس سے یہ آفت ہٹے۔ اسی حال میں دوپہر ہو گئی اور مجھ سے کوئی کام بھی نہیں ہو سکا۔ اوس وقت پھر وہ عیسائی عالم اور پیشوا آیا اور مجھ سے کہا تم نے تو ابھی تک یہاں سے کچھ بھی مٹی نہیں اوٹھائی۔ یہ کہکر اوس نے زور سے ایک طمانچہ میرے سر پر لگایا۔ تب تو میں بھی کھڑا ہو گیا اور اوسکے سر پر ایسی چپت لگائی جس سے اوس کا دماغ پراگندہ ہو گیا (سر پھٹ گیا) یہ دیکھکر میں نے ذرا بدحواس ہو کر) اپنی راہ لی کہ مجھے کچھ بھی نہیں سوجھتا تھا کہا جاؤں۔ کہاں بھاگوں۔ اور کیا کروں۔ اسی طرح تمام دن رات میں بھاگا بھاگا پھرتا رہا اور جب دوسری صبح ہوئی تو ایک راہب کے دیر کے پاس پہونچا جسکے سایہ میں بیٹھکر آرام کرنے لگا۔ لیکن فوراً ہی اوس دیر سے ایک شخص نکلا جس نے مجھے دیکھکر کہا بندہ خدا! تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ میں نے کہا میں اپنے قافلہ والوں سے چھوٹ کر راہ بھول گیا اس وجہ سے بھٹکتا پھرتا ہوں۔ یہ سُن کر وہ شخص گیا اور میرے لئے کھانا اور پانی لایا۔ پھر وہاں کھڑے ہو کر وہ میری طرف گھور گھور کر دیکھنے لگا پھر اپنی نظر نیچی کر کے مجھ سے یوں مخاطب ہوا۔ "او بھائی! تمام اہل کتاب جانتے ہیں کہ اس وقت روے زمین پر آسمانی کتاب کا مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی شخص بھی نہیں ہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ تم میں اِس شخص کی علامتیں پائی جاتی ہیں جو آئندہ زمانہ میں ہم لوگوں کو اس دیر سے نکال کر اِس شہر پر قابض ہو جائیگا۔ یہ سُن کر میں نے کہا "بھائی تم کیسی بہکی باتیں کرتے ہو؟" تب اوس نے کہا "اچھا تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے کہا "عمر بن الخطاب"۔ یہ سُنتے ہی وہ شخص بول اوٹھا "واللہ تم ہی ہم لوگوں کو اس دیر سے نکالو گے۔ اب تم عذر نہ کرو اور مہربانی کر کے میرے لئے اس دیر اور اس کے مملوکات کا ہبہ نامہ لکھدو"۔ یہ سُن کر میں نے کہا "بھائی! تم نے میرے اوپر ایک احسان (اس

وقت کھانا کھلانے کا) کیا ہے۔ ان مسخرا پن کی باتوں سے اپنے اِس احسان کو بدمزہ نہ کرو۔ اس کا جواب اوس نے یہ دیا کہ "تمہارا اس میں کیا حرج ہے کہ ایک کاغذ پر ہمارے لئے اس کا ہبہ نامہ لکھ دو۔ جس شخص کے بارے میں ہم لوگوں کو خوف ہے کہ اِس دیر پر قبضہ کریگا اگر تم ہی ہو تو ہمارا فائدہ ہی ہے۔ اور اگر وہ تم نہیں ہو تو اتنا لکھ دینے سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا"۔ اس پر میں راضی ہوگیا اور کہا "خیر کاغذ لاؤ"۔ وہ کاغذ لایا تو میں نے ہبہ نامہ لکھ کر اور مہر کرکے اوسکے حوالہ کردیا (بات ختم ہوگئی)۔ جب حضرت عمر اپنی خلافت کے زمانہ میں شام پہنچے تو وہی راہب آپ کا وہی ہبہ نامہ لئے آپ پاس پہونچا اور وہ کاغذ دکھایا۔ حضرت عمر اُس ہبہ نامہ کو دیکھکر بہت متعجب ہوئے اور ہم لوگوں سے یہ قصہ بیان کیا۔ اسکے بعد اوس راہب نے کہا "اب آپ اپنا وعدہ پورا کیجئے"۔ حضرت عمر نے کہا "بے شک اس دیر پر نہ میرا کوئی حق ہے اور نہ میری اولاد کا" (ازالۃ الخفاء مقصد ا ص۳۲)۔ اسس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ حضرت عمر جوانی میں مزدوری یا حمالی کا کام کرتے تھے اور اس وضع اور صورت میں رہتے تھے کہ دوسرے ملکوں کے لوگ بھی آپ کو آسانی سے مزدور یا باربردار سمجھ لیتے۔ اس وجہ سے باوجودیکہ آپ کے قافلہ تجارت میں عرب کے بہت سے لوگ تھے مگر اس عالم نے اور کسی کو بھی مٹی ڈھونے کے لئے نہیں پکڑا بلکہ صرف آپ ہی کو گرفتار کرکے اور ٹوکری بیلچہ دیکر حکم دیا کہ وہاں کی کل مٹی کو وہاں سے ڈھو ڈالیں اور جب آپ نے اسکے حکم کی تعمیل نہیں کی تو اوس نے آپ کو سزا دی۔ جس کا مطلب یہی ہوگا کہ جب مزدور ہی ہو اور یہی تمہارا شغل ہے تو اس مٹی کو کیوں نہیں یہاں سے ڈھو دیا۔ افسوس ہے آپ کا ابتدائی زمانہ اذیت و مصائب ہی میں گزرا۔ باپ کے اونٹ چرایا کرتے اور جب دم لیتے تو سزا پاتے اور جب سفر کرتے تو دوسرے ملکوں کے لوگ بھی آپ کو حقیر مزدور سمجھکر آپ پر حکومت کرتے اور آپ کو اذیت ہی پہونچاتے۔ ان واقعات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت عمر تجارت پیشہ لوگوں کی نوکری یا خدمتگاری قبول کرکے دوسرے ملکوں میں جایا کرتے تھے نہ کہ خود تجارت کرنے کے لئے سفر کرتے لیکن مولوی شبلی صاحب نے اس کو دوسرے ہی رنگ میں پیش کیا۔ لکھتے ہیں "ان فنون سے فارغ ہوکر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے۔ عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا اس لئے اونھوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل ان کی بہت بڑی

ترقیوں کا سبب ہوا۔ وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے۔ خود داری۔ بلند حوصلگی۔ تجربہ کاری۔ معاملہ دانی یہ تمام اوصاف جو اُن میں اسلام لانے کے قبل پیدا ہو گئے تھے سب انہیں سفروں کی بدولت تھے۔ ان سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہونگے لیکن افسوس ہے کہ کسی مورخ نے ان پر توجہ نہیں کی۔ علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں صرف اس قدر لکھا ہے ولعمر بن الخطاب اخبار کثیرۃ فی اسفارہ فی الجاهلیة الی الشام والعراق مع کثیر من ملوک العرب والعجم وقد اتینا علی مبسوطها فی کتابنا اخبار الزمان والکتاب الاوسط۔ عمر بن خطاب نے جاہلیۃ کے زمانہ میں عراق اور شام کے جو سفر کئے اور ان سفروں میں جس طرح وہ عرب وعجم کے بادشاہوں سے ملے اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔ علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں لیکن قوم کی بد مذاقی سے مدت ہوئی کہ ناپید ہو چکیں میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمر کے ان حالات کا پتا لگ سکے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ محدث ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں جسکی بعض جلدیں میری نگاہ سے گزری ہیں حضرت عمر کے سفر کے بعض واقعات لکھے لیکن ان میں کوئی دلچسپی نہیں" (الفاروق ص۳۱)۔ غالباً دلچسپی نہ ہونے کی وجہ صرف یہی ہو کہ ممدوح جن امور کو چاہتے تھے کہ کتابوں سے ثابت کریں ان سے وہ سب خالی ملیں کیونکہ تمام کتب تاریخ وسیرۃ اس پر متفق ہیں کہ حضرت عمر شروع میں یا اونٹ چرایا کرتے یا جوان ہو کر خدمتگاری نوکری یا چوکیداری کا کام کرتے تھے۔ اور اسی شغل میں آپ نے شام وعراق کے سفر بھی کئے کہ تاجران مکہ آپ کو نوکر رکھکر اپنے ساتھ ان ملکوں میں لے جایا کرتے اور راستہ میں آپ سے آرام حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ شرح ابن ابی الحدید نیز ازالۃ الخفا کی عبارتیں اس امر کی تصدیق کرتی ہیں۔ افسوس ہے کہ علامہ مسعودی کی عبارت کو بھی آپ نے سرسری نظر سے دیکھا۔ مورخ مذکور کے کسی لفظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمر خود تجارت کرنے کے لئے دوسرے ملکوں میں جایا کرتے۔ یا اس سلسلہ میں عرب وعجم کے بادشاہوں سے ملاقات کرتے تھے بلکہ وہ دوسرے تاجروں کے اسباب اوٹھا کر انکے

ساتھ بادشاہوں کے پاس لے جایا کرتے اور تاجر بادشاہوں کے پاس پہونچکر حضرت عمر کے سر یا کاندھے سے اسباب اُتار کر بادشاہوں کو دکھایا کرتے اور حضرت عمر بہ طور مزدور یا نوکر کے وہاں موجود حکمران دربادوں کے حالات کا مشاہدہ کرتے۔ آج ہندوستان میں بھی ہزاروں پھیری کرنے والے چھوٹے بنئے کپڑے، عطر، انگوٹھیاں، زیورات، تمباکو وغیرہ مال کسی مزدور کے سر پر رکھکر نوابوں، جاگیرداروں وغیرہ کے ہاں گھومتے پھرتے ہیں اور جب ان کے پاس پہونچتے ہیں تو اوس مزدور کے سر پر سے مال اُتار کر خود دکھاتے اور معاملہ کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح عرب کے تاجروں کا دستور تھا کہ حضرت عمر کو حمّال یا بار بردار مقرر کرکے ساتھ لے جایا کرتے اور گاہکوں کو اپنا مال دکھاکر چیزیں فروخت کرتے تھے جسکی تائید اوپر کی عبارتوں سے اچھی طرح ہوتی ہے۔ نہ معلوم مولوی شبلی صاحب کو اس امر پر اصرار کیوں ہے کہ وہ حضرت عمر کے خاندان کو معزز اور اسکے پیشہ اور ذریعہ معاش کو باوقعت ثابت کریں۔ اگر ممدوح کا خاندان اوس وقت ایسا نہ تھا اور آپ نے خود اونٹ کے چرانے یا خدمت گاری یا نوکری یا چوکیداری یا قلی کے پیشہ سے ترقی کرتے کرتے دنیائے اسلام کی حکومت حاصل کرلی تو یہ حضرت ممدوح کے لئے زیادہ باعثِ فخر ہے اور آپ کے اس کارنامہ کو خاص اہمیت سے دکھانا چاہیئے کہ ہمت اور کوشش کرنے سے اتنے ادنےٰ درجہ کے لوگ بھی اس قدر اعلےٰ منصب حاصل کرلیتے ہیں۔ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے گزرے ہیں جو معمولی چرواہے یا سپاہی کی حیثیت سے بڑھتے بڑھتے سلطنت کے تخت پر جلوہ افروز ہوگئے۔ اگر حضرت عمر بھی ایسے ہی منتخب روزگار لوگوں میں ہوئے تو یہ ان کی مدح ہوئی یا کوئی قابل شرم بات جسکے چھپانے کے لئے مولوی شبلی صاحب نے اس طرح کوشش کی۔ آپکی اس ترقی سے ہر ادنےٰ اور چھوٹے شخص کو بھی سبق لینا چاہیئے اور بڑے لوگوں کو بھی چھوٹے چھوٹے کاموں میں شرم نہیں کرنی چاہیئے۔ جو کام آئندہ بڑے عروج و اقبال کا ذریعہ ثابت ہو اگر ابتداء میں بہت حقیر اور قابل نفرت معلوم ہو اس سے کبھی گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ یہ ضرور پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ انسان کے افعال ایسے ہوں جن سے خدا خوش رہے۔ کسی کو بے وجہ ستائے نہیں۔ کسی کا حق غصب نہ کرے کسی مصیبت زدہ کو ستائے نہیں۔ کسی کے مال اور جائداد پر زبردستی قبضہ نہ کرے۔

چوتھی فصل

حضرت عمرؓ کے والدین

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں ”خطاب حضرت عمر کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے۔ قبیلہ عدی اور بنو عبدالشمس میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی۔ اور چونکہ بنو عبدالشمس کا خاندان بڑا تھا اس لئے غلبا انہیں کو رہتا تھا۔ عدی کے تمام خاندان نے جس میں خطاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر بنو سہم کے دامن میں پناہ لی ... عدی کا تمام خاندان مکہ معظمہ میں مقام صفا میں سکونت رکھتا تھا لیکن جب اونھوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی اونھیں کے ہاتھ بیچ ڈالے“۔ (الفاروق ص ۲۶)۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبیلہ عدی، قبیلہ عبدالشمس سے مغلوب رہتا اور قبیلہ بنو سہم سے بھی پست تر تھا اس وجہ سے ان کے دامن میں پناہ لی۔ مگر مولوی صاحب کے اس جملہ کا مطلب واضح نہیں ہوا کہ ”جب انھوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی انھیں کے ہاتھ بیچ ڈالے“۔ ان لوگوں سے تعلق یہی تو پیدا کیا کہ ان کے دامن میں پناہ لی مگر اس وجہ سے مکانات کیوں بیچ ڈالے؟ دو ہی صورت ہوسکتی ہے یا بنو سہم نے ان لوگوں کو اپنے دامن میں پناہ اس وجہ سے دی ہو کہ یہ لوگ ان کو اپنے مکانات دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ یا ان لوگوں کو لکڑی کاٹنے اور اس کو ڈھو کر بیچنے کا موقع بنو عبدالشمس کے خوف سے نہیں ملتا تھا۔ باہر نکل نہیں سکتے تھے تو روزمرہ کے مصارف پورے کیونکر ہوتے اس سبب سے مجبور ہو کر ان لوگوں نے اپنے مکانات انھیں کے ہاتھ بیچ ڈالے ہوں۔ ممدوح کی مادر گرامی کے متعلق لکھتے ہیں ”حضرت عمر کی ماں جن کا نام حنتمہ تھا ہشام بن المغیرہ کی بیٹی تھیں“۔ مگر ممدوح نے یہ نہیں لکھا کہ حنتمہ کی ماں کون تھیں اور کس قوم و قبیلہ سے ان کا تعلق تھا۔ اگر وہ بھی ہشام کی طرح عرب تھیں تو عرب والوں کے خیال کے مطابق ان میں اور ان کے والدین میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے مگر دوسری کتابوں سے کچھ شبہ ہوتا ہے۔ علامہ مسعودی جو نہایت معتبر مورخ گزرا ہے لکھتا ہے وامہ حنتمہ بنت هشام بن المغیرة بن عبدالله

بن عمرو بن مخزوم وکانت سوداء - حضرت عمر کی ماں خیثمہ ہشام بن مغیرہ کی بیٹی حبشن تھیں (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ ص ۱۹ مطبوعہ مصر) اس میں حنتمہ کے عوض خیثمہ لکھا ہے تو ممکن ہے لکھنے یا چھاپنے میں نقطے اِدھر اُدھر ہو گئے ہوں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ مورخ مذکور نے حنتمہ کو حبشن کس اصول پر لکھا۔ اسکے معنے سیاہ تو لیا نہیں جا سکتا کیونکہ تاریخ کی کتابوں میں یہ تو لکھا نہیں جاتا کہ فلاں عورت گوری تھی فلاں کالی۔ فلاں مرد گورا تھا فلاں کالا۔ اگر یہ اصول رہتا تو مورخ مذکور حضرت عمر کو بھی لکھتا کہ کالے تھے یا گورے۔ آپ کے نانا ہشام کو بھی ظاہر کرتا کہ سیاہ تھے یا سفید۔ اب خاص کر حنتمہ کو سوداء لکھنے کا مطلب اسکے سوائے کچھ ہو نہیں سکتا کہ وہ عربی نہیں تھیں بلکہ ملک حبش کی رہنے والی سیاہ فام عورت تھیں۔ اس صورت میں وہ ہشام کی بیٹی کیوں لکھی جاتی ہیں۔ ممکن ہے اسکی وجہ یہ ہو کہ ہشام نے کوئی حبشن لڑکی کہیں پائی ہو۔ اس کو اٹھا کر اپنے ہاں لے گئے ہوں اور پرورش کی ہو جسکے بعد وہ ہشام کی بیٹی پکاری جانے لگی ہو۔ اور عرب میں یہ بہت رائج تھا کہ لوگ جس لڑکے یا لڑکی کی پرورش کرتے وہ اوسی کا لڑکا یا لڑکی پکاری جاتی۔ چنانچہ جناب زید غلام بھی صرف اس وجہ سے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے آپکی پرورش کی تھی زید ابن محمدؐ کہے جاتے تھے۔ حضرت عمر کے نانا کے بارے میں بھی شدید اختلاف ہے کہ کون صاحب تھے۔ مولوی شبلی صاحب نے ہشام بن المغیرہ لکھا ہے مگر علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے "والدہ ان کی حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ تھیں۔ اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ وہ حنتمہ بنت ہشام بن مغیرہ تھیں۔ اس دوسری روایت کی بناء پر یہ ابو جہل کی حقیقی بہن ہو جاوینگی اور پہلی روایت کی بناء پر وہ ابو جہل کی چچازاد بہن ہونگی ابو عمر نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے حنتمہ کو بنت ہشام لکھا ہے اوس نے غلطی کی ہے کیونکہ اس صورت میں ابو جہل اور حارث فرزندان ہشام کی حقیقی بہن ہو جاوینگی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ابو جہل اور حارث کی چچازاد بہن ہیں۔ ہشام اور ہاشم فرزندان مغیرہ دو بھائی تھے۔ ہاشم حنتمہ کے والد تھے۔ ہشام کو جد عمر ذوالرمحین کہتے ہیں۔ اور ابن مندہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر کی والدہ ابو جہل کی حقیقی بہن تھیں۔ اور ابو نعیم نے بیان کیا ہے کہ وہ ہشام کی بیٹی تھیں جو ابو جہل کی بہن کا بیٹا تھا۔ یعنی ابو جہل ہشام

کا ماموں تھا۔ ابو نعیم نے اس کو اسحاق سے روایت کیا ہے زبیر نے بیان کیا ہے کہ حنتمہ ہاشم کی بیٹی تھیں لہذا وہ ابو جہل کی چچازاد بہن ہوئیں جیسا کہ ابو عمر نے بیان کیا ہے" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صـ۴۳) اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے دامہ حنتمہ بنت ہاشم بن المغیرۃ المخزومیة کذا قال ابن الزبیر۔ وروی ابو نعیم من طریق ابن اسحاق انها بنت هشام اخت ابی جهل۔ حضرت عمر کی ماں کا نام حنتمہ تھا اور وہ ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں جو قبیلہ مخزوم سے تھے۔ اسی طرح ابن زبیر نے بیان کیا ہے۔ ابو نعیم نے ابن اسحاق کے طریق سے روایت کی ہے کہ حنتمہ ہشام کی بیٹی ابو جہل کی بہن تھیں۔ (اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۴ صـ۲۷۱) ۔ غرض اس امر کی تحقیق میں سخت زحمتوں کا سامنا ہوتا ہے کہ حنتمہ عرب کی باشندہ تھیں یا حبشہ کی۔ اسی طرح اس میں بھی شدید اختلاف ہے کہ حنتمہ بیٹی بھی کس کی تھیں۔ اگر اُن کے باپ عرب ہی تھے تو وہ کون تھے ہشام یا ہاشم اور ابو جہل رشتہ میں حضرت عمر کا کون ہوتا تھا۔ افسوس نسب عرب کی کتابیں بہت کم ملتی ہیں اس سبب سے پوری تحقیق نہیں ہو سکتی کہ واقعہ کیا ہے اور کس خاندان کی شادی کس میں ہوئی۔ پھر اس خاندان میں عرب کی لڑکیاں کون بیاہی گئیں اور ملک حبشہ کی لڑکیوں سے کون اولاد ہوئی۔ اس لئے کہ حبشہ کی لونڈیاں کثرت سے عرب میں آیا کرتیں۔ ان کو لوگ خرید کر اپنے گھر رکھتے اور کبھی کبھی انکو بیٹی بھی بنا لیتے تھے۔

پانچویں فصل

حضرت عمر کی ولادت اور آپ کا حلیہ

حضرت عمر کے قابل قدر سوانح نگار جناب مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے" حضرت عمر مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے۔ انکی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں" (الفاروق صـ۲۷)۔ اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے" حضرت عمر کی ولادت واقعہ فیل کے ۱۳ برس بعد ہوئی۔ خود حضرت عمر سے روایت ہے وہ کہتے تھے واقعہ فجار اعظم کے چار برس بعد میں پیدا ہوا تھا (ترجمہ

اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۷۴)۔ آپ کے حلیہ کے بارے میں علامہ موصوف نے لکھا ہے "حضرت عمر اپنے دونوں ہاتھوں سے یکساں کام کرتے تھے اسی طرح بائیں ہاتھ سے بھی کام کرتے تھے۔ انکی پیشانی پر بال نہ تھے۔ آپ کا قد اس قدر لانبا تھا کہ آپ سب لوگوں سے ایسے بلند معلوم ہوتے گویا آپ سواری پر ہیں۔ ان کا رنگ عام الرمادہ (نام قحط سالی کا) میں سیاہ ہوگیا تھا وجہ اسکی یہ تھی کہ انھوں نے تمام زمانہ قحط سالی کے لئے گھی اور دودھ کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا لہ اور صرف روغن زیتون پر قناعت کرلی تھی۔ اور سماک نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر کی رفتار ایسی تیز تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا وہ کسی چیز پر سوار ہیں۔ شباہت انکی قبیلہ سدوس کے لوگوں سے ملتی تھی" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۱۰۶)" اسلم کا بیان ہے کہ حضرت عمر کی ڈاڑھی بڑی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آگ پھونکنے میں دھواں آپ کی ڈاڑھی کے درمیان سے نکلتا تھا۔" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۹۲)۔ اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کان عمر طویلا جسیما اصلع اشعر شدید الحمرۃ کثیر السبلۃ فی اطرافھا صھوبۃ وفی عارضیہ خفۃ وروی یعقوب بن سفیان فی تاریخہ بسند جید الی زر بن جیش قال رأیت عمر اعسر اصلع آدم قد فرع الناس کانہ علی دابۃ قال فذکرت ھذہ القصۃ لبعض ولد عمر فقال سمعنا اشیاخنا یذکرون ان عمر کان ابیض فلما کان عام الرمادۃ وھی سنۃ المجاعۃ ترک اکل اللحم والسمن وادمن اکل الزیت حتی تغیر لونہ وکان قد احمر فشحب لونہ ... عن سماک کان عمر اروح کانہ راکب والناس یمشون قال والاروح الذی یتدانی عقباہ اذا مشے

لہ یہ بھی عجیب بات ہے۔ ہندوستان میں کتنے لوگ ہیں کہ برسوں گھی اور دودھ ان کو میسر نہیں ہوتا مگر اس سبب سے وہ گورے سے کالے تو نہیں ہوجاتے۔ معلوم نہیں عرب کی آب و ہوا میں کیا تاثیر تھی کہ جو لوگ گھی اور دودھ کھاتے وہ گورے رہتے اور جو لوگ چند دنوں گھی اور دودھ کا استعمال ترک کردیتے وہ اتنی ہی مدت میں سیاہ ہوجاتے۔ ایسے سیاہ کہ کتابوں میں انکے رنگ بدل دینے کی وجہ لکھی جاتی ۱۲

کان عمر یاخذ اذنہ الیسریٰ بیدہ الیمنیٰ و یجمع جرامیزہ و یثب علیٰ فرسہ فکانما خلق علیٰ ظہرہ۔ حضرت عمر لانبے ڈیل ڈول والے گنجے[1] دوسرے مقامات پر بہت بال والے۔ شدید سرخی والے بڑی موچھ والے تھے جسکے کناروں میں سرخی تھی۔ آپکے دونوں رخسارے تیکھے (یعنی دھسے) ہوئے تھے۔ یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں سند جید سے جو زر بن حبیش تک پہونچتی ہے روایت کی ہے کہ کہتے تھے میں نے حضرت عمر کو دیکھا بائیں[2] ہتھے اور گنجے سیاہ رنگ کے تھے۔ لوگوں سے اتنے اونچے رہتے کہ معلوم ہوتا کسی جانور پر ہیں۔ اس قصہ کو میں نے حضرت عمر کی بعض اولاد سے ذکر کیا تو اوس نے کہا حضرت عمر سفید تھے مگر جب قحط کا سال آیا تو گوشت اور گھی کھانا چھوڑ دیا اور برابر روغن زیتون ہی کھاتے رہے اس وجہ سے ان کا رنگ بدل کر سیاہ ہو گیا۔ حالانکہ وہ پہلے سرخ تھے تو اب رنگ بگڑ گیا۔ اور سماک کہتے تھے کہ حضرت عمر اروح تھے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سوار اور لوگ پیدل ہیں۔ اور اروح وہ شخص ہوتا ہے جسکی دونوں ایڑیاں چلنے میں ایک دوسرے سے قریب رہتی ہیں[3] سماک بیان کرتے تھے کہ ہلال بن عبداللہ نے کہا میں نے حضرت عمر کو ایسے ڈیل ڈول والا دیکھا گویا وہ بنو سدوس کے خاندان سے تھے اور حضرت عمر اپنے بائیں کان کو داہنے ہاتھ سے پکڑتے اور اپنے ہاتھ پاؤں کو جمع کر کے اپنے گھوڑے پر اچک کر چڑھ جاتے تھے اوس وقت وہ ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر ہی پیدا کئے گئے ہیں[4] (اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۹) اس عبارت کی سب باتیں تو سمجھ میں

---

[1] اصلع کا معنے گنجا لکھا ہے (انوار اللغۃ پ ۱۴ صفحہ ۸۱) ۱۲ منہ

[2] اعسر جو بائیں ہاتھ سے کام کرتا ہے (انوار اللغۃ پ ۸ صفحہ ۱۱۰)

[3] انہ کان اروح کانہ راکب والناس یمشون۔ حضرت عمر اروح تھے۔ جب چلتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ سوار ہیں دوسرے لوگ پا پیادہ ہیں۔ اروح شخص چلنے میں جسکی ایڑیاں نزدیک رہیں اور پاؤں کے پنجے دور دور رہیں (انوار اللغۃ پ ۱۰ صفحہ ۱۴۱) [4] انہ کان یجمع جرامیزہ و یثب علی الفرس

آگئیں لیکن اس جملہ کا مطلب حل نہیں ہوتا کہ آپ اپنے بائیں کان کو داہنے ہاتھ سے پکڑ کر کیوں گھوڑے پر کود جاتے تھے اور اس میں کیا مصلحت تھی۔ شاید یہ مطلب ہو کہ آپ نیچے سے اس طرح اوچھل جاتے کہ اسی طرح گھوڑے کی پشت پر پہونچ جاتے تھے۔ کیونکہ داہنے ہاتھ سے تو اپنا کان پکڑے رہتے اور بائیں ہاتھ سے اپنے پیر کو سمیٹے رہتے تو اب کوئی ہاتھ خالی رہتا ہی نہیں تھا جس سے گھوڑے کی پیٹھ یا دم یا سر وغیرہ پکڑ کر اس پر چڑھتے مگر آپ کا قد اس قدر طویل تھا کہ سمجھ میں نہیں آتا کس طرح اوچھل کر گھوڑے پر چڑھتے ہونگے۔ پست قد لوگوں کے لئے نیچے سے اونچے پر اوچھل جانا تو دیکھا جاتا ہے۔ مگر بڑے لانبے قد کے بزرگ کا اوچھل کر گھوڑے پر چڑھ جانا ان کے کمال کی دلیل ہے مشہور انگریز مورخ نے لکھا ہے "جس وقت عمر خلیفہ ہوئے انکی عمر تخمیناً ۵۳ سال کی تھی۔ وہ بڑے ڈھنگ کا آدمی۔ لانبا سر سے گنجا آدمی تھا۔ ایک مورخ کا بیان ہے کہ وہ بیٹھا ہوا دوسرے کھڑے آدمی کے برابر تھا۔ اسکی طاقت غیر مشہور تھی اور وہ بائیں ہاتھ سے ایسی ہوشیاری سے کام کرتا تھا جیسا کہ داہنے ہاتھ سے یعنی کھبا تھا" تاریخ سکیسرز آف محمد ص۱۵ مطبوعہ لندن) علامہ ابن عبدالبر نے آپ کے حلیہ میں کچھ اور باتیں بھی اضافہ کی ہیں وکان شدید الادمة طوالا۔ کث اللحیة اصلع۔ اعسر کان شدید الادمة ذو صفه ابو رجاء العطاردی کان معقلا۔ قال انما جاءتنا الادمة من قبل اخوالی بنی مظعون۔ حضرت عمر کا رنگ بہت زیادہ سیاہی مائل تھا۔ قد طویل تھا۔ ڈاڑھی جھاڑی نما تھی[1] سر گنجا تھا۔ بائیں ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ رنگ بہت سیاہ تھا۔

(بقیہ حاشیہ ص۲۵۲) حضرت عمر اپنے ہاتھ پاؤں سمیٹ کر گھوڑے پر کود جاتے سبحان اللہ آپ کی مستعدی بڑھاپے کی حالت میں اور سپاہگری۔ آپ کی نالائق اولاد ہم لوگ ہیں جو کچھ بزرگوں نے ملک و مال کمایا تھا وہ بھی کھو دیا (انوار ب ۲۲ ص۸)

[1] کث اللحیہ یعنی گھنی ڈاڑھی والے۔ نہایہ میں ہے کہ ڈاڑھی کی کثاثت یہ ہے کہ باریک اور لمبی نہ ہو بلکہ اس میں کثافت اور دلدار پنا ہو (انوار اللغۃ پ ۲۲ ص۲۰) جس طرح جھاڑی گھنی ہوتی ہے اسی طرح ڈاڑھی بھی آپ کی گھنی تھی ۱۲ منہ

پاؤں سے معتل تھے یعنی گویا پیر بندھے ہوئے تھے۔ آپ کے فرزند کہتے تھے کہ ہم لوگوں کی سیاہی ناہنال سے ہے کہ بنی مظعون کالے تھے (استیعاب جلد ۲ ص ۵) اور علامہ گجراتی نے لکھا ہے اکان اروح من تتان انے عقباه وتتباعد صد ۱۷ قدمیه۔ اروح اوسے کہتے ہیں جسکی دونوں ایڑیاں مل جائیں اور قدم کا سرا دور دور پڑتا ہو (مجمع بحار الانوار جلد ۲ ص ۴۳)

آپکی موچھ کے بارے میں ہے السبالتان طرفا الشارب وح قصه یدل علے استحباب قصهما لانهما داخلان فیه دذکر له ان المجوس یوفرون سبالهم ویحلقون لحاهم فقال خالفوهم فکان بعضهم یجزه الغزالی لاباس بترکه فعله عمر لانه لایستر الفم ولا یبقے فیه غمرة الطعام یعنی سبالہ دونوں طرف کے شارب کو کہتے ہیں (مونچھ کے دونوں کنارے) اور اسکے بارے میں جو حدیث ہے کہ اس کو چھٹوانا چاہیئے یہ دلالت کرتی ہے اسکے ترشوانے کے فعل مستحب ہونے پر کیونکہ یہ دونوں بھی اس میں داخل ہے۔ کسی شخص نے حضرت رسو لخدا صلعم سے کہا کہ مجوسی لوگ مونچھوں کو بڑھاتے اور ڈاڑھیاں منڈواتے ہیں تو حضرتؐ نے فرمایا تم لوگ ان کے خلاف کرو۔ اس وجہ سے بعض صحابہ مونچھ چھٹوادیتے تھے۔ امام غزالی کہتے تھے کہ مونچھ کے بڑھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت عمر ایسا ہی کرتے تھے کیونکہ یہ تو نہ منہ کو چھپاتی ہے اور نہ اس میں کھانے کی چکنائی باقی رہتی ہے (مجمع بحار الانوار جلد ۲ ص ۹۳)۔ اور مولوی وحید الزمان خاں صاحب لکھتے ہیں:۔

"السبالتان طرفا الشارب سبالہ کہتے ہیں مونچھ کے کنارے کو جو لب کے دونوں طرف ہوتا ہے اوس کا بھی کتروانا مستحب ہے۔ اگر نہ کترائے تو بھی کچھ قباحت نہیں ہے کیونکہ وہ منہ کو نہیں چھپاتا نہ کھانے کی چکنائی اوس میں لگتی ہے۔ حضرت عمر سبالہ رکھتے تھے اس کو نہیں کترتے تھے" (انوار اللغۃ پ ۱۲ ص ۲۸)

اس کا پتا نہیں چلتا کہ آپ کی دونوں ایڑیاں جو مل جاتی تھیں وہ خلقی تھیں یا پیدا ہونے کے بعد کسی چوٹ وغیرہ کے اثر سے یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ بعض کتابوں سی معلوم ہوتا ہے کہ خالد بن الولید نے بچپن میں آپ کی ٹانگ توڑ دی تھی۔ علامہ حلبی

وغیرہ نے لکھا ہے واصل العداوۃ بین خالد وسیدنا عمرؓ علی ماحکاہ الشعبی انھما وھما غلامان تصارعا وکان خالد ابن خال عمر فکسر خالد ساق عمر فعولجت وجبرت ولما ولی سیدنا عمرؓ الخلافۃ اول شئ بدأ بہ عزل خالد لما تقدم وقال لایلی لی عملا ابدا یعنی خالد بن ولید اور حضرت عمر کے درمیان عداوت کی اصلی وجہ جیساکہ شعبی نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ دونوں نے جب لڑکے تھے لڑائی کی اور خالد حضرت عمر کے خالہ زاد بھائی تھے انھوں نے حضرت عمر کی ٹانگ ہی توڑدی تھی جسکے بعد اس کا علاج کیا گیا اور وہ جُٹ بھی گئی۔ اور جب حضرت عمر خلیفہ مقرر کئے گئے تو سب سے پہلا کام جو کیا یہی تھا کہ خالد کو معزول کر دیا بسبب اوس وجہ کے جو اوپر ذکر کی گئی اور کہا کہ خالد میری زندگی بھر تو کسی عہدہ پر رہنے نہیں پائیں گے (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص۱۹۸)۔ ممکن ہے اسی چوٹ کا اثر ہو کہ آپکی دونوں ایڑیاں راستہ چلنے میں ایک دوسرے سے مل جاتی ہوں اور پاؤں کے پنجے دور دور رہتے ہوں جسکو لوگوں نے آپ کے حلیہ میں مستقل طور پر لکھا ہے

چھٹی فصل

آپ کا نام اور القاب

آپ کا نام عمر تھا یا اور کچھ۔ اس میں بھی اختلاف ہے مشہور عمر ہے۔ مگر بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پہلے عمیر (جو عمر کی تصغیر ہے) کہے جاتے۔ بعد کو ترقی ہوئی تو عمر نام پڑ گیا۔ علامہ ابن عبد ربہ نے اسکے متعلق ایک عجیب وغریب روایۃ بھی لکھی ہے جو یہ ہے۔ خرج عمر بن الخطابؓ ویدہ علی المعلے بن الجارود العبدی فلقیتہ امرأۃ من قریش فقالت لہ یا عمر۔ فوقف لھا۔ فقالت کنا نعرفک مدۃ عمیرا ثم صرت من بعد عمیر عمر ثم صرت من بعد عمر امیرالمومنین فاتق اللہ یا ابن الخطاب وانظر فی امور الناس فانہ من خاف الوعید قرب علیہ البعید ومن خاف الموت خشی الفوت فقال المعلے ایھا یا امۃ اللہ فقد ابکیت

امیرالمومنین فقال له عمر اسکت - اتدری من هذه؟ هذه خولة بنت حکیم التی سمع الله قولها من سمائه فعمر احری ان یسمع قولها ویقتدی به - ایک دفعہ معلے بن جارود عبدی کے اوپر ہاتھ رکھے ہوئے حضرت عمر برآمد ہوئے تو قریش کی ایک عورت آپکو مل گئی - اوس نے آپ کو دیکھکر کہا اے عمر! اس پر حضرت عمر اسکے لئے ٹھہر گئے کہ سُنیں کیا کہتی ہے - اوس نے کہا ہم لوگ تم کو مدت دراز تک تو عمیر اجانتے تھے عمیر کے بعد تم عمر ہو گئے - اور عمر کے بعد اب امیرالمومنین بن گئے - تو اے خطاب کے لڑکے اللہ سے ڈرو اور لوگوں کے امور میں غور و فکر کرو - کیونکہ جو شخص دھمکی سے ڈرتا ہے وہ اپنے او پر دور کو نزدیک کرتا ہے اور جو موت سے خوف کرتا ہے وہ فوت سے بچتا ہے - یہ سُن کر معلے نے اوس عورت سے کہا اے کنیز خدا تو نے امیرالمومنین کو رُلا دیا تو حضرت عمر نے معلے سے کہا چپ ہو - تم جانتے بھی ہو یہ کون بی بی ہیں؟ یہ خولہ دختر حکیم ہیں جن کی بات کو اللہ نے اپنے آسمان پر سے سُنا تو عمر کو زیادہ سزاوار ہے کہ ان کی بات سُنے اور اسکی پیروی کرے (عقد فرید جلد ا صفحہ ۱۸۵) - آپکی کنیت ابوحفص یا ابوحفصہ تھی - آپکا لقب فاروق مشہور ہے مگر معلوم نہیں کیوں یہ لقب آپکا مشہور کیا گیا - درصورتے کہ حضرت رسو لخدا صلعم سے اس لقب کا آپ کو ملنا ثابت نہیں ہے - علامہ مسعودی نے لکھا ہے:-

وانما سمے الفاروق لانه فرق بین الحق والباطل وکنیته ابوحفص وهو اول من سمے بامیرالمومنین سماه عدی بن حاتم وقیل غیره والله اعلم وکان اول من سلم علیه بها المغیرة بن شعبه واول من دعاله بهذا الاسم علے المنبر ابوموسے الاشعری فلما قرئے ذلک علے عمر قال انی لعبد الله وانی لامیرالمومنین الحمد لله رب العالمین - حضرت عمر فاروق اس وجہ سے مشہور کئے گئے کہ آپ ہی نے حق و باطل کے درمیان فرق کر دیا - اور آپکی کنیت ابوحفص تھی - اور آپ ہی پہلے وہ شخص ہیں جن کا نام امیرالمومنین رکھا گیا - یہ نام آپکو عدی بن حاتم نے دیا تھا اور لوگوں نے اسکے علاوہ بھی لوگوں کا نام لیا ہے واللہ اعلم - اور سب سے پہلے یہ نام لیکر آپ پر مغیرہ بن شعبہ نے سلام کیا تھا - اور

منبر پر سب سے پہلے جس شخص نے اس نام سے آپ کے لئے دعا کی وہ ابو موسیٰ اشعری تھے۔ جب یہ بات حضرت عمر کے سامنے ذکر کی گئی تو انھوں نے کہا میں اللہ کا بندہ اور میں ہی امیر المومنین ہوں الحمد للہ رب العالمین (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۵ ص۱۰۹) جس سے واضح ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے آپ کو لقب فارق نہیں دیا بلکہ یہ لقب بھی حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ ہی کو دیا اور سب مسلمانوں سے فرما دیا تھا سیکون بعدی فتنة فاذا کان ذلک فالزموا علی ابن ابی طالب فانه الفاروق بین الحق والباطل۔ میرے بعد فتنہ ہوگا جب اس کا وقت آئے تو تم سب علیؑ کی پیروی کرنا کہ وہ ہی حق و باطل کے درمیان فاروق (فرق کرنے والے) ہیں (کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۵) ان هذا اول من آمن بی وهو اول من یصافحنی یوم القیامة وهذا الصدیق الاکبر وهذا فاروق هذه الامة یفرق بین الحق والباطل وهذا یعسوب المومنین۔ آنحضرتؐ نے فرمایا یہ علیؑ مجھ پر سب سے پہلے ایمان لائے اور قیامت میں سب سے پہلے یہی مجھ سے مصافحہ کرینگے۔ یہی صدیق اکبر اور یہی اس امت کے فاروق ہونگے کہ حق و باطل کے درمیان فرق کردینگے اور یہی مومنین کے سردار ہیں (جلد ۶ ص۱۵۶) وعن ابی ذر قال سمعت رسول اللہؐ یقول لعلی انت الصدیق الاکبر وانت الفاروق الذی تفرق بین الحق والباطل۔ جناب ابوذر بیان کرتے تھے کہ میں نے سنا حضرت رسولخدا صلعم حضرت علیؑ سے فرماتے تھے کہ تم ہی صدیق اکبر ہو اور تم ہی وہ فاروق ہو جو حق و باطل کے درمیان فرق کردوگے (ریاض نضرہ جلد ۲ ص۱۵۵)۔ اور جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے لکھا ہے در احادیث صحیحہ کنیت شان بابو تراب و ابو الریحانتین و تلقیب ایشان بہ ذی القرنین و یعسوب الدین و یعسوب الایمان و صدیق و فاروق و سابق و یعسوب الامة و یعسوب المومنین و یعسوب قریش و بیضة البلد و امین و شریف و ہادی و مہدی وغیرہ مروی و ثابت است۔ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ کی کنیت ابو تراب اور ابو الریحانتین اور آپ کے القاب ذو القرنین۔ یعسوب الدین۔ صدیق۔ فاروق۔ سابق۔ یعسوب الامة یعسوب المومنین۔ یعسوب قریش۔ بیضة البلد۔ امین۔ شریف۔ ہادی اور مہدی لکھ

تھے - ان سب کی روایتیں موجود اور ثابت ہیں (فتاوے عزیزی جلد ۲ صلہ)

ساتویں فصل

آپ کا اسلام

حضرت عمر کے اسلام لانے کا واقعہ بہت حیرت خیز ہے - اس کی توضیح کے لئے ناظرین اس کتاب کے صک سے صلہ تک پھر پڑھ لیں۔ عام مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کی ۲۷ سال کی عمر تھی کہ جناب رسالت مآب صلعم عہدۂ نبوت پر سرفراز ہوئے۔ اسکے بعد ۶ سال تک حضرت عمر جناب رسولخدا اور مسلمانوں پر نہایت ہی سخت رہے۔ آپکا ماموں ابوجہل آنحضرت صلعم کی جان کا دشمن ہوگیا تھا۔ وہ اپنے مجمع میں بولا کہ جو کوئی محمد کا سر کاٹ کر لائے اوس کو سو اونٹ یا چالیس ہزار درہم انعام ملیگا۔ حضرت عمر نے جو ابوجہل کی طرح آنحضرت کے سخت دشمن تھے کہا کہ یہ کام میں کروں گا۔ بس اپنی تلوار لے کر ارقم کے گھر کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضرت اب تک مقیم تھے۔ راستہ میں کسی نے پوچھا کہاں؟ تو کہا محمد کو قتل کرنے۔ اس نے کہا پہلے اپنی بہن کی تو خبر لے کہ وہ بھی مسلمان ہو گئی ہیں - یہ وہاں پہونچے۔ بہنوئی سے چمٹ گئے۔ دونوں میں خوب مار پیٹ ہوئی - بہن کے منہ پر ایسا گھونسا مارا کہ خون بہنے لگا۔ اسکے بعد آنحضرت کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہونچے تو آنحضرت صلعم نے آپکی کلائی پکڑ کر فشار دیا جس سے حضرت عمر گھٹنے کے بل بیٹھ گئے اور ایسی ہیبت آپ پر طاری ہوئی کہ کانپنے لگے۔ حضرت نے فرمایا اے عمر کیا تو باز نہ آئیگا جب تک تیرے حق میں بھی وہی نازل نہ ہو جو ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت عمر نے فوراً کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اسلام قبول کرلیا۔

کیا آج تک کسی شخص نے کوئی جدید مذہب اس قدر جلد قبول کرلیا ہے؟ نہ آج تک یہ کہیں سُنا گیا نہ کسی طرح یہ عقل میں آتا ہے۔ اس وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا اس قدر جلد اسلام قبول کرلینا دو ہی وجہ سے ہوگا۔ یا جان کے خوف سے

کیونکہ آنحضرتؐ کلائی پکڑ کر فشار دے رہے ہیں اور حضرت عمر کہہ رہے ہیں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ۔ یا کسی بات کے دفعۃً یاد آجانے سے۔ چنانچہ اسکے قبل صفحہ ۱۲۲ میں یہ روایت لکھی گئی کہ شام میں ایک عیسائی راہب نے آپ کو حکومت کی خوش خبری سنائی تھی۔ ممکن ہے وہی خیال تازہ ہوگیا ہو اور آپ نے سوچا ہو بس جلد اس دین میں داخل ہوکر ملک شام فتح کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس مضمون کی اور روایتیں بھی ہیں۔ علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے ان عمر خرج عسیفا مع الولید بن المغیرۃ الی الشام فی تجارۃ للولید وعمر یومئذ ابن ثمانی عشرۃ سنۃ فکان یرعی للولید ابلہ ویرفع احمالہ ویحفظ متاعہ فلما کان بالبلقاء لقیہ رجل من علماء الروم فجعل ینظر الیہ ویطیل النظر لعمر ثم قال اظن اسمک یاغلام عامر او عمران او نحو ذلک قال اسمی عمر قال اکشف عن فخذیک فکشف فاذا علی احدھا شامۃ سوداء فی قدر راحۃ الکف۔ فسألہ ان یکشف عن راسہ فکشف فاذا ھو اصلع فسألہ ان یعتمل بیدہ فاعتمل فاذا اعسر الیسر۔ فقال لہ انت ملک العرب وحق مریم البتول قال فضحک عمر مستھزئا۔ قال او تضحک وحق مریم البتول انک ملک العرب وملک الروم وملک الفرس فترکہ عمر وانصرف مستھینا بکلامہ وکان عمر یحدث بعد ذلک ویقول تبعنی ذلک الرومی وھو راکب حمار فلم یزل معی حتی باع الولید متاعہ وابتاع بثمنہ عطرا وثیابا وقفل الی الحجاز والرومی یتبعنی لا یسألنی حاجۃ ویقبل یدی کل یوم اذا اصبحت کما یقبل ید الملک حتی خرجنا من حدود الشام ودخلنا فی ارض الحجاز۔ حضرت عمر ایک دفعہ خدمت گاری کی نوکری کرکے ولید بن مغیرہ کے ساتھ شام کی طرف گئے ولید ہی کی تجارت میں۔ اس وقت آپکی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ راستہ میں آپ ولید کے اونٹوں کو چراتے انکے مال واسباب کو ڈھوتے اور اسکی چیزوں کی چوکیداری کرتے ہوئے جا رہے تھے جب مقام بلقاء میں پہونچے تو روم کے عیسائی عالموں میں سے ایک عالم نے آپکو دیکھا تو آپکی طرف غور کی نظر سے تکنے لگا اور دیر تک آپ کو دیکھتا رہا۔ پھر کہا

غلام (یا اے لڑکے) میرا گمان ہے کہ تمہارا نام عامر یا عمران یا اسی قسم کا کچھ ہے۔ حضرت عمر نے کہا میرا نام عمر ہے۔ اس نے کہا اچھا اپنی دونوں رانیں ذرہ کھول تو دو۔ حضرت نے کھول دیں تو اس نے دیکھا کہ آپ کی ایک ران پر ایک سیاہ تل ہتھیلی کے گڈھے برابر ہے۔ اب اس نے آپ سے کہا کہ اپنا سر بھی کھول دو۔ آپ نے کھول دیا تو اس نے دیکھا کہ آپ گنجے ہیں۔ تب اس نے کہا کہ آپ اپنے ہاتھ سے کام کرنا دکھائیے۔ آپ نے کیا تو معلوم ہوا کہ آپ بائیں ہاتھ سے اور داہنے ہاتھ سے بھی کام کرتے تھے۔ تب اس نے کہا مریم بتول کی قسم تم عرب کے بادشاہ ہو جاؤ گے یہ سن کر حضرت عمر ہنس دیئے تو اس نے کہا تم ہنستے ہو؟ مریم بتول کے حق کی قسم تم ضرور عرب و روم و ایران کے بادشاہ بن جاؤ گے۔ اسکے بعد حضرت عمر نے اسکو چھوڑ دیا اور اسکی باتوں کو حقارت سے ٹھکراتے ہوئے واپس آ گئے۔ اور آپ اسکے بعد اس واقعہ کو بیان کرتے اور کہتے تھے کہ وہ رومی میرے پیچھے لگا رہا اور ہر روز صبح کو میرے ہاتھوں کو اسی طرح بوسہ دیتا جس طرح بادشاہ کا ہاتھ چوما جاتا ہے یہاں تک کہ ہم لوگ ملک شام کے حدود سے نکل کر زمین حجاز میں داخل ہو گئے (شرح نہج البلاغۃ جلد ۳ صفحہ ۱۲۲)۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی اس خبر کی روایتیں لکھی ہیں۔ مثلاً عن ابن مسعود قال رکض عمر فرسا فانکشف ثوبہ عن فخذہ فرأے اھل نجران بفخذہ شامۃ سوداء فقالوا ھذا الذی فی کتابنا انہ یخرجنا من ارضنا ابن مسعود بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے اپنا گھوڑا دوڑایا تو ان کی ران پر سے کپڑا ہٹ گیا۔ اوس وقت اہل نجران نے (جو سب عیسائی تھے) آپ کی ران پر ایک سیاہ تل دیکھکر کہا یہی وہ شخص ہے جسکے بارے میں ہمیں اپنی کتاب سے پتا چلتا ہے کہ ہم لوگوں کو اس ملک سے نکال دیگا (ازالۃ الخفاء مقصد ۱ صفحہ ۳۲)۔ ان روایتوں میں یہ امر قابل تامل ہے کہ جن عیسائی راہبوں یا عالموں نے آپ کے متعلق پیشین گوئیاں کیں سب نے آپ کی بادشاہت۔ یا فتوحات ہی کی خبر بیان کی کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپ خلیفہ رسول ہونگے۔ یا ہم لوگوں کو اسلام سکھائیں گے۔ یا ہم لوگوں کی ہدایت کریں گے یا ہم لوگوں کو بہشت کا راستہ بتائینگے

یا ہم لوگوں کو اچھے اخلاق کی تعلیم دینگے۔ اور ظاہر ہے کہ جب آپ کا اور آپ کے والد کا اصل پیشہ ہیزم فروشی تھا جیسا کہ ادب کی کتابوں کی عبارتوں سے بیان کیا گیا۔ اور جب آپ ۱۸ برس کے ہو کر ولید بن مغیرہ مخزومی کے ہاں خدمت گاری پر مقرر ہو گئے کہ اسکے اونٹ چراتے۔ اسکے اسباب ڈھوتے اور اسکے مالوں کی چوکیداری کرتے اور اس سے ترقی کرکے آپ بازاروں میں دلالی کا پیشہ کرنے لگے تو بادشاہت کی خوش خبری آپ کے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر تھی۔ اس وجہ سے آپ نے فوراً اسلام قبول کرلیا ہو کہ ممکن ہے اس ذریعہ سے ان ملکوں کے فتح کرنے کا موقع مل جائے گا۔ مورخین کا بیان ہے کہ حضرت حمزہ (عم رسولؐ) اور حضرت عمر کے اسلام لانے کے بعد مسلمان ارکان اسلام مسجد حرام میں علانیہ ادا کرتے تھے۔ حضرت عمر نے حضرت رسو لخدا صلعم سے اصرار کیا کہ ہمیں مناسب نہیں کہ اپنے دین کو چھپائیں اور خود بھی چھپتے پھریں حضرتؐ نے فرمایا ہم لوگ ابھی تھوڑے ہیں اور جو کچھ ہم لوگوں پر گزر رہی ہے تم دیکھ چکے ہو۔ مگر آپ اصرار کرکے آنحضرتؐ کو خانہ کعبہ کی طرف لے گئے۔ دوران کعبہ میں آئے تو کفار مکہ نے مزاحمت کی مگر حضرت علیؑ و جناب حمزہ نے اس گروہ کو ہٹا دیا۔ اور آنحضرت صلعم نے دو رکعت نماز علانیہ کعبہ میں پڑھی اور دار ارقم کی طرف واپس گئے مگر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے اصرار پر جو آنحضرت صلعم نے کعبہ میں دو دفعہ اسلام کا اعلان کیا اس سے قریش کی آتش عداوت اور بھی بھڑک اوٹھی اور اس کا خمیازہ رسو لخدا صلعم کو تین سال تک بھگتنا پڑا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم مع تمام بنی ہاشم کے تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے اور شدید ترین مصائب کی زندگی بسر کی۔ مولوی شبلی صاحب نے اس جگہ بہت اختصار سے کام لیا۔ لکھتے ہیں "حضرت عمر کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کردیا۔ اس وقت تک اگرچہ ۴۰۔۵۰ آدمی اسلام لاچکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہدا نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہیں ادا کرسکتے تھے۔ اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمر کے اسلام کے ساتھ دفعتہً یہ حالت بدل گئی۔ انہوں نے علانیہ اپنا اسلام ظاہر

کیا۔ کافروں نے اول اول ان پر بڑی شدت کی لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے" (الفاروق صفحہ ۳۱)۔ مگر اسکی وجہ سے اسلام کن مصائب میں مبتلا ہو گیا اس کو موصوف نے نظر انداز کر دیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اسکے بعد کفار قریش نے مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیئے اور کوئی ظلم باقی نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ حضرت رسولخدا صلعم نے مجبور ہو کر مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کر کے کبھی حبشہ کی طرف اور کبھی مدینہ کی جانب چلے جانے کا حکم دیا۔ مورخین نے بتصریح لکھ دیا ہے واسلم عمر بن الخطاب فلما اسلم اجتمعت قریش فائتمرت بینھا ان یکتبوا بینھم کتابا یتعاقدون فیہ علے ان لا ینکحوا الے بنی ھاشم وبنی المطلب ولا ینکحو ھم ولا یبیعو ھم شیئا ولا یتباعوا منھم فکتبوا بذلک صحیفۃ وتعاھدوا وتواثقوا علے ذلک... فلما فعلت ذلک قریش انحازت بنو ھاشم وبنو المطلب الی ابی طالب فدخلوا معہ فی شعبہ فاقاموا علے ذلک من امرھم سنتین او ثلاثا حتے جھد وا لا یصل الی احد منھم شئ الا سرا مستخفیا بہ۔ حضرت عمر مسلمان ہوئے تو قریش نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایک عہدنامہ لکھیں جس میں سب عہد کریں کہ اب خاندان بنی ہاشم سے شادی بیاہ نہیں کرینگے اور نہ انکے ہاتھ کوئی چیز بیچیں گے اور نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے۔ آپس میں طے کر کے ایسا معاہدہ ان لوگوں نے لکھ لیا اور اس پر پورا عہد و میثاق کیا... جب قریش نے یہ کارروائی کی تو بنو ہاشم اور بنو مطلب جناب ابو طالب کے پاس چلے گئے۔ وہ ان سب لوگوں کو لئے ہوئے اپنے شعب میں داخل ہو گئے۔ وہاں وہ سب انھیں مصائب کے ساتھ دو تین سال تک قیدی بنے رہے۔ ان کے مصائب و شدائد کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ ان تک کوئی چیز بھی جانے نہیں پاتی۔ بس جس کو ان لوگوں پر رحم آتا وہ پوشیدہ طور پر انکی مدد کے لئے کچھ بھیج دیتا تھا (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۵) سال میں دو دفعہ موسم حج کے وقت بنی ہاشم شعب سے باہر آتے اور خرید و فروخت کر کے پھر شعب میں چلے جاتے تھے اور دوسرے موسم کے آنے تک ہر چند گرسنگی اور احتیاج سے پریشان ہوتے مگر خوف قریش سے باہر نہیں آسکتے تھے۔ کیونکہ قریش نے ان کا محاصرہ

کر رکھا تھا۔ بغیر موسم اگر کوئی شخص باہر نکلتا تو لوگ اوس کو مارتے۔ بازار میں کوئی چیز خرید و فروخت نہیں کرنے دیتے۔ اس قید نے اہل شعب پر بڑی مصیبت ڈالی جسمانی اور روحانی تکلیف کے علاوہ رزق کی تنگی کی یہ نوبت پہونچ گئی کہ بیچارے درختوں کے پتے کھانے لگے۔ ناطے کنبے والے جو چوری چھپے کوئی چیز بھیجتے اور لوگوں کو خبر ہو جاتی تو وہ اپنے ہم چشموں میں رسوا کئے جاتے اور بد عہد قرار پائے تھے۔ تین برس اسی حالت میں گزرے۔ اہل شعب کی حالت روز بروز بد تر ہونے لگی۔ ان کے بچے بھوک سے شور مچاتے تو رات کو پڑوسیوں کی نیند حرام ہو جاتی اس زمانہ میں حضرت عمر کہاں اور کس حال میں تھے اس سے تاریخ کے اوراق خاموش نظر آتے ہیں۔ آپ نے اس مصیبت کے وقت حضرت رسولخدا صلعم کی کیا مدد کی مسلمانوں کو کیا آرام پہونچایا۔ کفار قریش جو شعب کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ان سے کیا سفارش کی۔ غرض کسی امر کا پتا چلتا ہی نہیں ہے۔ مولوی شبلی صاحب تک کوئی بات نہیں بتا سکے کہ اس مدت آفات و بلایا میں حضرت عمر عرب میں تھے یا کہیں تشریف لے گئے تھے یہ سکوت نہایت حیرت خیز ہے کہ حضرت ممدوح مسلمان تو ہوئے ۶ نبوت بعثت میں اور اسکے بعد مکہ معظمہ میں ۶ سال تک رہے مگر سوائے اسکے کہ آپ نے اصرار کرکے مسلمانوں سے خانہ کعبہ میں نماز پڑھوا دی جسکے بعد اہل اسلام شعب ابیطالب میں محصور ہو گئے۔ آپ کا کوئی کارنامہ کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا۔

آٹھویں فصل

مدینہ کی طرف ہجرت

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں " اہل قریش ایک مدت تک آنحضرتؐ کے دعوائے نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہوتا جاتا تھا انکی بے پروائی غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب ایک جماعۃ کثیر اسلام کے حلقہ میں آگئے تو قریش نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹانا"

ابو طالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کرسکے لیکن ان کے انتقال کے بعد کفار بڑی سے اور بڑھ کھڑے ہوئے اور جس کسی مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گزرا کہ اسکی تفصیل ایک نہایت درد انگیز داستان ہے۔ اسی اثنا میں مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کرلیا تھا اسلئے آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ سب سے پہلے ابوسلمہ پھر حضرت بلال اور عمار یاسر نے ہجرت کی۔ ان کے بعد حضرت عمر نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کا قصد کیا (الفاروق ص۳۵) یہ واقعہ بھی حیرت سے خالی نہیں کیونکہ جب آنحضرت صلعم نے یہ حکم دیا تھا کہ "جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں" تو حضرت عمر نے کیوں ہجرت کی؟ کیا آپ کو بھی باوجود آپ کے اس دبدبہ اور شوکت کے کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی تھی؟ یہ اور تعجب خیز ہے کہ مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے والوں میں آپکا چوتھا نمبر تھا۔ حالانکہ آپ ہر کام میں حضرت ابوبکر کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ اس وقت کیا مصلحت پیدا ہوگئی کہ ان سے اور حضرت رسولخدا صلعم سے بہت پہلے ہجرت کو اختیار کرلیا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر بھی کفار عرب کی پوری یورش تھی اور آپکی ذاتی وجاہت یا خاندانی طاقت کافروں کو مرعوب نہ کرسکی۔ آپ کے ماموں ابوجہل نے بھی آپکی کوئی مدد نہیں کی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے ساتھ ہجرت کرنے کے لئے نہیں روکا تھا۔ کیونکہ اگر آنحضرتؐ ان کو روکتے تو حضرت عمر کو بھی ضرور روکتے جو جرأت وہمت وبہادری وسطوت وجلالت واثر ورعب وہیبت وشان وشکوہ وعظمت وہر دلعزیزی وقابلیت وکمال وعلم اوصاف جلیلہ وخصائل حمیدہ میں حضرت ابوبکر سے کہیں بڑھے چڑھے سمجھے جاتے تھے یہاں تک کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کی پیشینگوئی بھی آپ ہی کے لئے کی گئی تھی۔

الحمدللہ کہ محض اسی کے فضل وکرم سے سوانح عمری خلیفہ دوم کا پہلا حصہ تمام ہوگیا۔ یہ دوسرا حصہ بھی اب جلد شایع کیا جائیگا جس میں آپکی مدینہ کی زندگی ووفات کے [illegible] پوری تحقیق وجامعیت سے لکھی جائینگی وھو حسبی ونعم الو[illegible]

کیا یہ لوگ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے گزر گئے ان کا انجام
کیسا برا ہوا حالانکہ جو لوگ ان سے قوت میں بھی زیادہ تھے اور جس قدر زمین ان لوگوں نے آباد کی ہے اس سے
کہیں زیادہ ان لوگوں نے بھی آباد کی تھی اور ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر واضح اور روشن دلیلیں
لے کر آچکے تھے مگر ان لوگوں نے نہ مانا تو خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ لوگ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے

الحمد للہ

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمیٰ بہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

حصۂ ثانیہ

جس میں خدا کے فضل و کرم سے حضرت عمر ابن الخطاب کی ہجرت طرف مدینہ سے وفات تک کے
مفصل سوانح حیات کمال تحقیق و جامعیت سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدۂ مبارکہ اصلاح کھجوا (بہار)
ابن
حضرت فخر المتکلمین ظہیر العلماء والمجتہدین زین الملۃ والدین حجۃ الاسلام والمسلمین کہف الایمان والمومنین آیۃ اللہ
فی العالمین مولانا و مقتدانا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ وجعل اللہ الجنۃ مثواہ المتوفی
۱۲ شعبان ۱۳۵۲ھ

مطبع اصلاح کھجوا (صوبہ) بہار میں طبع ہوئی